طبع جدید

مِصباح المعانی

شرحِ اُردو شرح مُلّا جامی

مع اردو ترجمہ

الصرح النامی

حصہ چہارم

بحث حرف

قدیمی کُتب خانہ آرام باغ کراچی

طبع جدید

مصباح المعانی

شرح اردو شرح مُلّا جامی

مع اردو ترجمہ

الصرح النامی

حصہ چہارم

بحث حرف

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحرف

مادل علی معنی فی غیرہ ای کلمۃ دلت علی معنی حاصل فی غیرھا

بحث حرف

جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کے غیر میں ہوں یعنی حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کلمہ کے غیر میں حاصل (پائے جاتے) ہوں۔

قولہ الحرف مادل الخ مصنف کافیہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کتاب میں کلمہ کی تین قسمیں اسم، فعل، حرف بیان کی تھیں اور بتایا تھا کہ کلمہ کا انحصار انہیں تین قسموں میں ہے اس موقعہ پر جو دلیل انحصار بیان کی تھی اس سے اسم، فعل، حرف تینوں کی تعریفیں بھی معلوم ہو گئیں تھیں، مگر صاحب کافیہ نے بحث اسم شروع کرنے سے قبل تعریف اسم کو مستقل طور سے بیان کیا تھا پھر اسم کی بحث ختم کر کے جب بحث فعل شروع کی تھی تو فعل کی تعریف بھی مستقل طور سے بیان کی اب جب بحث فعل ختم ہو گئی اور بحث حرف کو شروع کرنا چاہا تو یہاں پر بھی حرف کی تعریف سے بحث کا افتتاح کیا چنانچہ حرف کی تعریف صطلاحی ان الفاظ سے ذکر فرمائی الحرف مادل علی معنی فی غیرہ یعنی حرف وہ کلمہ ہے جو غیر مستقل پر دلالت کرے، غیر مستقل معنی سے یہ مراد ہے کہ حرف کے ایسے معنی ہوتے ہیں کہ اس کے سمجھنے کے لیے کسی ایسے دوسرے کلمہ کے ملانے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ معنی مستقل ہوں۔ خواہ کلمہ اسم ہو یا فعل ہو غرضیکہ حروف کہ ان کے معانی جب تک دوسرا کلمہ نہ ملایا جائے سمجھ میں نہیں آتے جیسے من، الی، فی وغیرہ کہ انکے معانی دوسرے کلموں سے ملانے کے بعد ذہن میں آتے ہیں مثلاً کہا جائے ذہبت من الدار الی المدرسۃ حضرت عارف کامل ملا جامی رحؒ نے الحرف مادل علی فی غیرہ کی تفسیر کلمۃ دلت علی معنی حاصل فی غیرہا الخ سے کی، مادل کی شرح میں کلمۃ دلت لانے سے حضرت شارحؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ما موصولہ سے مراد کلمہ اور مادل کا مفہوم کلمۃ دلت ہے اور علی معنی کے بعد لفظ حاصل اضافہ کرکے یہ بتانا ہے کہ فی غیرہ جار مجرور کا متعلق عبارت میں کوئی مذکور لفظ نہیں ہے بلکہ یہ جار مجرور حاصل مقدر کے متعلق ہے اور فی غیرہ حاصل سے مل کر معنی کی صفت ہے اور معنی موصوف مع صفت کے مجرور ہے اور جار مجرور ملکر دل کے متعلق ہے اور فی غیرہا سے شارح رحؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فی غیرہ کی ضمیر غائب کا مرجع وہ ما موصولہ ہے جو مادل میں ہے اور یہ ضمیر اگرچہ مذکر ہے مگر ما سے مراد کلمہ ہے اور کلمہ مؤنث ہے اس وجہ سے ضمیر مذکر کو ضمیر مؤنث سے بدلدیا لیکن مصنف کا ضمیر مذکر لانا اس بنا پر ہوا ہے کہ ما موصولہ لفظ کے اعتبار سے مذکر ہے اگرچہ یہاں معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے اسکے بعد شارح نے فرمایا مستقل بالنسبۃ الیہ یہ بتانا ہے کہ حرف کی تعریف میں جو کہا کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کلمہ غیر میں حاصل اور موجود ہو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ کلمہ اپنے معنی پر بغیر دوسرے کلمہ کے ملائے ہوئے دلالت نہ کرتا ہو جیسے من اور الیٰ وغیرہ اور یہ دلالت اس بنا پر ہوتی ہے کہ حرف کا مفہوم مستقل نہیں ہوتا اس وجہ سے معنے پر دلالت کرنے کے لئے دوسرے کلمہ کے ملانے کی حاجت ہوتی ہے معلوم ہو کہ شارحؒ نے فی غیرہ کے ضمیر کے مرجع میں جو دوسرا احتمال ہے اور اس کو یہاں پر اختصاراً اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ اسم و فعل کی تعریف میں اس احتمال کو ذکر کر دیا تھا پس یہاں پر بھی احتمال ہے کہ فی غیرہ ضمیر کا مرجع معنی ہو اب حرف کی تعریف اسطرح ہو جاویگی کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو معنی کہ دوسرے معنی میں حاصل ہیں اور معنی میں دوسرے معنی میں حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معنی جس پر حرف دلالت کرتا ہے مستقل بالمفہوم نہ ہو یعنی حرف جس معنی پر دلالت کرتا ہے وہ معنی ایسے ہوں کہ اس پر کلمہ کی دلالت اسوقت ہو جب اس معنی کے ساتھ دوسرے ایسے معنی مل جاویں جو مستقل بالمفہوم ہو۔

متعقل بالنسبة" الیه ای لایکون مستقلا بالمفهومیة بحیث یصلح لان یحکم علیه او به بل لابد له فی ذلک من

جو اس کی بہ نسبت مستقل ہو یعنی حرف مستقل بالمفہومیت (سمجھے جانے پر مستقل) نہ ہو بایں طور کہ محکوم علیہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو یا اس کے ذریعہ حکم دیا جا سکتا ہو (یعنی محکوم بہ نہ ہو) بلکہ اس کے لئے اس میں (محکوم علیہ و بہ ہونے میں) اسکی

تعریف حرف پر چند شبہات

فی غیرہ ضمیر کا مرجع خواہ ما موصولہ قرار دیا جاوے خواہ لفظ معنی دونوں صورتوں میں اشکال ہے اگر ضمیر فی غیرہ کا مرجع ما موصولہ ہے تو یہ اشکال ہے کہ فی غیرہ ضمیر تو مذکر ہے اور ما سے جو مراد ہے وہ کلمہ ہے جو مؤنث ہے لہذا مرجع ضمیر اور ضمیر میں مطابقت نہیں۔ دوسرا اشکال اس پر یہ ہے کہ تفصیل اور اجمال میں مطابقت باقی نہ رہی کیونکہ دلیل حصر کے ذیل میں جب حرف کی تعریف صاحب کافیہ نے کی تھی تو وہاں فی غیرہا فرمایا تھا اور مرجع ضمیر کلمہ تھا اور یہاں پر مرجع ما موصولہ ہے لہذا اجمال اور تفصیل میں مطابقت باقی نہ رہی اور اگر فی غیرہ کی ضمیر کا مرجع معنی کو قرار دیا جاوے تو اس صورت میں معنی مدلول کلمہ کا غیر معنی میں حاصل ہونا لازم آتا ہے اور نیز اس تقدیر پر بھی اجمال اور تفصیل میں مطابقت پیدا نہیں ہوتی ہے کیونکہ اجمال میں فی غیرہا کہہ کر ضمیر کا مرجع کلمہ قرار دیا تھا اور یہاں پر ضمیر کا مرجع معنی ہے۔ محقق شارح رحمہ اللہ نے اول تقدیر پر جو اعتراض ہوتا ہے... اس کا جواب ما دل کی تفسیر کلمۃ دلت سے کرکے دیدیا۔ تفصیل

اس حل کی یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع ما موصولہ ہے اور وہ تلفظ کے اعتبار سے مذکر ہے اس لئے دل اور فی غیرہ میں ضمیر مذکر لائی گئی تاکہ عدم مطابقت ضمیر اور مرجع کا شبہ نہ ہو اور چونکہ ما سے مراد کلمہ ہے لہذا اجمال اور تفصیل میں عدم مطابقت کا شبہ نہ رہا اور معنی کا غیر کلمہ میں ہونا یا معنی کا غیر معنی میں ہونے کا جواب اس سے دیدیا کہ فی یہاں پر ظرفیت حقیقیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ فی ظرفیت مجازیہ کے لئے ہے اعتبار کے معنی میں یعنی کلمہ کی دلالت اپنے معنی پر دوسرے کلمہ کے اعتبار سے ہو اور ایسے ہی دوسرے معنی کے اعتبار سے ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معنی غیر کی طرف نسبت کے ساتھ متعقل ہو یعنی حرف کے معنی کا حصول ذہن میں جب حرف بولا جاوے جب ہو جب ایک کلمہ اور اس کلمہ کے ساتھ ملایا جاوے جس کے معنی خود بخود ذہن میں آجاویں، اور جب کلمہ کے ساتھ کلمہ ملے گا تو لامحالہ معنی کے ساتھ معنی ملیں گے پس متعقل بالنسبۃ الیہ یعنی الی الغیر یہ معنی کی صفت ہے اس سے یہ اعتراض دفع ہو گیا جو کہا جاتا ہے کہ حاصل فی غیرہا کا مفہوم یہ ہے کہ حرف کے معنی غیر حرف میں موجود اور حاصل ہوں یا حرف کے معنی غیر معنی میں حاصل ہوں اور یہ باطل ہے۔ پس شارح نے بتادیا کہ حصول فی غیرہ سے مراد یہ ہے

اور معنی کا ذہن میں حاصل ہونا غیر کے سبب اور اعتبار سے ہو خود حرف کے بولنے سے حاصل نہ ہو پس اس میں بار سببیت یا اعتبار کے معنی میں ہے۔ اور جب فی بمعنی بار سببیہ۔ لی گئی تو اس وقت فی غیرہ ظرف لغو ہو کر دل کے متعلق ہو سکتا ہے یعنی کلمہ کی دلالت معنی پر اس کے غیر کے سبب سے ہو

قولہ لایکون مستقلا بہ یہ قول شارح رحمہ اللہ متعقل بالنسبۃ الیہ کی تفسیر ہے یعنی اس کلمہ کے معنی خود اپنے اعتبار سے مدرک نہ ہوں بلکہ دوسرے کلمہ کے ملانے کے اعتبار سے مدرک ہوں یعنی وہ کلمہ اپنے معنی کے سمجھانے اور ذہن میں آنے کے لئے مستقل نہ ہوں بلکہ اس غیر کے ملاحظہ کے لئے آلہ ہو اس کلمہ کا مستقل بالمفہومیۃ نہ ہونا اس طور پر ہو کہ وہ تنہا کلمہ اپنے معنی کے اعتبار سے نہ محکوم علیہ بن سکے اور نہ محکوم بہ بلکہ اس کے محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کے لئے اس کی طرف دوسرا امر یعنی دوسرا کلمہ کا ملانا ضروری ہو۔ بحیث یصلح منفی یعنی قولہ لایکون کی قید ہے معلوم ہو کہ شارح کی اس عبارت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تنہا وہ کلمہ محکوم علیہ یا محکوم بہ کی صلاحیت نہ رکھتا ہو لیکن اس کے ساتھ امر آخر (دوسرے کلمہ) کا انضمام (ملنا) واقع ہو جاوے تو محکوم علیہ یا محکوم بہ بن سکے اور اس وقت وہ مستقل بالمفہومیۃ ہو جاوے گا حالاں کہ ایسا نہیں بلکہ اس انضمام سے معنی پر البتہ دلالت ہو جائے گی اور اس انضمام سے اس کلمہ کے معنی اس غیر کے ملاحظہ کے لئے آلہ ہو جائینگے، یعنی اس غیر کے اعتبار اس کلمہ کے معنی ذہن میں حاصل ہو جاویں گے۔ معلوم ہو کہ شارح رحمہ اللہ نے ما کی تفسیر کلمہ سے کرکے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ تعریف جنس قریب پر مشتمل ہے اور یہ حرف کی جنس قریب ہے اور علی معنی فی غیرہ

انضمام امر اخر الیه ومن ثم ای ولاجل انه یدل علی معنی فی غیرہ احتاج فی جزئیته للکلام رکنا کان او غیرہ الی اسم یتعقل معناہ بالنسبة الیه نحو من البصرة او فعل کذلک نحو قد ضرب حروف الجر ما وضع للافضاء بفعل ای ایصاله فان معنی الافضاء الوصول ولما عدی بالباء صار معناہ الایصال او معناہ ای معنی الفعل وهو کل شیئ استنبط منه معنی الفعل

طرف انضمام (کلمہ آخر) کی ضرورت ہو اور اسی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے غیر میں پائے جاتے ہیں وہ اس کے جزء ہونے کا محتاج ہے یعنی کلام کا خواہ رکن ہو کر یا غیر زائد اسم کی طرف جس کے معنی اس کے عقل میں آتے ہوں جیسے من البصرة یا فعل کا اسی طرح جیسے قد ضرب اور حروف جر وہ ہیں جو فعل تک پہونچانے کے لیے وضع کئے گئے ہوں یعنی ایصال کے لئے۔ اس لئے کہ افضاء کے معنی وصول کے ہیں اور جب اس کو بار کے ساتھ متعدی لایا گیا تو اس کے معنی ایصال کے ہوگئے یا اس کے معنی کو یعنی فعل کے معنی اور وہ ہر اس شئی کا نام ہے جس سے فعل کے معنی کا استنباط

فصل قریب ہے اس سے حرف کے ساتھ اسم اور فعل جو شریک ہیں، خارج ہو گئے اور اس نے حرف کو اسم اور فعل سے ممتاز کر دیا لیکن مصنف کی تعریف پر اسماء لازم الاضافہ جیسے ابوة اور بنوة اور اخوة اور اسماء موصولہ اور اسماء اشارہ سے جو اعتراض پڑتا ہے کہ ان کے معانی بھی بلا انضمام امر آخر کے مفہوم نہیں ہوتے تو شارح نے متعقل بالنسبة الیه الخ سے اس کا جواب دیدیا کہ ان کے معانی کا ذہن میں حاصل ہونا بالوضع امر آخر کے لحاظ کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ بنفسہ ذہن میں حاصل ہوتے ہیں۔ البتہ امر آخر کا انضمام اس کو استعمال میں لازم ہوتا ہے۔

قولہ من ثم الخ۔ یعنی چوں کہ حرف ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اپنے غیر کے اعتبار سے ذہن میں حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس کا ذہن میں آنا بذاتہ نہیں ہوتا اپنے کلام کے لئے جزء بننے میں ایسے اسم کی طرف محتاج ہوتا ہے جس کے اعتبار سے اس کے معنی متعقل ہو جاویں۔ جیسے من البصرة یا ایسے فعل کی طرف محتاج ہوتا ہے جس کے اعتبار سے اس کے معنی متعقل ہو جاویں جیسے قد ضرب اور جزء بننے کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کلام کا رکن ہو جاوے کبھی رکن ہو جاتا ہے اور کبھی رکن

نہیں ہوتا شارح کا اسم اور فعل کے ساتھ یتعقل معناہ بالنسبة الیه کے قید کا لگانا قرینہ مقام کے اعتبار سے ہے اور اس قید کا اس وجہ سے اضافہ کیا تاکہ موصولات وغیرہ سے اعتراض واقع نہ ہو کیوں کہ وہ کلام کا جزء ہونے میں اسم وفعل کی طرف محتاج ہونا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کے معانی اسم یا فعل کی طرف نسبت کے اعتبار سے متعقل ہوتے ہیں چوں کہ ان کے معانی مستقل بالمفہومیة اصل وضع میں عارض استعمال کے اعتبار سے احتیاج واقع ہوتی ہے اور کلمہ او اسم اور فعل میں منع خلو کے لئے ہے اس لئے کہ حروف کبھی اسم اور فعل دونوں کی طرف ایک دم سے محتاج ہوتے ہیں جیسے حرف شرط اور حرف تحضیض۔

قولہ حروف الجر الخ۔ یعنی حروف جر وہ حروف ہیں جو اس واسطے وضع کئے گئے ہیں کہ فعل کو اپنے مدخول کی طرف پہنچا دیں، شارح نے افضاء کی تفسیر ایصال سے کی اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ افضاء کی تفسیر ایصال سے درست نہیں کیوں کہ افضاء لازم ہے اس کے معنی وصول (پہونچنا) اور ایصال (پہونچانا) متعدی ہے۔ پس یہ شئی کی تفسیر اور اس کے مباین کے ساتھ ہوئی اور یہ جائز نہیں اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ افضاء اگرچہ لازم ہے لیکن قولہ بفعل میں جو بار ہے اس کے ساتھ متعدی ہو گیا پس اس وقت اس کی تفسیر ایصال سے درست ہے جیسا کہ ذہب لازم ہے جانے کے معنی میں لیکن یہ بار کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے جیسے ذہبت بزید اے اذہبتہ۔ معلوم ہو کہ حروف کی اضافت الجر کی طرف یا اضافت جنسی ہے پس معرف جنس ہے اور حروف کا جمع لانا

(بقیہ صـ آئندہ)

کاسمی الفاعل والمفعول والصفۃ المشبہۃ والمصدر والظرف والجار مع المجرور وغیر ذلک الیٰ مایلیہ سواء کان اسماً صریحاً مثل مَرَرتُ بزید وانا مار بزید اوکان فی تاویل الاسم کقولہ تعالیٰ وضاقت علیہم الارض بما رحبت ای برحبہا

کیا گیا ہو، جیسے اسم فاعل اسم مفعول اور صفت مشبہ اور مصدر اور ظرف اور جار مجرور وغیرہ۔ جو اس سے ملا ہوا ہو برابر ہے کہ اسم صریح ہو جیسے مررتُ بزید ہے اور انا مار بزید میں۔ یا اسم کی تاویل میں ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وضاقت علیھم الارض، بما رحبت یعنی وسعت کے باوجود زمین اس پر تنگ ہو گئی)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس وجہ سے ہو آ تاکہ دلالت حروف جر کی کثرت پر باضافت استغراقی ہے پس اس صورت میں بھی معرف جنس ہے اور حروف جر کی کثرت پر دلالت موجود ہے اور بغیر اس تقدیر پر قولہ حروف الجر یہ فائدہ دیتا ہے کہ حرف جر کی یہ تعریف معرف کے تمام افراد کو جامع ہے یعنی اس وقت جامعیت تعریف مصرح اور منصوص ہو گئی اگرچہ تعریف کے لئے جامعیت لازم ہے پس قولہ حروف الجر کل حرف الجر ماوضع کی تاویل میں ہے۔

قولہ معناہ۔ یعنی فعل کے معنے اور یہاں پر فعل کے معنی سے ہر ایسی شئی مراد ہے جس سے فعل کے معنی مستنبط اور نکلتے ہوں اعم اس سے کہ وہ شئی فعل کی ترکیب سے ہو یا اس طور پر ہو کہ اس میں فعل یا شبہ مقدر کیا جاتا ہو جیسے ظرف یا جار مجرور یا اس طور سے ہو کہ فعل کے معنی کلام کے مضمون سے سمجھے جاتے ہوں تصریح اور تقدیر کے بغیر۔

(متعلقہ صفحہ ہذا) جیسے اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ اور مصدر اور ظرف اور جار مع المجرور جیسے زید عندک لاکرامک یا زید فی الدار لاکرامک پس لاکرامک میں جو لام ہے اس نے ظرف اور جار مجرور کو اکرام کی طرف پہونچا دیا اور وہ فی الحقیقہ فعل مقدر یا شبہ فعل مقدر کو پہنچانیوالا ہے کیوں کہ اس کی تقدیر استقر یا مستقر ہے لیکن جب کہ ظرف اور جار مجرور فعل یا شبہ فعل کے قائم مقام ہو گیا تو یہ کہنا جائز ہو گیا کہ حرف جر ظرف اور جار مجرور کو اپنے مدخول کی طرف پہنچانے والا ہے ایسے ہی یا لزید میں یا ہے کیوں کہ ادعی کے قائم مقام ہے۔ قولہ الیٰ مایلیہ۔ یہ درست ہے کہ یلیہ کی ضمیر مرفوع ما اول کی طرف راجع ہو اور ضمیر منصوب ثانی ما کی طرف راجع ہو، اول پر معنی ہے کہ حرف جر فعل یا معنی کو اس کی طرف پہنچاتا ہے جس کے ساتھ حرف جر متصل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں معنی ہے کہ حرف جر کے ساتھ جو شئی متصل ہے اس کی طرف حرف جر فعل یا معنی فعل کو پہنچاتا ہے۔

قولہ سواء کان اسماً الخ یعنی حرف جر جس سے متصل ہو وہ عام خواہ اسم صریح ہو جیسے مررتُ بزید اور انا مار بزید میں زید صریح اسم ہے خواہ اسم کی تاویل میں ہو جیسے قولہ تعالیٰ وضاقت علیہم الارض بما رحبت یعنی برحبہا الرحب کے معنی وسیع اور چوڑا ہونا ہے یعنی ان پر زمین باوجود اپنے وسیع ہونے کے تنگ ہو گئی۔ شارح رحمہ نے فرمایا کہ اسم کی طرف فعل کو پہنچانے کا یہ مطلب ہے کہ فعل اسم کی طرف متعدی ہو جاوے اور وہ اسم اس فعل کے واسطے مفعول بہ ہو پس اسم منصوب المحل ہوگا۔ اسی وجہ سے اس پر نصب کے ساتھ عطف کو جائز رکھا ہے اللہ تعالیٰ کے قول وارجلکم میں اور حق یہ ہے کہ ایصال سے مراد معنی فعل مابلی کے ساتھ تعلق پکڑنا ہے جیسا کہ مررت بزید میں مرور زید کے ساتھ متعلق ہے اگر کہا جاوے کہ حرف جر کی یہ تعریف مانع ہے چوں کہ بعض حرف عطف پر یہ تعریف صادق آتی ہے جیسے رایت زیداً وعمراً۔ جواب حروف عطف کی وضع تشریک کے واسطے ہے ایصال کے واسطے نہیں ہے اگرچہ بعض جگہ میں ایصال لازم آجاتا ہے جیسا کہ اس وقت میں جس وقت کہ فعل کے مفعول پر عطف کریں۔ سوال تمام حروف پر حروف جر کو کیوں مقدم کیا، جواب اول چوں کہ حروف جر بالنسبۃ دوسرے حروف کے کثیر الاستعمال ہیں (۲) حروف جر میں

وسميت هذه الحروف حروف الاضافة ايضا لانها تضيف الفعل او معناه الى ما يليه وحروف الجر لانها تجر معانى الافعال الى ما يليه اولان اثرها فيما يليه الجر وهى اسمى حروف الجر من والى وحتى وفى ذكر هذه الحروف على سبيل الحكاية لانه ليس لها اسماء خاصة يعبر بها عنها

اور ان حروف کا نام حروف اضافت بھی رکھا گیا ہے اس لئے کہ یہ فعل یا معنی فعل کو مایلیہ تک پہنچاتے ہیں اور ان کا نام حروف جر اس لئے رکھا جاتا ہے کہ یہ افعال کے معانی کو مایلیہ تک کھینچ کر لاتے ہیں یا اس وجہ سے (ان کا نام جر رکھا گیا کہ) کیونکہ ان کا اثر مایلی میں جر کا ہوتا ہے اور وہ یعنی حروف جر من اور الی، حتی اور فی ہیں یہ حروف بطور حکایت نقل کئے گئے ہیں کیونکہ ان کے مخصوص نام نہیں کہ جن ناموں سے ان کی تعبیر کی جائے۔

سے ہر حرف کثیر کثیر معانی کے لئے موضوع ہے بخلاف دیگر حروف کے کہ ان میں سے ہر ایک کثیر کثیر معانی کے لئے موضوع نہیں سوال مصنف نے حروف جر اور تنوین کی تعریف کی اور باقی اقسام حروف کی تعریف نہیں کی، مصنف نے ایسا کیوں کیا۔ جواب نحاۃ کی اصطلاح میں حروف جر کے واسطے ایک مشترک مفہوم ہے جو تمام حروف جر میں موجود ہے اور ایسے ہی تنوین کے واسطے نحاۃ کی اصطلاح میں مشترک مفہوم جو تمام اقسام تنوین میں موجود ہے بخلاف باقی اقسام حروف کے کہ ان کی کسی قسم کے واسطے مشترک مفہوم نہیں جو اس قسم کے تمام حروف میں موجود ہوں جیسے حروف مشبہ بالفعل اور حروف عطف اور بعض حروف ایسے ہیں ان کے واسطے مفہوم اصطلاحی نہیں ہے بلکہ لغوی معنی ان حروف کا مفہوم ہے حروف تحضیض اور حروف ردع اور حروف جر کے واسطے مشترک مفہوم یعنی فعل یا معنی فعل کو اپنے مدخول کی طرف پہونچانا اس بیان سے یہ بات ظاہر ہو گئی ما وضع للانتہاء میں لام صلہ کے واسطے نہ عوض کے واسطے ہے۔

قولہ سمیت هذه الحروف حروف الاضافۃ الخ. ان حرفوں کا نام حروف اضافت بھی رکھا جاتا ہے کیونکہ اضافت کے معنی ملانا آتے ہیں اور یہ حروف فعل اور فعل کے معنی کو اس چیز سے ملادیتا ہے جس کے ساتھ یہ ملتا ہے اور وہ اسم صریح یا تاویلی ہوتا ہے دوسرا نام ان حروف کا حروف الجر۔ اور انکو حروف الجر دو وجہ سے کہتے ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جر کے معنی لغوی کھینچنا ہے اور یہ حروف بھی افعال کے معانی کو اپنے مدخول کیطرف کھینچ لاتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان حروف جر کا اثر جر ہے اور یہ اثر ان کے مدخول پر مرتب ہوتا ہے پس جر اول جواب پر مصدر ہے معنی لغوی اور دوسرے جواب پر اصطلاح میں مخصوص اعراب کا نام اور اسم ہے جیسے حروف النصب اور حروف الجزم۔

قولہ لانها تضيف. یعنی یہ حروف فعل یا معنی فعل کو اپنے مدخول کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ملاتے ہیں اضافت کے سبب سے پس ان حروف کی اضافت اضافۃ المؤثر الی الاثر کے گروہ سے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حروف کی اضافۃ الاضافۃ کی طرف اضافۃ المسبب الی السبب سے ہو کیونکہ کلام میں ان حروف کے لانے کا سبب اضافت (ملانا) ہوتا ہے پس اضافت ان حروف کے واسطے علت غائیہ ہے۔

قولہ ذکر هذه الحروف. مصنف نے ان چار حرفوں کو حکایت کے طور پر ذکر کیا یعنی شمار اور تعداد میں اسی طرح ذکر کیا جیسا کہ ان کو ترکیب میں ذکر کیا جاتا ہے۔ شارح کا یہ کلام ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ان حروف یعنی حروف جارہ کو علی سبیل الاختلاف کیوں لایا کہ ان میں سے بعض کو حکایت کے طریق پر ذکر کیا۔ اور بعض کو ان کے ناموں کے ساتھ اور ظاہر یہ تھا کہ سب کو ایک ڈھنگ پر ذکر کرنا چاہیے۔ شارح نے انکے واسطے اسمار خاصہ کی نفی کی کیونکہ اسم عام ان چاروں

والباء واللام ذكرهما باسميهما لوجودهما وكذا ذكر الواو — و التاء والكاف باسمائها حيث وجدت بخلاف ما بقي منها و رب و واوها اي الواو التي يقدر بعدها رب وفي عدها من حروف الجر تسامح۔

اور باء اور لام ان دونوں کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا ہے کیوں کہ ان کے نام موجود ہیں۔ اور اسی طرح ماتن نے واو، تاء، اور کاف کو بھی ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا ہے کیوں کہ وہ موجود ہیں۔ برخلاف ما بقی حروف کے (کہ ان کے نام موجود نہیں ہیں) اور رُبّ اور اس کا واو یعنی وہ واو جس کے بعد رُبّ مقدر ہوتا ہے۔ اور اس کو حروف جر شمار کرنا تسامح ہے۔

کے واسطے موجود ہے یعنی حرف الجر معلوم ہو گئے وھی من الخ میں ھی ضمیر راجع ہے حروف جر کی طرف مبتدا ہے اور قولہ من والی آخرہ خبر ہے یعنی من سے الی تک تمام معطوفات کے ساتھ مل کر خبر ہے اور ربط پر عطف مقدم ہے جیسے البیت، سقف وجدران اور اسکنجبین خل و ماء و عسل میں عطف ربط پر مقدم ہے۔

قولہ ذکرھما الخ یعنی باء اور لام کو ان دونوں کے نام سے ذکر کیا اور ان دونوں کو ان دونوں کے مسمّیٰ کے ساتھ ذکر نہیں کیا چوں کہ ان دونوں کے لئے اسم موجود ہیں اور ہر شئی میں اصل یہ ہے کہ اس کو اس کے نام کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

قولہ وکذا ذکر الواو الخ اور اسی طرح واو اور تاء اور کاف کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا چوں کہ ان کے واسطے نام موجود تھے اور ہر شئی میں اصل یہ ہے کہ اس کو اس کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے اور بخلاف جو رہ گئے ہیں ان باقی کو ان کے ناموں سے ذکر نہیں کیا شارحؒ کے اس کلام سے مصنفؒ پر ایک اعتراض کرنا ہے کہ ان حرفوں میں سے جن کے لئے نام اور اسماء ہیں ان کو ایک ترتیب میں ذکر کر دیتے اور جن کے لئے اسماء نہیں ان کو علیحدہ ایک ترتیب میں ذکر کر دیتے تو اچھا رہتا۔ جواب اگر مصنفؒ ایسا کرتے تو اس صورت میں وہ ترتیب فوت ہو جاتی جس کو قولہ فالعشرۃ الاولی متضمن میں بیان کیا تو ممکن ہے مصنفؒ اس ترتیب کی طرف نظر کر کے اس شان کے ساتھ لایا ہو۔

قولہ وفی عدھا الخ۔ اور واو رُبّ۔ اس واو کو واو رُبّ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے بعد رب کو مقدر کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اس کو اس نام سے موسوم کیا ہے اور جب کہ اس کے بعد رب کو مقدر کیا جاوے تو اس کا حرف جر سے شمار کرنا غلط ہوتا ہے اسی وجہ سے شارحؒ نے کہا اس کو حروف الجر سے شمار کرنا تسامح ہے۔ مجاز کے ساتھ قول کرنا ہے، تسامح کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کے بعد حرف (رب) کی تقدیر لازمی ہے تو حقیقت میں عامل جر وہ رب ہوا نہ کہ واو، پھر واو کو حرف جر کہنا کیسے صحیح ہے۔ شارح نے کہا کہ واو رب کو حرف جر کہنا مجاز کے طریق پر ہے چوں کہ اس مقام میں حروف جر سے عام مراد ہے یہ کہ بنفسہا جر ہوں یا رب کی تقدیر کے ساتھ واو کے بعد، یعنی خود بخود حرف جر ہوں یا جس کو اس نے لازم پکڑا ہو اس کے اعتبار سے حرف جر ہے چوں کہ یہ واو حرف جر کی تقدیر کو مطردۃً مستلزم ہے اور اس کے بعد ربّ ظاہر نہیں ہوتا ہے گویا کہ یہ خود جار ہو گیا اور حروف جر سے عام مراد ہے کہ خود جارہ ہو یا اسے مستلزم کے اعتبار سے حرف جار ہو لیکن سیبویہ اور کوفی کہتے ہیں کہ یہ خود واو ہی ربّ کے معنی میں جارہ ہے اس کے بعد رب کی تقدیر نہ کی جائے گی۔

دوا والقسم وتاؤہ وعن وعلی والکاف ومذ ومنذ وخلا وعدا وحاشا فالعشرۃ الاول لاتکون الاحرفا والخمسۃ التی تلیھا تکون حرفا واسما والثلثۃ البواقی تکون حرفا وفعلاً

اور واو قسم اور تا رقسم اور عن، علی، کاف، مذ، منذ، خلا، عدا اور حاشا، پس (ان میں سے) شروع والے دس صرف حرف ہی ہوتے ہیں اور ان سے ملے ہوئے پانچوں حروف وہ حرف بھی ہوتے ہیں اور اسم بھی اور باقی تین حروف حرف اور فعل ہوتے ہیں ۔

مال یمین کا امر ہے اور ایسے ہی فی وفی یعنی کا امر ہے اور لام ولی یلی کا امر ہے ۔ اور ایسے ہی الی بمعنی النعمۃ کو اسم نہیں گنا یا، چوں کہ دونوں معنی مختلف ہیں ۔ اور گنتی میں بھی تشارک فی المعنی کے ساتھ اصل لفظ میں تساوی بھی معتبر ہے اور علی جب فعل ہوتا ہے الف سے لکھا جاتا ہے اور اس کی اصل واو ہے بخلاف اس صورت کے جب اسم یا حرف ہو اور ایسے ہی من اور فی اس لئے کہ ان دونوں کی اصل این اور اوفی ہے رضی ؒ نے فرمایا اور اس میں نظر ہے کیوں کہ علی اسمی الف سے لکھا جاتا ہے اور اس کی اصل اسمیت ہے اس کے بعد مصنف ؒ نے خود اعتراض کیا ہے حشا اور عدا ان کے الفات کے کچھ اصل نہیں برخلاف ان کے فعلیہ ۔ جواب چونکہ یہ استثناء کے معنی کو متضمن ہوئے تو یہ عدم التصرف میں حروف کے مشابہ ہو گئے پس یہ گویا کہ ایسے ہیں کہ الفات کے واسطے اصل نہیں شیخ رضی ؒ نے فرمایا کہ یہ عذر بارد ہے سوال ان حروف میں تقدیم اور تاخیر کی کیا وجہ ہے ۔ جواب کلمۂ من کو اس وجہ سے

ذکر میں مقدم کیا کہ من ابتداء کے واسطے ہے اور اس کے بعد طباق کی بنا پر الی کو لائے چوں کہ الی انتہاء کے واسطے ہے اور طباق محسنات معنویہ سے ہے اور یہ دو متقابل معانی کو جمع کرنے کا نام ہے اور طباق کے اقسام ہیں جن کو علم البدیع میں بیان کیا ہے اور اس کے بعد حتیٰ کو ذکر کیا تناسب کی وجہ سے چونکہ یہ بھی انتہاء کے واسطے آتا ہے اور ان تینوں حرفوں کے بعد فی کو ذکر کیا چوں کہ یہ ساتھ تینوں کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے چوں کہ ابتداء اور انتہاء مکان سے تعلق رکھتی ہے چوں کہ ظرف کی دو قسموں میں سے ایک قسم ہے اور فی کے بعد با کو ذکر کیا چوں کہ با بھی فی آتا ہے جیسے اطلبوا العلم ولو بالصین ۔ اور اس کے بعد لام کو ذکر کیا چوں کہ لام کو با رجارہ سے مناسبت ہے ایک تو لزوم حرفیت میں اور دوسرے کسرہ میں یہ دونوں ایک حرف پر ہوتے ہیں اور لام کے بعد رب کو ذکر کیا چونکہ لام میں اس کے حرف ہونے میں تصریح ہے اور رب میں اختلاف

قولہ فالعشرۃ الاول الخ یعنی اول دس یعنی من سے لیکر تا وَہٗ تک صرف حرف ہیں اور وہ پانچ جو ان سے متصل ہیں یعنی عن سے لیکر منذ تک حرف اور اسم ہیں اور باقی تین خلا وعدا وحاشا حرف اور فعل ہیں ۔ شارح کا یہ حکم مطرد نہیں ہے چوں کہ منؔ جیسے حرف جر ہے ایسے ہی مان یمین سے فعل امر ہے اور الیٰ بھی اسم ہے بمعنی نعمت اور جمع آلاء آتی ہے اور فی بھی امر مخاطب مؤنث آیا ہے وفی یعنی وفا ئٌ سے اور لام بھی امر مخاطب ہے ولی یلی ولایۃٌ سے اور عن اسم آیا ہے بمعنی جانب اور علی بھی بمعنی فوق اسم ہے اور علی الفعل ماضی بھی ہے علا یعلو سے اور کاف بھی اسم آیا ہے بمعنی مثل، حضرت جامی ؒ کا قول العشرۃ الاول لاتکون الاحرفاً صحیح نہیں رہتا ہے کیوں کہ من فعل بھی ہے اور الیٰ اسم بھی ہے اور ایسے ہی باقی ۔ ایسے ہی الخمسۃ التی یلیھا تکون حرفا واسماً بھی مسلم نہیں ۔ اس لئے کلمۂ علیٰ حرف و اسم اور فعل آیا ہے، مصنف ؒ کے کلام سے اس اعتراض کا جواب مفہوم ہوتا ہے چنانچہ کہا کہ علی کو اسم اور فعل اور حرف شمار نہیں کیا اس لئے کہ شمار میں داخل ہیں یہ کہ دونوں مختلف جملوں کے درمیان ایک نوع ہے اور لفظاً دو متماثل من حیث المعنی دونوں میں توافق اور تناسب ہو جیسے علی کا تشارک اسمیۃ اور حرفیت کے اندر معنی علو میں، پس اسی وجہ سے من کو بھی فعل سے شمار نہیں کیا باوجودیکہ

فمن للابتداء ای لابتداء الغایۃ والمراد بالغایۃ المسافۃ اطلاقاً لاسم الجزء علی الکل اذ لا معنی لابتداء النھایۃ

پس من ابتدار کے لئے آتا ہے، یعنی ابتدار غایت کے لئے اور غایت سے مراد مسافت ہے جزر کا نام کل پر اطلاق کرتے ہوئے اس لئے کہ نہایت کی ابتدار کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

ہے۔ بعض اسم کہتے ہیں اور بعض حرف پس لام اور رب کے درمیان تقابل ہے اور اس کے بعد واو رب کو ذکر کیا کیوں کہ وہ رب کی فرع ہے اور اس کے بعد واو قسم کو لایا اس وجہ سے کہ واو قسم کے ساتھ مناسبت ہے حرفیت اور فرعیت میں اور حرفیت میں فرع ہونا ظاہر ہے اور فرعیت میں اس وجہ سے مناسبت ہے کہ واو رب کی فرع ہے ایسے ہی واو قسم بار قسم کی فرع ہے جیسا کہ اس کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب آوے گی اور واو قسم کے بعد تار قسم کو لائے چونکہ تار قسم واو قسم کی فرع ہے اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے ایسے حروف کو ذکر کیا جو اسم اور حرف میں مشترک ہیں اور عن کو کاف پر مقدم کیا باوجودیکہ کاف کی وضع وضع حرف ہے۔ اس وجہ سے کہ عن کثیر الاستعمال ہے کاف کے نسبت چوں کہ عن اسم مظہر اور مضمر دونوں پر داخل ہوتا ہے اور کاف مضمر پر داخل نہیں ہوتا اس کے بعد مذ اور منذ کو ذکر کیا اس لئے کہ وہ بنسبت کاف کے قلیل الاستعمال نہیں صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتے ہیں جو ظروف زمانی سے ہیں اس کے بعد ایسے حروف لائے جو فعل اور حرف میں مشترک ہیں اور حاشا کو عدا پر مقدم ذکر کیا چونکہ اس میں فعلیت ضعیف ہے بخلاف عدا اور خلا کے کہ ان دونوں میں فعلیت قوی ہے۔

قولہ فمن للابتداء۔ یعنی کلمہ من جو کہ حروف جارہ سے ہے ابتدار غایت کے واسطے موضوع ہے یعنی کلمہ من کا مجرور وہ محل ہوتا ہے کہ جس محل سے وہ فعل شروع کیا جائے کہ کلمہ من اپنے مجرور سمیت جس کے ساتھ متعلق ہو۔ پس قولہ من مبتدا ہے اور قولہ للابتداء خبر ہے۔ سوال: من حرف ہے اور اسناد الیہ اسم کا خواص ہے پس قولہ من کس طرح مبتدار ہو سکتا ہے۔ جواب: اسناد الی معنی اللفظ اسم کے خواص سے ہے وہ یہاں پر موجود ہے اس لئے اس کا مبتدا بننا درست ہے جیسا کہ بحث الاسناد الیہ کی تحقیق میں گذرا۔

قولہ لابتداء الغایۃ۔ یعنی لام تعریف الابتدار میں عہد کے لئے ہے یا مضاف الیہ کے عوض میں ہے (علی اختلاف الرأیین)

اور اس مقام میں غایت سے مراد مسافت ہے اور نہایت جو کہ غایت کے حقیقی معنی ہیں یعنی غایت ہر چیز کے آخر نقطہ کو کہتے ہیں خواہ وہ چیز زمان ہو یا مکان ہو یا مسافت ہو پس غایت کے معنی مجازی مسافت ہیں پس وہ اس گروہ سے ہے کہ جزر (غایت) بول کر کل (مسافت) مراد لے لیا کیوں کہ نہایت اخیر نقطہ ہے اور نقطۂ اخیرہ مسافت کا جز ہے اور یہ مسافت اس نقطہ کو شامل ہے۔ پس غایت کو ذکر کرنا اور مسافت مراد لینا مجاز کے گروہ سے ہے اور علاقہ کلیت و جزئیت ہے اور مسافت سے مراد امر ممتد ہے پس یہ ذکر الخاص ارادۃ العام کے گروہ سے ہے، حضرت مولانا جامی رحمہ اللہ نے حقیقت و مجاز مرسل کے احتمال کو اختیار کیا اور مجاز مرسل وہ ہے کہ لفظ کے حقیقی معنی اس کے مجازی معنی کے درمیان وہ علاقہ جو مجاز کے ارادہ کو صحیح قرار دینے والا ہے تشبیہ کا علاقہ نہ ہو۔ مولانا جامی رحمہ اللہ کے اشتراک پر حقیقت و مجاز مرسل کو اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ غایت سے نہایت متبادر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مجاز اشتراک سے اولیٰ ہے چوں کہ اشتراک میں دوسری وضع کی طرف احتیاج واقع ہوتی ہے بخلاف مجاز کے کہ اس میں دوسری وضع کی طرف احتیاج واقع نہیں ہوتی۔ مولانا عصام الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ غایت سے مراد یہاں پر نہایت ہے اور ابتدار کی غایت کی طرف اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے اور اضافت

وقيل كثيرا ما يطلقون الغاية ويريدون بها الغرض والمقصود فالمراد بها الفعل لانه غرض للفاعل ومقصوده وهذا الابتداء اما من المكان نحو سرت من البصرة او من الزمان نحو صمت من يوم الجمعة

اور کہا گیا ہے کہ بکثرت غایت بولتے اور غرض اور مقصود مراد لیتے ہیں پس ان سے مراد فعل ہے اس لئے کہ وہ فاعل کی غرض اور اس کا مقصود ہوتا ہے اور یہ ابتداء یا مکان سے ہوگی جیسے سرت من البصرۃ۔ یا ابتداء زمان سے ہوگی جیسے صمت من یوم الجمعۃ۔

کا فائدہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ کلمہ من صرف ان چیزوں میں مستعمل ہوتا ہے جو چیزیں کہ نہایت رکھتی ہوں جیسا کہ امور ابدیہ میں لیکن یہ توجیہ بہت ضعیف ہے چونکہ اس کا قول انتہاء الغایۃ میں جاری نہیں ہوتی ہے اور بعض نے کہا ابتداء سے ابتداء ذی الغایۃ مراد ہے اور بعض نے کہا کہ غایت کے دو فرد ہیں ایک ابتداء فرد ہے دوسرا فرد انتہاء ہے۔

قولہ قیل کثیرا ما یطلقون۔ جامیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ غایت بہت زیادہ بولتے ہیں اور اس سے غرض اور مقصود کا ارادہ کرتے ہیں اور علماء لفظ غایت کو بول کر اس کے اصطلاحی معنی مراد لیتے ہیں یعنی وہ فائدہ جو شئی پر مرتب ہو اور غایت بمعنی غرض ہی آتا ہے یعنی وہ شئی جس کی وجہ سے فاعل فعل میں پیش قدمی کرتا ہے اور لفظ غایت کو مقصود کے معنی میں مطلقاً بولتے ہیں، مولانا عصام الدین نے اس معنی پر جو حضرت جامیؒ نے بیان کئے اعتراض کیا ہے کہ اس صورت میں من ابتدائیہ ان افعال اختیاریہ کے ساتھ خاص ہوگی جن کے واسطے غرض ہو اسی وجہ سے علا القدر من اول النہار بولنا درست نہیں ہوگا معلوم ہو کہ جامیؒ کے قول کا مطلب اس طور پر کہ یہ اعتراض واقع نہ ہو یہ ہے کہ علماء کی اصطلاح میں لفظ غایت اس چیز پر بولا جاتا ہے جو شئی پر مرتب ہوتی ہے۔ زیادہ تر اس کو علماء بمعنی غرض استعمال کرتے ہیں اور غرض وہ شئی ہے جس کی وجہ سے فاعل فعل پر پیش قدمی کرتا ہے اور

اس کو بھی مقصود استعمال کرتے ہیں خواہ وہ فاعل کا فعل پر پیش قدمی کرنے کا سبب ہو یا سبب نہ ہو پس ان کے قول من للابتدائیۃ سے جو ان کے قول میں واقع ہے غایت سے مراد فعل ہے اس بنا پر کہ فعل کبھی غرض اور مقصود ہوتا ہے خاص فاعل کے واسطے چنانچہ جس وقت کہ فاعل مختار ہو اور غایت سے یہاں پر غرض مراد نہیں کہ جس سے من ابتدائیہ کا افعال اختیاریہ کیساتھ اختصاص لازم آوے اور علا القدر من اول النہار الی آخرہ مثال درست نہ ہوئے واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ هذا الابتداء اما من المکان الخ اور کلمہ من کبھی مکان سے فعل کی ابتداء کے واسطے ہوتا ہے جس وقت کہ من کا مجرور مکان ہوتا ہے جیسے سرت من البصرۃ الی الکوفۃ۔ اور کبھی زمان سے فعل کی ابتداء کے واسطے ہوتا ہے اگر من کا مجرور زمان

ہو جیسے صمت من یوم الجمعۃ الی الاثنین معلوم ہو کہ یہ ابتداء جو مکان سے ہو اس میں تعمیم ہے۔ خواہ حقیقی ہو یا تنزیلی اور ان کے قول لابتداء المسافۃ اس کے معنی ہیں فعل کی ابتداء مسافت سے پس ضروری ہے کہ وہ فعل جو من ابتدائیہ سے متعدی ہوتا ہے وہ شئی ممتد ہو جیسے سیر اور مشی اور وہ شئی جو من کے ساتھ مجرور ہو اس سے اس فعل کا ابتداء ہو جیسے سرت من البصرۃ یا شئی ممتد کی اصل ہو جیسے تبرأت من فلان الی فلان اور خرجت من الدار۔

قولہ او من الزمان۔ شارحؒ نے کوفیوں کے مذہب کو اختیار کیا کہ من ابتدائیہ من الزمان میں حقیقۃً مستعمل ہوتا ہے کیونکہ یہی ظاہر ہے کثیر الاستعمال ہے جیسا کہ رضی میں ہے اور ابن مالک نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور بصریوں کے نزدیک یہ ہے کہ من ابتدائیہ ابتداء غیر زمان کے واسطے ہے خواہ مجرور مکان ہو جیسے مثال

وعلامة من الابتدائیة صحۃ ایراد الی اوما یفید فائدتہا فی مقابلتہا نحو سرت من البصرة الی الکوفة ونحو اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم لان معنی اعوذ بہ التجئ الیہ والتبیین بالجر عطف علی الابتداء ای وتجئ من للتبیین ایضاً ای لاظہار المقصد من امر مبہم

اور من کے ابتدائیہ ہونے کی علامت الیٰ کے ذکر کرنے کا صحیح ہونا ہے۔ یا اس کا جو اس کے مقابل اس کا فائدہ دے جیسے سرت من البصرة الی الکوفة اور جیسے اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ اس لئے کہ اس جگہ اعوذ بہ کے معنی التجئ الیہ (میں اس کی طرف پناہ لیتا ہوں) کے ہیں۔ اور تبیین بالجر ابتداء پر عطف ہے یعنی من تبیین کے لئے بھی آتا ہے یعنی کسی امر مبہم کے مقصد کو ظاہر کرنے کے لئے۔

مذکور یا غیر مکان ہو جیسے ہذا الکتاب من زید الی عمر اور لباب میں یہ ہے کہ من ابتدائیہ فقط مکان میں غایت کی ابتداء کے واسطے آتا ہے اور غیر مکان میں اس کا استعمال خواہ وہ زمان ہو یا غیر زمان استعارہ کے طریق پر ہے۔

قولہ علامۃ من الابتدائیۃ الخ اور من ابتدائیہ کی علامت یہ ہے کہ کلمہ الیٰ کا اور ہر اس چیز کا اس کے مقابل لانا درست ہو کہ وہ الیٰ کا معنی دیتا ہو اول کی مثال سرت من البصرة الی الکوفة اور جیسے اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ پس اس میں باء جارہ الیٰ کے معنی میں ہے کیونکہ اعوذ باللّٰہ کے معنی التجئ الیہ اس کی طرف التجاء کرتا ہوں پناہ پکڑتے ہوئے۔

قولہ بالجر۔ یعنی التبیین الابتدائیہ پر معطوف ہے جو مجرور لام ہے یعنی من تبیین کے لئے بھی آتا ہے اور بعض نسخوں میں للتبیین ہے جار کو لوٹانے کے ساتھ اور یہ غلط ہے کیونکہ یہاں پر جار کے لوٹانے اور والتبعیض میں لام جار کو چھوڑنے کے کچھ معنی نہیں۔ یعنی جس طرح کلمہ من ابتداء کے لئے موضوع ہے یعنی ابتداء کے واسطے آتا ہے اسی طرح کلمہ من موضوع ہے تبیین کے واسطے جمہور کے نزدیک اور زمخشری کے نزدیک من ابتداء کے واسطے موضوع ہے اور تبیین ابتداء کی طرف راجع ہے۔ شارحؒ نے فرمایا ای تجئ من للتبیین ایضا اس نظیر سے اس وہم کو دور کرنا ہے کہ دونوں معنی ایک جار کے تحت میں داخل ہیں

یہ داخل ہونا وہم ڈالتا ہے کہ مجموع من کے معنی ہیں پس شارحؒ نے یہ تفسیر کر کے اس وہم کو زائل کر دیا کہ من کا تبیین کے لئے آنا محقق ہے خواہ اس کے لئے موضوع ہو جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے خواہ معنی ابتداء کی طرف راجع ہو جیسا کہ زمخشری کا مذہب ہے پس من کا تبیین کے واسطے آنا اس طور پر ہے کہ امر مبہم سے مقصود کو ظاہر کرتا ہے پس اظہار مقصود من امر مبہم من کے اس معنی کی علامت معنوی ہے اور وہ یہ ہے کہ من کے پہلے یا من کے بعد ایسا امر مبہم ہوگا کہ من کا مجرور اس کے واسطے تفسیر بن سکے گا۔

قولہ علامۃ صحۃ وضع الموصول الخ یہ لفظی علامت ہے من کے تبیین کے واسطے ہونے کی۔ لفظی علامت یہ ہے کہ اسم موصول من کی جگہ پر رکھنا درست ہو جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان من سے پہلے الرجس مبہم ہے کہ اس سے کیا مراد ہے من کے مدخول نے اس کی تفسیر کر دی کہ رجس سے مراد اوثان ہیں۔ اور لفظی علامت کہ من کی جگہ میں اسم موصول الذی کا رکھنا درست ہوتا ہے یعنی الرجس الذی ہو الاوثان۔ الرجس شئی قذر یعنی پلیدی کو کہتے ہیں۔ اس میں بتوں کی طرف رغبت کرنے سے نہی میں بہت مبالغہ ہے یعنی کسی طرح بھی رغبت کرنے کے لائق نہیں تو عبادت کرنا کب لائق ہو سکتا ہے پس اگر فاجتنبوا الرجس الذی ہو الوثن کہا جائے تو معنی مستقیم اور درست رہتے ہیں۔ سوال۔ قولہ وقد کان من مطر میں من تبیین کے واسطے ہے یعنی قد کان

وعلامته صحة وضع الموصول فی موضعه نحو فاجتنبوا الرجس من الاوثان فانك لو قلت فاجتنبوا الرجس الذی هو الوثن لاستقام المعنی والتبعیض ای وقد تجیٔ من للتبعیض و علامته صحة وضع بعض مکانه نحو اخذت من الدراهم ای بعض الدراهم۔

اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ موصول کا ذکر کرنا درست ہو جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان اس لئے کہ اگر تو نے فاجتنبوا الرجس الذی ہو الوثن کہا تو بھی معنی درست رہیں گے۔ اور تبعیض یعنی من کبھی تبعیض کے لئے بھی آتا ہے اور اس کی علامت لفظ بعض کو اس کی جگہ ذکر کر دینا صحیح ہو۔ جیسے اخذت من الدراہم یعنی بعض الدراہم۔

شیٔ من مطر اور اس کی لفظی علامت بیان موجود نہیں ہے کیوں کہ موصول کا اس کی جگہ میں رکھنا درست نہیں ہوتا کیوں کہ اس وقت معرفہ کے ساتھ نکرہ کا موصوف کرنا لازم آوے گا۔ جواب موصول کو من کی جگہ رکھنے سے یہ مراد ہے کہ اسم موصول کو من بیانیہ کی جگہ میں رکھنا موصول کے مقتضیات کے لانے کے ساتھ ہو اور اس کی یہ بھی علامت ہے کہ من کے مجرور کا حمل مبہم پر درست ہو اور من للتبیین کے خواص سے یہ بھی ہے کہ اس کا عامل وجوباً محذوف ہوتا ہے جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان یعنی الکائن منہ اور اس کی یہ بھی علامت ہے کہ مقو کو جب اس کی جگہ میں لادیں تو صحیح معنی حاصل ہوں اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسم مبہم مقدم ہوئے خواہ اسم ظاہر ہو یا اسم مضمر جیسے ان کا قول عز من قائل یعنی عز ہو۔ اور جب اس من کے بعد اسم مبہم مذکور ہو تو ایک اور مبہم مقدر مانتے ہیں اور اس۔۔ مذکور کو اس کا عطف بیان بنا دیتے چوں کہ بیان مبہم پر مقدم نہیں ہوتا ہے۔ اور مقصود ابہام کے بعد حصول بیان مقصود ہے جیسے یعجبنی من زید کرمہ اس کے معنی ہے یعجبنی شیٔ من خصال زید کرمہ۔

قولہ قد تجیٔ من للتبعیض۔

شارح اس سے اشارہ کرتے ہیں کہ من کا تبعیض کے لئے آنا سابق دونوں معنوں کے اعتبار سے قلیل ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے اس معنی کے لئے موضوع ہی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے معنی ابتدار کی طرف یہ معنی بھی راجع ہوں جیسا کہ اس کی طرف مبرد اور عبدالقاہر اور زمخشری گئے ہیں کیونکہ الدراہم مثال مذکور میں لینے کا مبدأ ہے یعنی اخذ دراہم سے بعض کے ساتھ متعلق ہے اور کل دراہم کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔

قولہ علامتہ الخ یعنی من تبعیضیہ کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ میں لفظ بعض کا رکھنا درست ہو۔ یعنی من تبعیض کے واسطے اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کے مجرور سے بعض مراد ہو جیسے اخذت من الدراہم یعنی اخذت درہماً من الدراہم اور جیسے زید من الناس اور اگر اس مجرور کے پہلے بعض ہو تو اس وقت من تبیین کے لئے ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ فاجتنبوا الرجس من الاوثان اور یہ من تبعیضیہ کی علامت معنوی ہے اور شارح نے جو علامت ذکر کی وہ علامت لفظی ہے اور صاحب المباحث نے کہا اگر دونوں کی علامت موجود ہونے کی وجہ سے امر مشتبہ ہو جاوے تو دونوں امر جائز ہیں کیوں کہ جب جنس دراہم کا تو ارادہ کرے تو اس وقت وہ مبینہ ہے اور اگر دراہم معینہ کا ارادہ کیا جاوے تو جیس درہم سے زیادہ مراد ہوتے ہیں پس وہ مبعضیہ ہے اور اگر اس سے پہلے نکرہ ہو جیسے اخذت شیئاً من الدراہم تو محذوف کے ساتھ متعلق ہونا جائز ہے پس اس وقت یہ نکرہ کی صفت ہوگی اور فعل مذکور کے ساتھ متعلق ہونا بھی جائز ہے پس اس وقت یہ من تبیین کے لئے ہوگا۔

قولہ وزائدۃ الخ۔ اور من زائدہ وہ من ہے کہ اگر اس کو عبارت سے ساقط کر دیا جائے تو اس کے معنی درست رہیں

وزائدۃ عطف علی قولہ للابتداء فانہ مرفوع بالخبریۃ وزیادتہا لا تکون الا فی غیر الکلام الموجب نحو ما جاءنی من احدٍ وھل جاءک من احدٍ خلافاً للکوفیین والاخفش فانہم یجوزون زیادتہا فی الموجب ایضاً مستدلین بقولہم قد کان من مطر فاجاب عن استدلالہم بقولہ وقد کان من مطر وشبہہ مما یتوھم منہ زیادۃ من فی الکلام الموجب متأول بکونہا للتبعیض او للتبیین ای قد کان بعض مطر او شئ من مطر او ھو وارد علی الحکایۃ کان قائلاً قال ھل کان

اور زائدہ اس کا عطف اس کے قول للابتداء پر ہے اس لئے کہ یہ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کا زائد ہونا نہیں ہوتا مگر غیر میں کلام موجب کے غیر میں جیسے ماجاءنی من احد اور ھل جاءک احدٌ اس میں کوفیوں اور اخفش کا اختلاف ہے کیونکہ وہ اس کے زائد ہونے کو کلام موجب میں بھی جائز کہتے ہیں اور اپنے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ قد کان من مطر. تو مصنفؒ نے ان کے اس قول کا جواب اپنے اس قول سے دیا ہے کہ وقد کان من مطر اور اس کے مشابہ دوسری مثالیں کہ جن سے کلام موجب میں من کے زائد ہونے کا گمان کیا جاتا ہے تاویل شدہ ہیں ران کی تاویل کرلی گئی ہے) کہ وہ تبعیض کے لئے ہیں. یا تبیین کے لئے. یعنی قد کان بعض مطر یا شئی من مطر. یا پھر اس جگہ من بطور حکایت وارد ہوا ہے گویا کسی کہنے والے نے کہا ہل کان من مطر

اور فالباء اس کا فائدہ تاکید ہے جیسا کہ وہ حروف زائدہ کی شان ہے، شارحؒ نے کہا کہ زائدہ کا عطف قولہ للابتداء پر ہے اس وجہ سے زائدہ مرفوع ہے. خبریت کی بناء پر. سوال: مصنفؒ والزیادۃ کیوں نہ کہا تاکہ تمام معانی علی السویہ ہو جائے. جواب:۔ یہ من زائدہ ہوتی ہے اور زیادتی کے واسطے نہیں ہوتی بلکہ من زائدہ معنی نفی کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے۔

قولہ وزیادتہا لا تکون الخ یعنی من کی زیادتی صرف کلام غیر موجب میں ہوتی ہے۔ غیر الموجب میں تقیید کو تخصیص پر محمول کیا تاکہ قولہ خلافاً للکوفیین والاخفش صحیح ہو کر مفید ہو کیونکہ ان کا خلاف صرف جزء سلبی میں ہے نہ جزء ثبوتی میں جو صریحاً مذکور ہے اور الموجب کیونکہ مشتق کے واسطے موصوف کی تقدیر ضروری ہے اور غیر کا موصوف ذکر نہیں کیا کیونکہ ذہن اس کے موصوف کی طرف جاتا ہے پس معنی ہے فی کلامٍ غیر الکلام الموجب.

قولہ ماجاءنی من احد الخ ان مثالوں میں من کے زیادہ ہونے کی دلیل ہے کہ من اس شئی پر داخل ہو رہی ہے کہ فعل اس کی طرف من کے واسطے سے نہیں پہونچتا ہے یعنی من فاعل پر داخل ہو رہی. شارح نے ان کی مثال بیان کی اس کی اصالت کی وجہ سے اور نہی اور استفہام نفی کے مشابہ ہے اس وجہ سے ان کی مثالیں بیان نہیں کیں. البتہ ہل کی مثال ہل جاءک من احد بیان کی. یہ حکم ہل کے کے ساتھ مختص ہے اور حرف استفہام ہے

قولہ مستدلین یعنی کوفی اور اخفش یہ حضرات فی کی زیادتی کو موجب میں بھی جائز رکھتے ہیں اور عرب کے قول جس کی حکایت بغدادیوں نے کی سے استدلال کرتے ہیں یعنی وقد کان من مطر ایسے ہی جو اس کے مشابہ ہوں جیسے نغفر لکم من ذنوبکم اور ان کے قول قد کان من مطر کے معنی ہے حدث شئ من مطر یا من مطر شئی ہم نے مبہم کو آخر میں مقدم کیا کیونکہ اشہر یہ ہے کہ من بیانیہ حال ہوتا ہے اور المطر الماء المنصب من السماء (بارش)۔

من مطر فاجاب بانه قد كان من مطر والى للانتهاء اى لانتهاء الغاية فهى بهذا المعنى مقابلة لمن سواء كان فى المكان نحو خرجت الى السوق او الزمان نحو اتموا الصيام الى الليل

تو جواب دیا کہ قد کان من مطر اور الیٰ انتہار کے لئے آتا ہے یعنی غایت کی انتہار کے لئے پس یہ اس معنی کے لحاظ سے من کے مقابل ہے برابر ہے کہ مکان میں ہو جیسے خرجت الی السوق اور یا زمان کے جیسے اتموا الصیام الی اللیل .

قولہ فاجاب یعنی مصنف نے ان کے قول قد کان من مطر وشبہہ الخ سے جواب دیا۔ یعنی قد کان من مطر اور جو اس کے مشابہ ہے کہ اس میں من کی زیادتی کلام موجب میں متوہم ہے وہ سب متاول ہیں یعنی وہ من زیادہ نہیں ہے بلکہ تبعیض کے لئے ہے یا تبیین کے واسطے ہے قولہ قد کان بعض مطر ہے یا شئ من مطر ہے یہ لف کی ترتیب پر نشر ہے رضی نے اس تقدیر پر اعتراض کیا کہ موصوف کا حذف اور جملہ کا اس کی جگہ قائم کرنا اس کے ساتھ مشروط ہے جبکہ اس جملہ کا بعض ان میں سے ہو جس کے قبل مجرور بمن یا لفی ذکر کیا گیا ہو۔ جیسے ما منا الا لہ مقام معلوم یعنی الا ملک اور اس کے ماسوا میں اس کا حذف کرنا قلیل ہے خاص کر جبکہ محذوف فاعل ہو جیسا کہ ہم اس میں ہیں کیوں کہ جار مجرور مبنی للفاعل کے لئے فاعل ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ جار زیادہ ہو جیسے کفی باللہ شہیداً۔ یا یہ حکایت کے طریق پر ہے یعنی غیر موجب کلام میں من زیادہ تھا اور یہ کلام موجب اس کا جواب ہے اس وجہ سے اس میں بھی من کو زیادہ کر دیا پس مصنف کے قول الانی غیر الموجب کا مطلب یہ ہوا کہ ابتداءً کلام موجب میں زیادہ نہیں ہوتا البتہ جب محکی عنہ کی حکایت کی جاتی ہے اسوقت من زیادہ کر دیا جاتا ہے بطریق حکایت ہل کان من مطر کا جواب بطریق حکایت کے قد کان من مطر ہے .

قولہ الی للانتہاء۔ یعنی الیٰ انتہار کے جزئیات کے لئے موضوع ہے اس کی تقدیر جزئیات الانتہار پس یہ بتقدیر مضاف ہے کیونکہ ابتدار انتہار کے مانند ہے معنی اسی اس لئے کہ اس سے خاص انتہار مراد ہے چوں کہ وہ مشہور اور معلوم ہے .

قولہ لانتہاء الغایۃ یعنی الانتہار میں الف لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے یا الف لام عہد خارجی ہے یعنی انتہار غایت کے واسطے ہے اور یہاں پر بھی غایت مسافت کے معنی میں ہے اور نہ بمعنی نہایت اس لئے کہ نہایت کے واسطے نہایت نہیں ہوتی ہے کیوں کہ نہایت نقطۂ آخرہ ہے اور شارح نے یہاں غایت کے معنی صرف مسافت کے ذکر کئے اور غرض کے معنی ذکر نہیں کئے ماسبق پر کفایت کر کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر غایت کے معنی امر ممتد کے ہوں خواہ بنفسہ ممتد ہو یا امر ممتد کے واسطے منشا ہو جیسے خرجت الی السوق چنانچہ خروج اگرچہ ممتد نہیں لیکن یہ خروج امر ممتد کی سبب ہے جیسے سیر اور جلوس پس یہ الیٰ اس معنی کے اعتبار سے یعنی انتہار المعنی معنے کے اعتبار سے من کے مقابل ہے اس میں اس کو من کے بعد ذکر کرنے کی طرف بھی اشارہ ہو گیا خواہ یہ انتہار الغایۃ مکان میں ہو جیسے خرجت الی السوق . یا زمان میں ہو جیسے اتموا الصیام الی اللیل یعنی شرعاً اول یوم طلوع سے اول اللیل تک پس غایت اول صورت میں داخل ہے اور ثانیہ میں داخل نہیں ہے .

قولہ او غیرھما . مکان اور زمان دونوں کے غیر میں ہو جیسے قلبی الیک کیوں کہ مخاطب یعنی متکلم کا دل ہو کہ قلبی سے مفہوم ہے اور ضمیر الیک مخاطب اسم مفعول کی طرف راجع ہے جو قولہ الیک سے مفہوم ہوتا ہے پس ضمیر غائب کا مرجع جو الیہ میں معنی مذکور ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکماً

او غیرھما نحو قلبی الیك فان قلب المخاطب منتہ الیہ باعتبار الشوق والمیل وبمعنی مع قلیلاً كقولہ تعالیٰ ولا تاكلوا سواء لہم الی اموالكم ای مع اموالكم وحتی كذلك ای مثل الیٰ فی كونہا لانتہاء الغایۃ وبمعنی مع كثیرا ولم یكتف فی كونہا بمعنی مع بتشبیہہا بالیٰ كما اكتفی فی كونہا لانتہاء الغایۃ بہ للتفاوت الواقع بینہما بالقلۃ والكثرۃ وتختص ای حتی بالظاہر ای بالاسم الظاہر فلا یقال حتاہ كما یقال الیہ لانہا لو دخلت علی المضمر

یا ان دونوں کے علاوہ کے معنی ہیں جیسے قلبی الیک کیونکہ مخاطب کا قلب اس تک منتہی ہے شوق اور میلان کے اعتبار سے۔ اور قلت کے ساتھ مع کے معنی میں (بھی آتا ہے) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ولا تاکلوا اموالہم الیٰ اموالکم یعنی مع اموالکم اور حتی بھی اسی طرح ہے یعنی الیٰ کی طرح غایت (مسافت) کی انتہاء کے لئے ہونے میں اور کثرت سے مع کے معنی میں اور مع کے معنی میں ہونے میں الیٰ کے ساتھ صرف تشبیہ دینے پر اکتفا نہیں کیا جس طرح الیٰ کے انتہاء غایت کے بیان کرنے پر اکتفا کیا تھا۔ اس فرق کی وجہ سے جو ان دونوں کے درمیان قلت و کثرت کا پایا جاتا ہے۔ اور خاص ہے یعنی حتی ظاہر کے ساتھ یعنی اسم ظاہر کے ساتھ۔ لہذا حتاہ نہ کہا جائے گا جس طرح الیہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ اگر وہ ضمیر پر داخل ہو گیا مذکور ہے۔

قولہ باعتبار الشوق الخ یعنی رغبت اور شوق کے اعتبار سے یعنی انتہاء کی اسناد قلب کی طرف خود اپنے اعتبار سے نہیں ہے کیوں کہ ذات قلب اس کی طرف منتہی نہیں بلکہ دل کی رغبت اس کی طرف منتہی ہے اور اس سے دوسرے کی طرف متجاوز نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میل یہاں پر مقدر ہو جو مضاف ہو یعنی میل قلب منتہ الیک۔ قولہ بمعنی مع قلیلاً۔ یعنی الیٰ مع کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن اس معنی میں کم استعمال ہوتا ہے جیسے ولا تاکلوا اموالہم الیٰ اموالکم پس الیٰ بمعنی مع ہونے کی یہ علامت ہے جب الیٰ کو ہٹا کر اس کی جگہ مع کو رکھدیں تو معنی میں بالکل خلل واقع نہ ہو اور نہ معنی میں کچھ تغیر پیدا ہو اور قلیلاً بمعنی زماناً قلیلاً یا مجیئاً قلیلاً ہے اور اسی طرح بمعنی مع کثیراً ہے یعنی قلیلاً مفعول فیہ ہے، ظرف زمان ہے یا مفعول مطلق ہے یعنی اولیاء یتیموں کے اپنے مالوں کی طرف ملا کر نہ کھائیں اولاً نہی متعلق ہے تنہا ان کے مالوں کے کھانے کے ساتھ اور ثانیاً ان کے اموال کے اکل کے ساتھ متعلق ہے خلط کے ساتھ مگر یہ کہ اس کے ساتھ اصلاح کا ارادہ کیا جاوے۔

قولہ حتی کذلك، یعنی حتی الیٰ کے مانند ہے یعنی جس طرح الیٰ انتہاء غایت کے واسطے آتا ہے اسی طرح حتی بھی انتہاء غایت کے واسطے آتا ہے۔ حتی اور الیٰ کے درمیان کئی وجہ سے فرق ہے ایک فرق یہ ہے کہ حتی کا مجرور اجزاء والا ہوتا ہے، خواہ لفظاً اجزاء ہوں یا تقدیراً اجزاء ہوں بخلاف الیٰ کے کہ اس کے مدخول کے واسطے یہ لازم نہیں ہے اور حتی میں اظہر یہ ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کے حکم میں ہو یا داخل ہو جاوے بخلاف الیٰ کے اس میں اظہر یہ ہے کہ داخل نہ ہو البتہ اگر قرینہ ہو۔ قولہ ولم یکتف فی کونہا الخ یعنی حتی مع کے معنی میں آتا ہے اور حتی کا مع کے معنی میں مستعمل ہونا کثیر ہے اور الیٰ کے مع کے معنی میں ہونے پر کفایت نہ کی اس سے شارح ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ قولہ وبمعنی مع کثیراً مستدرک ہے اس لئے کہ یہ قولہ کذلک سے مفہوم ہوتا ہے۔ جواب مصنف نے قولہ وحتی کذلک پر کفایت نہیں کی چوں کہ الیٰ کے مع کے معنی میں ہونے اور حتی کے مع کے معنی میں ہونے میں قلت اور کثرت کے اعتبار سے فرق ہے پس اگر بمعنی کثیراً نہ کہتا تو یہ وہم ہوتا کہ حتی بمعنی مع بھی قلیل الاستعمال ہے

لالتبس الضمیر المجرور بالمنصوب لجواز وقوعهما بعدها خلافاً للمبرّد فانه جوّز دخولها علی المضمر مستدلاً بما وقع فی بعض اشعار العرب علی سبیل الندرة والجمهور یحکمون بشذوذه فلا یجوزونه قیاساً

توالبتہ ضمیر مجرور ضمیر منصوب کے ساتھ ملتبس ہوجائے گی کیوں کہ دونوں کا اس کے بعد واقع ہونا جائز ہے اس میں مبرّد کا اختلاف ہے اس لئے کہ اس (مبرّد) نے اس کے دخول کو ضمیر پر جائز کہا ہے استدلال کرتے ہوئے اس استعمال پر عرب کے بعض اشعار میں علی سبیل الندرة مذکور ہے اور جمہور (نحوی) اس کو شاذ پر محمول کرتے ہیں. لہذا وہ بطور قیاس اس کو جائز نہیں کہتے ۔

جیسے الی بمعنی مع قلیل الاستعمال ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حتی بمعنی مع کثیر ہے اور الی بمعنی مع قلیل ہے اس لیے تصریح ضروری ہے قولہ ای حتی ... یعنی حتی اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہے یعنی حتی جارہ صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے بخلاف حتی عاطفہ کے اس کا داخل ہونا اسم مضمر پر درست ہے جیسے جاءنی القوم حتی انت اور رأیت القوم حتی ایاک اور مررت بالقوم حتی بک پس جس طرح الیہ اور معہ بولنا درست ہے حتاہ بولنا درست نہیں. اور یہ اس کا اختصاص اسم ظاہر کے ساتھ نہیں ہے اور حتی کا اختصاص اسم ظاہر کے ساتھ صرف انتہاء الغایۃ کے واسطے ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مع کے معنی میں ہونے کے اعتبار سے بھی۔

قولہ لالتبس الضمیر المجرور. اور حتی جارہ کا اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہونا اس وجہ سے ہے کہ اگر حتی جارہ کا اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں پر داخل ہونا جائز ہو تو ضمیر مجرور کا ضمیر منصوب کے ساتھ التباس لازم آویگا. کیوں کہ حتی عاطفہ اسم ظاہر اور.... ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے اور یہ امر مخالف معنی کو واجب کرتا ہے. کیوں کہ ضمیر منصوب کا دخول ماقبل میں واجب ہے چوں کہ حتی عاطفہ کے بعد ہے بخلاف مجرور کے اور یہ التباس اس صورت میں ہے جبکہ دو اجزاء لفظاً مقدم ہوئے جیسے فلا واللہ لا یبقی اناس فتی حتاک یا ابن ابی زیاد چوں کہ ضمیر منصوب اور مجرور دونوں اسکے بعد آتی ہے۔

قولہ مستدلاً. مبردؒ کہتے ہیں کہ حتی جارہ کا داخل ہونا مضمر پر درست ہے اور استدلال میں اس کو پیش کرتے ہیں جو عرب کے بعض اشعار میں علی سبیل الندرة واقع ہے شارحؒ نے اس استدلال کے ضعیف ہونے کی طرف کمی وجہ سے اشارہ کیا اول شعر کو شعر پر قیاس کرنا ضعیف ہے کیوں کہ شعر میں وہ امر جائز ہوتا ہے جو غیر شعر میں جائز نہیں ہوتا. دوسرا جواب یہ قلیل ہے پس عدم کے حکم میں ہے. تیسرا جواب اس شعر کا کہنے والا معلوم نہیں کہ کون ہے لفظ بعض اسکی خبر دیتا ہے ایسے ہی لفظ شعراء کا ذکر نہ کرنا اور اگر بعض اس پر محمول کیا جاوے تو ان کے درمیان متعارف ہے۔

قولہ علی سبیل الندرة. اور بعض کا لفظ ذکر کرنا قلت میں مبالغہ اور تاکید کے واسطے ہوگا اور بعض کو کل کے مقابلہ پر محمول کیا جاوے پس وہ بعض تخصیص کے لئے ہوگا. سوال قولہ علی سبیل الندرة بعض کے ذکر سے مستغنی کرتا ہے پھر بعض کو کیوں ذکر کیا. جواب ثانی کا غبار اول سے جائز ہے واجب نہیں اس کے بعد معلوم ہو کہ بما وقع میں ما سے مراد ایسا حتی ہے جو بعض اشعار عرب میں ضمیر پر داخل ہوا ہے پس ما وقع عبارة ہے دو سرے استدلال کے ضعف کی طرف اشارہ ہے یعنی حتی کا بعض اشعار عرب میں ہونا ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حتی جارہ ضمیر پر داخل ہوا ہے جیسے حتاہ اور حتاک جو کہ اشعار عرب میں واقع ہے کیوں کہ استدلال اسی وقت تام ہوگا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جو حتی بعض اشعار عرب میں واقع ہے وہ جارہ ہے حالانکہ یہ محل توقف میں ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ حتی عاطفہ ہو یا حتی استینافیہ ہو.

قولہ والجمهور یحکمون. یعنی جمہور نحاۃ اس کے شاذ ہونے کا حکم کرتے ہیں یعنی یہ استعمال فصیح استعمال کے برخلاف مردود ہے پس یہ جواب اس جواب کے علاوہ ہے جو قولہ علی سبیل الندرة سے مستفاد ہوتا ہے. قولہ قیاساً یعنی حتی جارہ کے قیاساً ضمیر پر داخل ہونے کو جائز نہیں

وفی للظرفیۃ ای لظرفیۃ مدخولہا الشئ حقیقۃ نحو الماء فی الکوز او مجازا نحو النجاۃ فی الصدق وبمعنی علی قلیلا کقولہ تعالٰی وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ ای علی جذوع النخل والباء للالصاق ای لافادۃ لصوق امر الی

اور فی ظرفیت کے لئے آتا ہے یعنی اپنے مدخول کو ظرف بنانے کے لئے کسی چیز کا حقیقۃً جیسے الماء فی الکوز میں یا مجازاً جیسے النجاۃ فی الصدق میں اور علیٰ کے معنی میں کمی کے ساتھ آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ولاصلبنکم فی جذوع النخل اور باء الصاق کے لئے آتا ہے یعنی کسی چیز کو ملانے کا فائدہ دینے کے لئے بار کے

رکھتے ہیں پس مصنف کے قول قیاساً یعنی حتی جارہ کے اس کے معنی میں مختص بالظاہر قیاساً عند الجمہور۔

قولہ ای لظرفیۃ مدخولہا۔ شارح اس میں اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ للظرفیۃ میں لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یا عہد خارجی کا ہے اس سے ظرفیۃ مدخولہا مراد ہے یعنی فی کا مدخول ایک شئ کا ظرف ہوتا ہے اور اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔ فی کے مدخول کا اپنے ماقبل کے لئے ظرف ہونا ضروری نہیں کیوں کہ کبھی ماقبل کے لئے ظرف ہوتا ہے اور کبھی نہیں جیسے فی الدار زید کہ زید خود بعد میں اس کیواسطے ظرف ہے پھر ظرفیۃ میں خواہ فی الحقیقۃ ہو جیسے الماء فی الکوز یا مجازاً ظرف ہو جیسے النجاۃ فی الصدق یعنی سچائی اور صدق نجاۃ رہائی چھٹکارہ کی اس طرح احاطہ کر لیا اور اس کو اس طرح گھیر لیا جیسے ظرف مظروف کا احاطہ کر لیتا ہے ایسے ہی الہلاک فی الکذب میں غرض یہ کہ نجاۃ اور ہلاک صدق اور کذب سے تجاوز نہیں کرتی ہے جیسے پانی پیالہ سے تجاوز نہیں کرتا۔

قولہ کقولہ تعالیٰ ولاصلبنکم الآیۃ۔ یعنی فی علیٰ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن علےٰ کے معنی میں اس کا استعمال کم ہے جیسے آیت میں ہے فی جذوع النخل علی جذوع النخل کے معنی میں یعنی فرعون نے جادوگروں کو کہا میں تم کو کھجور کے درختوں کے تنوں پر لٹکا کر سولی دیدوں گا یہاں تک کہ تم بھوک اور پیاس سے مرجاؤ اور بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ تنوں پر چھوڑ رکھوں گا یہاں تک کہ وہ تنے کر کے اول حصہ میں گھس جائیں۔ رضیؒ کہتے ہیں اس آیت میں فی ظرفیۃ کے لئے ہے کیوں کہ جذوع النخل کا ظرف صلب کے لئے ہونا ممکن ہے اور صاحب المباحث نے کہا کہ رستم آبادی نے کہا کہ اس آیت میں بھی ظرفیت کے لئے ہے کیوں کہ مصلوب جذوع میں متمکن ہوں جیسے مظروف ظرف میں متمکن ہوتا ہے لیکن

اس کا یہ قول درست نہیں اس لئے کہ ظرفیت بشئ میں متمکن کافی نہیں ہے بلکہ رختوار رشامل ہونا ضروری ہے) حقیقۃً یا مجازاً استغلاء کا موجود ہونا شمول اور رختوار کے ماننے سے مانع ہے۔

قولہ لافادۃ لصوق الخ یعنی باء الصاق کے واسطے ہے یعنی باء کے مجرور کی طرف ایک امر کے ملانے کا فائدہ دینے کے واسطے آتی ہے۔ شارح کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ لام اس میں غرض کے واسطے ہے اور وضع مقدر کے صلہ میں نہیں اور ایک امر کی مجرور باء کے ساتھ ملنے میں تعمیم ہے خواہ حقیقۃً ہو جیسے بہ داء اس کے ساتھ بیماری ہے خواہ یہ لصوق اور ملنا مجازاً ہو جیسے مررت بزید اس مثال میں باء جارہ متکلم کے گذرنے کے ملنے کا فائدہ دے رہا ہے لیکن یہ لصوق حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے اس لئے کہ مرور فی الحقیقۃ اس مثال سے ملصق ہے کہ زید اس مثال کے قریب ہے پس اس قریب ہونے کی جہت سے زید کے ساتھ مرور کے لصوق کا حکم کرتے ہیں یعنی مکان یقرب منہ چوں کہ قرب کا صلہ صرف من ہوتا ہے اس وجہ سے منہ کہا نہ بہ لیکن وہ باء کے معنی میں اس کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مثال مذکور میں الصاق مجازی ہے حقیقی نہیں ہے کیونکہ اس کا مرور شئ ملصق بزید نہیں ہے بلکہ مررت بزید اس وقت بول سکتے ہیں جبکہ تیرے اور زید کے درمیان وسیع موضع ہو اس لئے معنی ہے التصق مروری

مجرور الباء هذه كما ترى فى مررت بزيد فان الباء فيه تفيد لصوق مرورك بزيد اى بمكان يقرب منه

مجرور کی طرف یہ ایسا ہے جیسا کہ تو مررت بزید میں دیکھتا ہے اس لئے کہ اس مثال میں باء تیرے مرور کے لصوق کا فائدہ دیتی ہے زید کے ساتھ یعنی اس مقام کے ساتھ جو اس سے قریب ہے۔

بموضع یقرب بزید منہ اور اس کی علامت یہ کہ قرب من الشئ اس کے حکم میں ہے اور اس کے ساتھ لصوق شئی ہے ساتھ لصوق کے حکم میں ہے معلوم ہو کہ الصاق مجازی میں پوشیدگی تھی اس وجہ سے الصاق مجازی کو ذکر کیا اور الصاق حقیقی کو ذکر نہیں کیا باوجودیکہ وہ اصل ہے جیسے بہ داء چونکہ اس میں کچھ خفاء نہ تھا پس الصاق کی ایک مثال پر اقتصار غیر مناسب ہے اعتراض وارد نہیں ہوتا، معلوم ہو کہ باء جارہ مکسور بولی جاتی حالاں کہ مفتوح ہونا واجب تھا کیوں کہ ایک حرف ہے اور حروف جارہ سے ہے اور حرف مبنی اصل ہے اور بناء میں اصل سکون ہے کیوں کہ مبنی ہونا تخفیف کی غرض سے ہے اور تخفیف علیٰ وجہ الکمال سکون میں ہے کیوں کہ ب ایک حرف اور ابتداء کلام میں واقع ہوتی ہے اور اس میں سکون متعذر ہے چوں کہ ابتداء بساکن لازم آوے گی اور یہ محال ہے اور جب سکون نہ ممکن ہوا تو واجب ہے کہ فتحہ دیں چونکہ فتحہ اخف الحرکات ہونے کی بناء پر اخت السکون ہے جیسا کہ کاف تشبیہ میں فتحہ دیا جیسے زید کالاسد پس معلوم ہو کہ کسرہ اس وجہ سے دیا کہ باء حروف جارہ میں سے ہے اور اس کو حرفیت لازم ہے بخلاف کاف تشبیہ کے کہ وہ کبھی اسم بھی ہوتا ہے۔ سوال لزوم حرفیت اور عمل جر جو باء کے ساتھ لازم ہے اس کے مکسور ہونے میں کیا تاثیر ہے جواب حرف مبنی اصل ہے اور بناء میں اصل سکون ہے جب سکون نہ ممکن ہوا تو حرکت دینا ضروری ہوئی اور ساکن کو حرکت دینے کے اندر اصل کسرہ ہے اور چوں کہ اس کا عمل جر ہے عامل کو معمول کی موافقت کے اعتبار سے دیدیا۔ سوال واؤ قسم اور تاء قسم کو کیوں فتحہ دیا حالاں کہ ان کو بھی حرفیت لازم ہے اور جر کا عمل کر رہے ہیں جواب اگر واؤ قسم کو کسرہ دیں تو ثقالت لازم آوے گی چوں کہ واؤ اثقل حرف علت ہے اور تاء قسم واؤ پر محمول ہے چوں کہ تاء واؤ سے بدل ہے چنانچہ وجاہ میں تاء کو واؤ سے اس لئے بدلا ہے اور ایسا جواب جو اشکال کے مادہ کو بالکل ختم کرتا ہے یہ ہے کہ حرف مبنی الاصل ہے۔ اور بناء میں اصل سکون ہے اور حرف اول کلام میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے باللہ و بزید پس اگر حرف ایک حرف ساکن ہو جیسا کہ یہ اصل ہے تو ابتداء بالساکن لازم آوے گی اور یہ متعذر ہے پس حرکت دی جانی چاہیئے اور ضم ثقل کی وجہ سے متروک ہو گیا پس بعض حروف میں کسرہ دیا کیوں کہ ساکن جب حرکت دی جائے تو کسرہ کی حرکت دی جائے اور بعض حروف میں فتحہ دیا کیوں کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور اس وقت تعیین کی وجہ سے سوال کرنا ساقط ہے کیوں کہ جب کسی کو دو طریق مساوی پیش آویں ایک کو اختیار کرنے میں اس صورت میں اس کا ارادہ ترجیح دینے کا ہوتا ہے پس ترجیح بلا مرجح لازم نہیں آتی دیگی جیسا کہ اپنے موضع میں یہ ثابت ہو چکا ہے معلوم ہو کہ تینوں کلموں یعنی اسم اور فعل اور حرف میں سے ہر ایک عرب کی زبان میں احوال مخصوصہ اور احکام مخصوصہ یعنی معرب ہونا، مبنی ہونا اور متحرک ہونا ساکن ہونا اور وہ جیسا کہ ان کے کلام میں واقع ہوا اور ان کی زبان پر جاری ہوا جیسا کہ باقی زبانوں اور لغتوں میں پس جب یہ سوال کیا جائے کہ یہ کلمہ اس طرح کیوں واقع ہوا تو جواب یہی دیا جائے گا کہ ان کے استعمال میں اس طرح جاری ہوا ہے لیکن نحاۃ نے علتوں کا اختراع کر لیا اور ان کو دلائل سے ثابت کیا معقول سے موافق کرنے کی بناء پر اور ان کے کلام کو شاندار ثابت کرنے کی بناء پر اور اس لغت فصیح کو جو افضل اور اشرف اللغات ہے رائج کرنے کی بناء پر۔

والاستعانۃ ای استعانۃ الفاعل فی صدور الفعل عنہ بمجرورھا نحو کتبت بالقلم والمصاحبۃ نحو اشتریت الفرس بسرجہ ای مع سرجہ فمعناہ مصاحبۃ السرج واشتراکہ مع الفرس فی الاشتراء ولا یلزم ان یکون السرج حال اشتراء الفرس ملصقًا بہ فالالصاق یستلزم المصاحبۃ من غیر عکس .

اور باء استعانت کے لئے آتا ہے یعنی فاعل کے استعانت کے لئے اس سے فعل کے صادر ہونے میں اپنے مجرور کے ساتھ جیسے کتبت بالقلم اور مصاحبۃ کے لئے آتا ہے جیسے اشتریت الفرس بسرجہ یعنی مع سرجہ (میں نے گھوڑا اس کے گدے سمیت خریدا) پس اس کے معنی مصاحبۃ السرج (گدے کا ساتھ ہونا) کے ہیں اس کے شریک ہونے کے ہیں فرس کے ساتھ خریدنے میں اور لازم نہیں آتا کہ سرج فرس کے خریدنے کے وقت حال ہو اور اس کے ساتھ ملصق ہو لہذا معلوم ہوا کہ الصاق تو مصاحبت کے لئے لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں ہے .

چنانچہ انہوں نے یہ حکایت کی کہ علم النحو عبارۃ ہے کلموں کے احوال کی معرفت کا ان کے دلائل اور نکات کے ساتھ پس اس معرفت کے بغیر وہ حکایت ہے علم النحو نہیں ہے اور جو علتیں ذکر کی ہیں تو وہ ان احکام کے واسطے موجب نہیں ہے صرف وہ نکات مناسبات ہیں . نوع رجحان کا فائدہ دیتے ہیں اور وقوع کے بعد اعتبار میں استحسان کو مفید ہے اور ایسے مطرد نہیں ہیں کہ ان پر نقض اور معارضہ متوجہ نہ ہو .

قولہ ای استعانۃ الفاعل . یعنی باء جارہ استعانت کے واسطے آتی ہے یعنی یہ فائدہ دیتی ہے کہ فعل کا فاعل استعانت اور مدد چاہتا ہے باء کے مجرور سے فعل کے صادر ہونے میں جیسے کتبت بالقلم پس متکلم کہ فاعل فعل ہے اس نے مدد چاہی ہے قلم سے جو باء کا مجرور ہے کتابت کے صادر ہونے میں اور یہ باء آلہ فعل پر داخل ہوتی ہے یہ مشہور اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مصنف للسببیۃ کہتے تو اچھا ہوتا چوں کہ یہ اشمل ہے جواب یہ ہے کہ استعانت کے جو معنی مذکور ہوئے ہیں وہ معنی سببیت کے مغائر ہے .

قولہ والمصاحبۃ . یعنی باء جارہ مصاحبت کے واسطے آتی ہے یعنی یہ باء اس امر کا فائدہ دیتی ہے اس باء کا مجرور فعل میں دوسرے امر کے ساتھ شریک ہے جیسے اشتریت الفرس بسرجہ پس باء نے فائدہ دیا کہ سرج مصاحب اور شریک ہے خریداری میں فرس کیساتھ اور اس کی علامت یہ ہے کہ جب لفظ مع کو باء کی جگہ میں رکھدیا جائے تو معنی میں کچھ خرابی نہ آوے .

قولہ ولا یلزم الخ شارح اس عبارت سے ایک وہم کو دفع کرنا چاہتا ہے وہ وہم یہ ہے کہ وہ قران جو زین کے ساتھ گھوڑے کے خریدنے میں پایا جاتا ہے زین کا گھوڑے کے ساتھ ملصق ہونا ہے اور ملصقًا بہ اسم فاعل کے صیغہ پر ہے یا مفعول کے صیغہ پر اور قولہ یکون کے واسطے خبر ہے اور اس میں ضمیر سرج کی طرف راجع ہے اور یہ مجرور ضمیر فرس کیطرف راجع ہے معلوم ہوا کہ الصاق اور مصاحبت کے درمیان فرق عموم خصوص کا ہے یعنے الصاق عام ہے اور مصاحبت خاص ، اس لئے کہ الصاق محض لصوق سے عبارت یعنی فعل کے معنی مجرور باء کے ساتھ ملصق ہوجاویں . اور مصاحبت سے مراد یہ ہے کہ اس کا مجرور شریک ہوتا ہے معنی فعل میں فاعل کے ساتھ پس باء مصاحبت کا مجرور ملصق ہے جیسا کہ صیغۂ مفاعلت کا مقتضی ہے پس مصاحبت میں الصاق پر خصوصیت زیادہ ہے وجود الصاق کے ساتھ یعنی الصاق کا بطریق شرکت ہونا جیسا کہ استعانت الصاق ہے خصوصیت زائدہ کے ساتھ یعنی مجرور جو ملصق بہ ہے اس کا آلہ ہو پس یہ دو امر مثال میں الصاق ہے اور مصاحبت نہیں ہے اور اشتریت الفرس بسرجہ مثال میں مصاحبت کیساتھ الصاق بھی ہے اور جامی نے جو فرمایا الصاق اور مصاحبت کے درمیان عموم خصوص

والمقابلة ای لافادة وقوع مجرورها فی مقابلة شئ آخر نحو بعت هذا بذاك والتعدية ای لجعل الفعل اللازم متعديا بتضمينه معنى التصيير بادخال الباء على فاعله فان معنى ذهب زيد صدور الذهاب عنه ومعنى ذهبت بزيد صيرته ذاهبا والتعدية بهذا المعنى مختصة بالباء واما التعدية بمعنى ايصال معنى الفعل الى معموله بواسطة حرف الجر فالحروف الجارة كلها

اور مقابلہ کے لئے آتا ہے یعنی فائدہ دینے کے لئے کہ اس کا مجرور دوسری چیز کے مقابل واقع ہے جیسے بعتُ هٰذا بذاك اور متعدی بنانے کے لئے آتا ہے یعنی فعل لازم کو متعدی بنانے کے لئے اس کے مشتمل اور متضمن ہونے کی وجہ سے تصییر کے معنی کو. اس کے فاعل پر بار کو داخل کر کے کیوں کہ ذَہَبَ زیدٌ کے معنی صدور الذہاب عنہ کے ہیں (یعنی اس سے ذہاب کا صدور ہوا) اور ذہبت بزید کے معنی اس کا جانے والا ہونا کے ہیں. اور تعدیہ کے یعنی بار کے ساتھ مختص ہیں اور بہرحال تعدیہ بایں معنی کہ فعل کے معنی کو اس کے معمول تک بواسطہ حرف جر پہونچانا تو حروف جر اس میں

مطلق ہے صحیح نہیں رہتا ہے اس طور پر الصاق مصاحبت کو مستلزم ہے، نہ اس کا عکس یعنی الصاق خاص ہے اور مصاحبت عام پر ان کا قول درست نہیں ہے جامیؒ نے فرمایا فرس کے خریدنے کی حالت میں سرزج کا گھوڑے کے ساتھ ملصق ہونا لازم نہیں ہے پس الصاق مصاحبت کو مستلزم ہے نہ اس کا عکس. مولانا عبد الحکیم فرماتے ہیں مجھ کو یہ فرق نحو کی مشہور کتابوں میں نہیں ملا کیوں کہ الصاق جیسا کہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ بار کے مجرور کے ساتھ ایک امر کا لصوق ہوتا ہے اور یہ اس کا تقاضا نہیں کرتا ہے کہ فعل کا معمول فرس کے ساتھ میں سرزج کیساتھ ملصق ہو لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ الصاق کی تفسیر کی ہے کسی امر کا بار کے مجرور کے ساتھ ملصق ہونا اور یہ اس کا تقاضا نہیں کرتا فعل کا معمول بار کے مجرور کے ساتھ ملصق ہو اور بلاشک اشترار سرزج کے ساتھ ملصق ہے اور اگرچہ سرزج فرس کے ساتھ ہے اس کے معنی یہ ہیں جو فعل کو بار کے مجرور کے ساتھ ملا دے اور مصاحبت یہ ہے کہ بار کا مجرور کے واسطے شرکت ہو اس معنی ملصق میں جیسا کہ مفاعلۃ کا صیغہ اس کا تقاضا کرتا ہے قولہ لافادة وقوع مجرورہ. بار مقابلہ کے واسطے آتی ہے یعنی اس کا فائدہ دیتی ہے کہ اس کا مجرور کسی دوسری شئ کے مقابلہ میں واقع ہے جیسے بعت هذا بذاک. یعنی اس کو اس کے مقابلہ میں فروخت کر دیا. مقابلہ کے معنی برابر ہونا اور برابر ہونا رسا مراد ہوتا ہے اور یہ دونوں معنی یہاں پر درست نہیں غرضیکہ یہ بار مقابلہ اعواض پر داخل ہوتی ہے.

قولہ ای جعل الفعل. یعنی بار جارہ تعدیہ یعنی متعدی بنانے کے واسطے بھی آتی ہے یعنی فعل لازم کو متعدی کر دیتی ہے تعدیہ بار جارہ کا موضوع لہ نہیں ہے اور یہ جو کہا گیا کہ تعدیہ بار کی وضع سے غرض اور تعدیہ بار کا مدلول نہیں ہے تو یہ قول فاسد ہے اس لئے کہ اگر اس کا مدلول نہ ہو تو لازم آئے گا کہ ذہبت بزید میں بار کے کچھ معنی نہ ہو اور فعل لازم کے متعدی بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ فعل میں تصییر کے معنی کا اعتبار کرتے ہیں یعنی اس فعل لازم کے تصییر کے معنی کی تضمین کر لی جاتی ہے اس فعل لازم کے فاعل پر بار داخل کر کے کیوں کہ ذہب زیدٌ کے معنی ہے زید سے ذہاب کا صدور اور ذہبت بزید کے معنی ذاہبًا یعنی میں نے اس کو ذاہب بنا دیا خواہ متکلم ان کے ساتھ گیا یا نہیں. سوال:- تمام حروف جر تعدیہ کے واسطے موضوع ہیں پھر بار تعدیہ کی تخصیص یہ کہ یہ تعدیہ کے واسطے آتی ہے اس کا مطلب کیا ہے قولہ والتعدیۃ بہذا المعنی اس سے شارحؒ اس سوال کا جواب دے رہے ہیں

فیھا سواء لا اختصاص لہا بحرف دون حرف والظرفیۃ نحو جلست بالمسجد ای فی المسجد وزائدۃ فی الخبر فی الاستفہام بھل لا مطلقا نحو ھل زید بقائم فلا یقال ازید بقائم والنفی بلیس نحو لیس زید براکب وبما نحو ما زید براکب فھی تزاد فی الخبر فی ھذہ الصور قیاسا فی غیرہ ای غیر الخبر الواقع فی الاستفہام والنفی

سب کے سب برابر ہیں اس میں کسی حرف کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ ایک حرف میں یہ معنی ہوں اور دوسرے میں نہ ہوں اور ظرفیۃ کے لئے آتا ہے جیسے جلست بالمسجد یعنی فی المسجد (میں مسجد میں بیٹھا) اور زائدہ ہوتا ہے خبر اور استفہام میں۔ جو کہ ھل کے ساتھ ہو مطلقاً نہیں جیسے ھل زید بقائم (کیا زید کھڑا ہے) پس ازید قائم کہنا جائز نہیں ہے اور نفی بلیس میں جیسے لیس زید براکب اور بما نفی میں جیسے ما زید براکب۔ پس وہ ان صورتوں میں خبر میں زائد ہوتا ہے قیاساً اور اس کے غیر میں یعنی اس خبر کے علاوہ میں جو استفہام اور نفی میں واقع ہو۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تعدیہ سے مراد فعل میں تضییر کے معنی کی تضمین کرنا، اور یہ تعدیہ باء کے ساتھ مختص ہے بخلاف وہ تعدیہ جو بمعنی ایصال معنی الفعل الی معمولہ (فعل کے معنی کو اس کے معمول کی طرف پہنچانا) یہ تعدیہ تمام حروف جارہ میں متحقق ہے یہ معنی کسی حرف کے ساتھ مختص نہیں۔

قولہ فی المسجد۔ یعنی اس مثال میں باء بمعنی فی ہے اور جب باء بمعنی فی ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ باء ظرفیت کے واسطے ہے قولہ زائدۃ الخ یہ جار مجرور کے مجموعہ

پر معطوف ہے اور فی الخبر میں خبر سے مراد عام ہے کہ مبتدا کی خبر ہو فی الحال یا فی الحاصل اور فی الاستفہام کے معنی ہے فی وقت الاستفہام یا اس کے معنی ہے جملہ استفہامیہ میں اور فی الاستفہام زائد کا ظرف ...... ہے فی الخبر کے متعلق ہونے کے بعد اور فی الاستفہام الخبر سے حال بھی بنایا جا سکتا ہے یعنی باء جارہ مبتدا کی خبر میں زائد ہوتی ہے جب کہ وہ خبر جملہ استفہامیہ میں ہو اور ایسے ہی اس خبر پر زائد ہوتی ہے جبکہ وہ خبر نفی میں ہو۔

لیکن یہ نفی اور استفہام مطلق نہیں ہے بلکہ استفہام سے مراد وہ استفہام ہے جو ہل کے ساتھ ہو اور ہل کے علاوہ سے جو استفہام ہو وہ مراد نہیں ہے جیسے ہل زید قائم پس ازید بقائم نہیں بولا جائے گا اور ایسے ہی نفی سے ہر نفی مراد نہیں بلکہ وہ نفی ہے جو لیس کے ساتھ ہو یا جیسے لیس زید براکب یا ما کے ساتھ جیسے ما زید براکب پس یہ باء ان صورتوں میں خبر پر زیادہ کی جاتی ہے جامی رح کے اس کلام لا مطلقاً میں مصنف پر تعریض ہو گی کہ مصنف کو فی الاستفہام والنفی مطلق نہ چھوڑنا چاہیے تھا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصنف کی استفہام اور نفی سے وہ استفہام اور نفی مراد ہے جو اس باب میں ان کی اصطلاح میں معہود ہے اور وہ استفہام بھل ہے اور نفی بلیس اور جو لیس کے مشابہ نفی میں ہے۔

قولہ فی زائدۃ۔ پس یہ قول قیاساً کے واسطے تمہید اور توطیہ ہے اس سے شارح اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ قولہ قیاساً زائدہ کے ساتھ متعلق ہے اس طور پر کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے زیادۃ قیاسیۃ وسماعیۃ کہ یہ قیاساً وسماعاً بمعنی قیاسی وسماعی کے معنی میں یا یہ یا نسبت کے حذف کے ساتھ ہیں یعنی باء ان صورتوں میں خبر میں زیادہ کی جاتی ہے قیاسی زیادۃ اور اس خبر کے علاوہ میں جو استفہام اور نفی میں واقع ہے سماعاً

سماعاً سواء لم یکن خبراً نحو بحسبک زید و کفیٰ باللہ شھیداً والقی بیدہ ای حسبک زید وکفی اللہ شھیداً والقی یدہ او کان خبراً ولکن لا فی الاستفھام والنفی نحو حسبک بزید واللام للاختصاص بملکیة نحو المال لزید وبلا ملکیة نحو الجل

سماعاً جیسا کہ عرب سے سنا ہے برابر ہے کہ خبر بھی نہ ہو جیسے بحسبک زید اور کفیٰ باللہ شہیداً اور القی بیدہ ۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ڈالدیا جس کے معنی ہیں حسبک زیدٌ تجھکو زید کافی ہے اور اللہ گواہی کے لئے کافی ہے اور اس نے اپنے ہاتھ کو ڈالدیا یا خبر تو ہو مگر استفہام اور نفی میں واقع نہ ہو جیسے حسبک بزید، تجھ کو زید کافی ہے ۔ اور لام اختصاص کیلئے آتا ہے ای ملکیت میں جیسے المال لزید، مال زید کے لئے خاص ہے اور بغیر ملکیت کیلئے

زیادہ کی جاتی ہے اور غیرہ سے مراد عام ہے کہ جس مقام میں باء زیادہ ہو رہی ہو وہ خبر نہ ہو۔

قولہ فی غیر الخبر اس سے شارح نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ غیرہ کی ضمیر خبر مذکور کے غیر کی طرف راجع ہے پس اب یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ مصنف کو غیرہا کہنا چاہیئے تھا چونکہ ماقبل میں فی الاستفہام والنفی مثنیٰ واقع ہے اور قولہ سماعاً یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حن کو سماع کے ساتھ مقید نہیں کیا وہ قیاسی ہے پس باء کا استعمال استعانت کیلئے اور الصاق کے لیے سماع پر موقوف نہیں اور نہ اس کے ساتھ مقید کیا جاتا اور بعض نے کہا کہ تعدیہ سماع پر محصور ہے اور یہ قیاسی نہیں ۔

قولہ سواءٌ لم یکن خبراً ۔ یعنی قولہ فی غیرہ میں دو احتمال ہیں اول یہ ہے کہ باء زائدہ کا مدخول خبر نہ ہو جیسے بحسبک درہم چنانچہ اس مثال میں باء زائدہ کا مدخول مبتدا ہے نہ خبر اور کفیٰ باللہ شہیداً میں باء زیادہ کا مدخول فاعل ہے اور القی بیدہ میں باء زائدہ کا مدخول مفعول ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ باء زائدہ کا مدخول خبر ہو لیکن وہ خبر استفہام میں نہ ہو جیسے حسبک بزید پس مثال میں بزید حسبک مبتدا کی خبر ہے اور قولہ غیر الخبر الواقع فی الاستفہام میں استفہام سے مراد وہ استفہام بہل ہے جیسا کہ مسوق کلام

اس کو مقتضیٰ ہے پس اس وقت یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ یہاں یہ تیسرا احتمال بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام استفہامیہ ہو لیکن اس میں استفہام ھَل سے نہ ہو بلکہ ہمزہ سے ہو جیسے ازید بقائم البتہ یہ احتمال بھی عرب سے سننے پر موقوف ہے ۔

قولہ کفیٰ باللہ شہیداً ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے حق ہونے پر کافی ہیں دراں حالیکہ وہ گواہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ۔

قولہ للاختصاص یعنی حروف جارہ سے لام ہے اور یہ اختصاص کیلئے موضوع ہے اور اختصاص سے ظاہر حصر ہے یعنی ایک شئی کو ایک شئی کے لیے ثابت کرنا اور اس کے غیر سے نفی کرنا اسی وجہ سے

بعض نے کہا کہ لام حصر کے واسطے آتا ہے لیکن یہ زید اخ لعمر سے منتقض ہے جبکہ زید کے واسطے عمر کے علاوہ اور بھی بھائی ہوں لیکن اگر اختصاص سے سے حصر اور اختصاص اضافی مراد لیں نہ حقیقی تو یہ ممکن ہے لیکن محققین کے نزدیک اختصاص سے اختصاص محض اور ارتباط اور مناسبت مراد ہوتی ہے خواہ یہ ملکیت کے طریق سے ہو جیسے المال لزید یا ملکیت کے بغیر ہو جیسے الجل للفرس ۔ شارح نے بملکیة سے اس کی طرف اشارہ کردیا کہ لام جس کے معنی ملک، تملیک اور استحقاق ہیں وہ سب اختصاص میں داخل ہیں ۔ معلوم ہو کہ لام جارہ مکسور ہوتا ہے جس وقت کہ اسم ظاہر پر داخل ہو اور جس وقت کہ اسم ضمیر پر داخل

للفرس والتعليل اى لبيان علة شئ ذهنا نحو ضربته للتاديب اوخارجا نحو خرجت لمخافتك وبمعنى عن مع القول نحو قلت لزيد انه لم يفعل الشر اى قلت عنه وزائدة نحو ردف لكم اى ردفكم

بھی جیسے الجل للفرس. جھول گھوڑے کیلئے ہے اور تعلیل کے لئے یعنی ذہنی طور پر کسی چیز کی علت کو بیان کرنے کے لئے جیسے ضربتہ للتادیب میں نے اسے ادب سکھلانے کے لئے مارا ہے یا ذہن سے خارج ہو جیسے خرجت لمخافتک تیرے ڈر سے میں نکلا اور عن کے معنی میں آتا ہے قول کے ساتھ. جیسے میں نے زید سے کہا کہ اس نے شر (برائی) نہیں کی یعنی قلت عنہ کے معنی میں ہے اور زائد بھی ہوتا ہے جیسے ردف لکم کے معنی ردفکم

ہوتا ہے مفتوح ہوتا ہے چوں کہ لام میں اصل فتح ہے لیکن جب وہ اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے تو کسرہ اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ اگر اس کو فتحہ دیں تو لام ابتداء سے التباس ہو جاتا ہے پس اس وقت مبتدا اور مجرور میں التباس ہوگا اور یہ التباس اسم مظہر پر داخل ہونے کے وقت ہے بخلاف ضمیر مجرور مبتدا نہیں ہوسکتی، تو التباس نہ ہونے کی وجہ سے اس میں لام مفتوح ہوتا ہے چوں کہ مانع التباس ختم ہوگیا.

قولہ لبیان علۃ شئ. اور تعلیل کے معنی لغت میں جیسا کہ تاج میں ہے کسی شئ کو علت بنانا ہے اور یہ متکلم کا فعل ہے اور لام کا تعلیل کے لئے ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ لام کا مجرور کسی شئ کی علت ہے اس پر دلالت کرنے

اور اس کو بیان کرنے کیلئے ہوگا، اور علت سے مراد وہ شئ ہے جس کی وجہ سے شئ ہو اور یہ علت ہونا عام ہے خواہ ذہنی ہو یا خارجی ہو جیسے قولہ ضربتہ للتادیب، چنانچہ تادیب ضرب کی علت غائیہ ہے ذہن میں ضرب پر مقدم ہے اور خارج میں ضرب سے مؤخر ہے کیوں کہ تادیب ضرب پر مرتب ہوتی ہے اور ضرب و تادیب کے درمیان فرق بالاعتبار ہے اس اعتبار سے کہ فعل معلم ہے تو ضرب نام رکھا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ اس فعل پر اثر جا کر مرتب ہوتا ہے مالا ینبغی امر سے تو وہ تادیب ہے

قولہ لمخافتک. مخافت وجود میں خروج پر مقدم ہے اور خروج پر حاصل ہے.

قولہ وبمعنی عن الخ. یعنی لام عن کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن قول کے ساتھ مع القول یہ حال واقع ہو رہا ہے یعنی حال کونہ بعد القول یا اس کے معنی ہیں حال کونہ مقارنا مع القول یعنی جب لام قول کے بعد ہو اور قول کے ساتھ مقارن ہو تو یہ لام عن کے معنی میں ہے جیسے قلت لزید انہ لم یفعل الشر اور اس پر دلیل کہ قول کے بعد عن کے معنی میں ہے یہ ہے کہ اگر وہ عن کے معنی میں نہ ہو تو یہ ضروری ہے کہ انہ کی جگہ میں انک کہا جاوے کیوں کہ قول کا صلہ جب لام واقع ہوتا ہے تو وہ خطاب کے معنی میں ہے پس جب کہا جائے کہ قال لہ تو اس کے معنی ہیں خاطبہ اس پر مناقشہ کیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے انہ میں ضمیر شان کی ہو اور قولہ لم تفعل الشر خطاب کے صیغہ پر، اس مناقشہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مناقشہ مثال میں ہے جو مناظرہ کی عادت اور آداب سے خارج ہے.

قولہ قلت عنہ. یعنی اگر لام عن کے معنی میں نہ ہو تو زید قول کا مخاطب ہوگا تو اس وقت لم تفعل کہنا ضروری تھا.

قولہ ردف لکم. اس میں لام زائد ہے ردف لکم ردفکم کے معنی میں ہے اور لام کی زیادتی اس وقت ہوتی ہے جس وقت کہ لام ایسے مجرور پر داخل ہو کہ فعل کے معنی کا اس کی طرف پہنچنا لام کے بغیر ممکن ہو جیسے لام کا اس

وبمعنی الواو فی القسم للتعجب نحو للّٰہ لا یؤخر الاجل وانما تستعمل فی الامور العظام فلا یقال للّٰہ لقد طار الذباب ورب للتقلیل ای لانشاء التقلیل ولھذا اوجب لھا صدر الکلام کما ان کم وجب لھا صدر الکلام لکونھا لانشاء التکثیر مختصۃ بنکرۃ لعدم احتیاجھا الی المعرفۃ

کے ہیں۔ اور لام واو کے معنی میں ہوتا ہے قسم کے موقع پر اظہار تعجب کے لئے جیسے اللہ کی قسم موت کا وقت مؤخر نہ ہوگا۔ اور یہ اہم امور میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا للّٰہ لقد طار الذباب (خدا کی قسم مکھی اڑ گئی) نہیں کہا جاتا۔ اور رب تقلیل (قلت کے معنی دینے کے لئے آتا ہے) یعنی انشاء تقلیل کے لئے اور اسی وجہ سے اس کے لئے صدر کلام (شروع کلام ضروری ہے) جس طرح کم کے لئے صدر کلام واجب ہے کیوں کہ وہ انشاء تکثیر کے لئے آتا ہے جو نکرہ کے ساتھ خاص ہو اس لئے کہ اس کو معرفہ کی احتیاج (حاجت) نہیں ہے۔

وقت زیادہ ہو نا جب کہ فعل متعدی بنفسہ ہو پوری آیت یہ ہے یقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین قل عسیٰ ان یکون ردف لکم بعض الذی تستعجلون کہتے ہیں وہ کب ہے یہ وعدہ۔ اگر تم سچے ہو۔ فرما دیجئے کہ قریب ہے اس کا بعض جس کو تم جلدی طلب کرتے ہو تمہارا ردیف ہو جاوے، یعنی اس کا آنا قریب ہو جاوے۔ بعض نے کہا کہ وہ یوم بدر کا عذاب ہے اور بعض نے کہا کہ یہ یوم القیامۃ کا عذاب مراد ہے۔

قولہ بمعنی الواو الخ۔ یعنی لام واو کے معنی میں جب کہ یہ لام قسم کے معنی میں واقع ہو جو قسم کے تعجب کیواسطے ہو جیسے للّٰہ لا یؤخر الاجل۔ اللہ کی قسم نہیں مؤخر کریگا میعاد کو

قولہ وانما تستعمل الخ اور لام بمعنی واو صرف امور عظام میں استعمال کیا جاتا ہے ایسے امور میں استعمال ہوتا ہے جو تعجب کئے جانے کے لائق ہوتا ہے کیوں کہ وہ لام جو بمعنی واو ہے اس قسم میں مستعمل ہے جو تعجب کے لئے ہو پس للّٰہ لقد طار الذباب نہ بولا جائیگا

قولہ لانشاء التقلیل۔ تقلیل کے معنی کسی شئی کے تھوڑا ہونے کو ظاہر کرنا یعنی رب کے مدخول کو متکلم قلیل ظاہر کرتا ہے اگرچہ وہ واقعہ میں کثیر ہو جیسے ایک شخص نے کہا ما لقیت رجلاً کیا ملا تو ایک مرتبہ مرد سے جواب میں کہا رب رجل لقیتہ یعنی مردوں سے

ایسی ملاقات کا انکار نہیں چنانچہ میدان میں ایک شئی کے ساتھ ملا اگرچہ وہ قلیل معلوم ہو کہ رب میں اختلاف ہو رہا ہی کوفیوں اور اخفش کے نزدیک رب اسم ہے چوں کہ اس کی نقیض کم اسم ہے اور بصریوں کے نزدیک رب حرف جر ہے کہ انشاء تقلیل کے لئے موضوع ہے جیسے کہ کم انشاء تکثیر کے لئے موضوع ہے۔ رب بصریوں کے نزدیک حرف ہے اسم نہیں باوجودیکہ اس کی نقیض اسم ہے اس وجہ سے کہ رب بالکل حرف جر کے ساتھ مجرور نہیں ہوتا ہے چنانچہ برب رجل مررت اور غلام رب رجل نہیں بولا جاتا جیسا

کہ بکم رجل مررت اور غلام کم رجل انت بولا جاتا ہے۔

قولہ ولہذا وجب الخ چوں کہ رب انشاء تقلیل کے لئے آتا ہے اسی وجہ سے اس کے لئے صدر کلام (کلام کے شروع اور اول میں آنا) واجب ہوا ہے جیسا کہ کم کے لئے صدر کلام واجب ہے چوں کہ وہ انشاء تکثیر کے واسطے واجب ہے کیوں کہ رب اور کم دونوں انشاء کے واسطے ہے پس وہ کلام کی صفت ہے پھر تقدیر فاعل الظرف کے بیان کے واسطے واجب ہوتی ہے۔

قولہ لعدم احتیاجہا۔ رب کا نکرہ کے ساتھ مختص ہونا اس وجہ سے ہے کہ

موصوفة ليتحقق التقليل الذي هو مدلول رب لانه اذا وصف الشئ صار اخص وقل مما لم يوصف

لایا نکرہ) جو موصوفہ ہو تاکہ وہ قلت متحقق ہو جائے کہ جو رب کا مدلول ہے کیوں کہ جب کسی شئ کا وصف لایا جاتا ہے تو وہ خاص ہو جایا کرتی ہے اور اس شئ سے کم ہو جاتی ہے جس کا وصف نہیں لایا گیا۔

اس کو معرفہ کی طرف احتیاج نہیں ہے کیونکہ اس رب سے غرض تقلیل ہے اور یہ تقلیل نکرہ سے حاصل ہو جاتی ہے کیوں کہ وہ قلت پر دلالت کرتا ہے بس رب جو کہ تقلیل کے لئے آتا ہے نکرہ اس کے مناسب ہے بخلاف باقی حروف الجر کے کیوں کہ ان کے معانی کسی خصوص معرفہ و نکرہ کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے اس وجہ سے کہ باقی حروف نکرہ و معرفہ دونوں پر داخل ہوتے ہیں۔ غرضیکہ رب کا مدلول تقلیل ہے جنس کی ایک مبہم نوع تو وہ رب اس مدلول پر دلالت کرنے میں معرفہ کیطرف محتاج نہ ہوگا اس وجہ سے رب نکرہ کے ساتھ مختص ہوگا کیوں کہ اگر معرفہ پر داخل ہو تو رب کو معرفہ کی طرف دلالت میں احتیاج ہوگی کیوں کہ حروف اپنی معانی میں دلالت میں اپنے متعلقات کے ذکر کی طرف محتاج ہوتے ہیں چونکہ حروف کے معانی غیر مستقل بالمفہومیۃ ہیں اس کا حاصل یہ ہے رب کا مدلول ایسی تقلیل نہیں ہے کہ وہ امر معین کے ساتھ متعلق ہو اس وجہ سے اس کا دخول معرفہ پر ممتنع ہوگا بخلاف باقی حروف ان کے معانی جزئیہ معرفہ اور نکرہ دونوں کے مدلول سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ دونوں گروہ یعنی نکرہ و معرفہ پر داخل ہوتے ہیں۔

قولہ لیتحقق التقلیل۔ اور یعنی وہ نکرہ جس کے ساتھ رب ملحق ہے وہ نکرہ موصوفہ ہو تاکہ وہ تقلیل جو رب کا مدلول ہے (چوں کہ جب شئ کو موصوف کر دیا جاتا ہے تو وہ اخص ہو جاتی ہے) متحقق اور ثابت ہو جاوے یعنی جنس کی ایک نوع کی یہ تقلیل ہے کیوں کہ نکرہ جنس پر دلالت کرتا ہے اور وصف اس کو خاص کرتا ہے اس وجہ سے وہ ایک نوع ہو جاوے گی اور رب اس کی تقلیل کا فائدہ دیگا۔ سوال:- یہ مذکورہ امر اس کو مقتضی ہے کہ نکرہ کو مطلقاً مقید کیا جاوے اور اس کو وصف کے ساتھ صرف مقید نہ کیا جاوے۔ حاصل یہ ہے کہ رب کے مدلول کا تحقق نکرہ کی توصیف پر نہیں ہے بلکہ نکرہ کو مقید کرنے پر ہے اور اس کو اطلاق سے نکالنے پر ہے خواہ اس تقیید کا حصول وصف سے مقید کرنے پر نہیں ہے۔ جواب یہ نکتہ جو مذکور ہوا یہ نکتہ بعد الوقوع ہے۔

قولہ لانہ اذا وصف۔ اعتراض یہ بیان دلالت کرتا ہے کہ مقید غیر مقید کے اعتبار سے من حیث الافراد اقل ہوتا ہے یعنی مقید کے افراد غیر مقید سے اقل ہوتے ہیں یہ تمہارا قاعدہ منتقض ہے کیوں کہ حیوان کو جب ماشی کے ساتھ مقید کیا یعنی جو موصوف کے مساوی ہے اس کے ساتھ موصوف کیا تو جس قدر افراد حیوان مطلق کے ہیں اسی قدر افراد یعنی وہی افراد حیوان مقید کے ہیں جواب اقل سے مراد یہ ہے کہ وہ نظر عقل میں اقل ہو پس حیوان ماشی اقل ہے افراد کے اعتبار سے حیوان مطلق سے نظر عقل میں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں جبکہ قید مقید کیواسطے مساوی نہ ہو۔ معلوم ہو کہ نکرہ کا موصوف ہونے کا ضروری ہونا یہ ابو علی اور اس کے متبعین کا مذہب ہے جیسے مبرد اور ابن سراج۔ سوال رب تمام استعمالات میں بمعنی تکثیر مستعمل ہے مگر تقلیل میں اس وقت مستعمل ہوتا ہے جب کہ قرینہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تقلیل کے واسطے موضوع نہیں ہے بلکہ تکثیر کے واسطے موضوع ہے پس مصنف کا قول کہ رب للتقلیل واقع کے خلاف ہے۔ جواب رب اصل میں تقلیل کے واسطے موضوع ہے لیکن زیادہ تر تکثیر میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی تقلیل میں مستعمل ہوتا ہے مجاز کے استعمال کے مانند چنانچہ حقیقت محتاج بقرینہ نہیں ہے ایسے ہی معنی

واشتراط كونها موصوفة انما هو على مذهب الاصح وهذا مذهب ابى على ومن وافقه وقيل لا يجب ذلك والمختار عند المصنف الوجوب وهذا الذى ذكر من التقليل اصلها ثم تستعمل فى معنى التكثير كالحقيقة وفى التقليل كالمجاز المحتاج الى القرينة وفعلها اى فعل رب يعنى الذى تعلق به رب فعل ماض لانها للتقليل المحقق ولا يتصور

اور اس کے موصوف ہونے کی شرط بیشک وہ مذہب صحیح کی بنا پر ہے اور یہ ابو علی اور ان کا مذہب ہے جو ان کے موافق ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے اور مصنف کے نزدیک وجوب پسندیدہ ہے اور یہ جو تقلیل کا ذکر کیا گیا یہ اس کی اصل ہے پھر تکثیر کے معنی میں حقیقت ہی کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ اور تقلیل میں مجاز کی مانند اور قرینہ کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا فعل یعنی رب کا فعل یعنی جس کے ساتھ رب متعلق ہے وہ فعل ماضی ہوتا ہے کیونکہ وہ تقلیل محقق کیلئے آتا ہے (یعنی جس کی قلت متحقق ہے) اور یہ صرف ماضی ہی

تکثیر پر دلالت میں قرینہ کا محتاج نہیں اور مجاز قرینہ کا محتاج ہونا ایسے ہی معنی تقلیل پر دلالت کرنے میں قرینہ کا محتاج ہوتا ہے لیکن جو مجاز مشہور ہوتا ہے وہ حقیقت کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے اور جو حقیقت متروک ہوتی ہے وہ مجاز سے ملحق ہو جاتی ہے اور حقیقت کلمہ کو اس وقت کہا جاتا ہے جب اپنے موضوع معنی میں مستعمل ہو اور مجاز وہ ہے جو غیر موضوع لہ میں مستعمل ہو۔

قولہ واشتراط الخ. یعنی نکرہ کے موصوف ہونے کی شرط مذہب اصح پر ہے شارح قولہ اشتراط سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قولہ علی الاصح قولہ موصوفۃ کی قید ہے اور نکرہ کی قید نہیں ہے کیوں کہ رب کا اختصاص نکرہ کے ساتھ متفق علیہ ہے۔

قولہ وقیل لا یجب۔ اور کہا گیا کہ نکرہ کا موصوف ہونا واجب نہیں ہے اس کو شارح اس وجہ سے لائے تاکہ قولہ علی الاصح کی تصحیح ہو جائے پس اس قیل والے کے نزدیک توصیف نکرہ واجب نہیں اور اس کا قائل اخفش اور فراء ہے اور مصنفؒ کے نزدیک مختار نکرہ کو موصوف کر کے مقید کرنا ہے۔ قولہ ثم تستعمل فی معنی التکثیر الخ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اسکی تقریر یہ ہے کہ جب کہ معنی تقلیل رب کے واسطے اصل ہے تو رب معنی تکثیر میں مجاز ہوگا پس اس سے لازم آتا ہے جب یہ رب تقلیل میں مستعمل ہو تو اپنے

استعمال میں قرینہ کی طرف محتاج نہ ہو اور تکثیر کے واسطے جب مستعمل ہو تو قرینہ کی طرف محتاج ہو باوجودیکہ امر بالعکس ہے۔ جواب کی تقریر یہ ہے کہ رب کا استعمال تکثیر شائع مشہور ہے پس اس وجہ سے معنی تکثیر حقیقت کے مانند ہو گیا پس اس کی شہرت بمنزلہ قرینہ کے ہے اور معنی تقلیل میں اس کا استعمال شائع نہیں ہے پس اس وجہ سے وہ قرینہ کی طرف محتاج ہے۔

قولہ کالحقیقۃ. یعنی مجاز مشہور حقیقت کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے اور حقیقت متروکہ مجاز کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے۔

قولہ الذی الخ. رب کا فعل اس سے مصنف یہ مراد لیتا ہے وہ فعل جس کے ساتھ رب متعلق ہوتا ہے اسم موصول کے ذریعہ سے۔ شارح نے اس اضافت کو بیان کر دیا جو قولہ فعلہا میں ہے کہ یہاں فعل سے وہ فعل مراد ہے جو رب میں عامل ہے۔

قولہ لانہا للتقلیل یعنی رب جس فعل کے متعلق ہوتا ہے وہ فعل ماضی ہوتا ہے کیوں کہ رب انشاء تقلیل کے واسطے ہے اور متکلم کے نزدیک تقلیل جنس کی ایک محقق نوع ہے اس اعتبار سے کہ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے خواہ صریح ماضی

ذلک الا فی الماضی نحو رب رجل کریم لقیته او رب رجل کریم لم افارقه محذوف ای ذلک الفعل الماضی غالبا ای فی غالب الاستعمالات لوجود القرائن نحو رب رجل کریم ای لقیته وقد تدخل ای رب علی مضمر مبهم لا مرجع له ممیز بنکرة منصوبة

میں پایا جاسکتا ہے جیسے بہت سے کریم افراد ہیں جن سے میں نے ملاقات کی اور بہت سے سخی لوگ ہیں جن سے میں جدا نہیں ہوا اور وہ محذوف ہوتا ہے یعنی وہ فعل ماضی اکثر وبیشتر یعنی غالب استعمال میں قرائن کے پائے جانے کی وجہ سے جیسے بہت سے سخی لوگ یعنی میں نے ان سے ملاقات کی۔ اور کبھی داخل ہوتا ہے یعنی ربّ ضمیر مبہم پر بھی جس کا کوئی مرجع متعین نہیں ہوتا جس کی تمیز نکرۂ منصوبہ سے

ہو جیسے رب رجل کریم لقیتہ یا غیر صریح جیسے رب رجل کریم لم افارقہ کیوں کہ جب تم نے کہا رب رجل لقیت تو تو اس امر کی خبر دینے والا ہے کہ جن مرد سے میں ملا وہ قلیل ہے تو اس کو نہیں جانتا کہ آئندہ جن سے ملاقات ہوگی وہ قلیل ہیں اس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور قولہ لم افارقہ فعل مضارع منفی بلم ہے اس وجہ سے یہ ماضی منفی ہے اور قولہ ربما یودّ الذین کفروا متناول ہے اس کو متحقق کے درجہ میں اتار لیا ہے وعدہ کے صادق ہونے کی وجہ سے یا یہاں پر کان مقدر ہے یا یہ حکم اس ما کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ وہ مامکفوفہ نہ ہو حاصل یہ ہے کہ رب اس انشاء تقلیل کے لئے موضوع ہے جو متکلم کے نزدیک محقق ہے اور تقلیل محقق صرف ماضی ہی میں مقصود ہے کیوں کہ ماضی تحقق اور ثبوت پر دلالت کرتی ہے بخلاف مضارع

کے کہ وہ تجدد اور حدوث کے واسطے موضوع ہے اس وجہ سے اس کے متعلق کا فعل ماضی ہونا ضروری ہوا۔

قولہ غالباً۔ یعنی وہ فعل ماضی غالب استعمالات میں محذوف ہوتی قرینوں کے موجود ہونے کے وقت میں اور قرینہ سے مراد یہ ہے کہ اس کلام میں فعل مصرح ہو جس کلام کے جواب میں رب واقع ہو رہا ہے جیسے الفیت رجلا تو اس کے جواب میں کہو رب رجل کریم لقیت کو حذف کر دیا کیوں کہ کلام سابق اس پر دلالت کر رہا ہے، ابن السراج نے کہا کہ تمام نحاۃ اس پر متفق ہیں کہ رب کلام کا جواب ہوتا ہے خواہ کلام ظاہر ہو یا غیر ظاہر اور کبھی وہ فعل جس کے متعلق رب ہوتا ہے مذکور بھی ہوتا ہے جیسے رب رجل شریف اکرمتہ پس فعل کی اضافت رب کی ضمیر کی طرف ادنیٰ تعلق اور ملابست کی بناء پر ہے اور شارح کے قولہ فی

اکثر الاستعمالات اس میں اس کی طرف اشارہ ہے غالباً منصوب بنزع الخافض ہے اور غالباً میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

قولہ لا مرجع لہ۔ یعنی کبھی رب ضمیر مبہم پر داخل ہوتا ہے اس کی تمیز میں نکرہ لایا جاتا ہے جو تمیز کی بنا پر منصوب ہوتا ہے ضمیر مبہم سے یہ مراد ہے اس ضمیر کے واسطے مرجع نہیں ہوتا کہ اس کی طرف رجوع کا قصد کیا جاوے ورنہ تو ضمیر کے لئے مرجع کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ اس کی اس کی تعریف دلالت کرتی ہے اور لا مرجع لہ میں لا نفی جنس ہے مرجع اس کا اسم ہے اور لہ اس کی خبر ہے یعنی لا مرجع موجود لہ اور مرجع کا نہ ہونا یہ بصریوں کے نزدیک ہے کیوں کہ اگر اس واسطے مرجع ہو تو تمیز کی طرف احتیاج نہ ہوگی چوں کہ مرجع اس کلام میں مذکور نہیں اس وجہ سے تمیز کلام میں آتی ہے۔

قولہ ممیز بنکرۃ۔ یعنی تمیز کی بنا پر نکرہ ممیز واقع ہو کر منصوب ہوگا، قولہ منصوبۃ علی التمیز یہ نصب کی علت ہے نصب کے واسطے قید نہیں ہے اور یہ ممیز نکرہ ہو ممیز کا نکرہ ہونا بصریوں کے نزدیک مشروط ہے اور کوفیوں کے نزدیک شرط نہیں ہے اور منصوبۃ کی قید واقعی قید ہے کیوں کہ ضمیر منصوب ہی ہوتی ہے

قولہ مفرد یعنی ضمیر مفرد ہوگی اگرچہ ممیز مثنیٰ ہو یا مجموع ہو اور مذکر ہو گی اگرچہ ممیز مذکر ہو اور مؤنث ہو مفرد مذکر ضمیر کی صفت ہے غرضیکہ ضمیر مبہم سے وہ ضمیر مراد ہے کہ اس کے

علی التمییز والضمیر مفرد وان کان الممیز مثنی او مجموعاً مذکراً وان کان الممیز مونثاً نحو ربّه رجلاً ورجلین او رجالاً او امرأۃ وامرأتین او نساءً خلافاً للکوفیین فی مطابقۃ التمییز فی الافراد والتثنیۃ والجمع والتذکیر والتانیث فانہم یقولون ربہما رجلین وربہم رجالا وربہا امرأۃ وربہما امرأتین و ربہن نساءً وتلحقہا ای رب مَا الکافۃ المانعۃ عن العمل فتدخل بعد لحوق ما علی الجمل نحو ربما یود الذین کفروا

لائی جاتی ہے تمیز ہونے کی بنا پر اور ضمیر مفرد ہوتی ہے اگرچہ اس کا ممیز تثنیہ اور جمع ہی کیوں نہ ہو مذکر ہوتی ..... ہے اگرچہ اس کا ممیز مؤنث ہو جیسے بہت سے مرد یا دو مرد یا بہت سے مرد یا ایک عورت یا دو عورتیں یا بہت سی عورتیں اس میں کوفیوں کا اختلاف ہے تمیز کی مطابقت میں افراد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث میں کیوں کہ وہ لوگ ربہما رجلین اور ربہم رجالاً اور ربہا امرأۃ اور ربہما امرأتین اور ربہن نساءً کہتے ہیں اور اس کو لاحق ہوتا ہے یعنی رب کو ما جو عمل سے روکنے اور منع کرنے والا ہوتا ہے پس داخل ہوتا ہے لاحق ہونے کے بعد اس کے جو جملوں پر ہے جیسے بسا اوقات کفار چاہتے ہیں

واسطے معین مرجع اور معلوم ہو کر ضمیر اس کی طرف راجع ہو بلکہ اس کا مرجع مجہول نہیں ہو کیوں کہ اگر اس کا مرجع معین ہوگا تو تمیز کی طرف محتاج نہ ہوگا اور نحاۃ کوفہ اس میں خلاف کرتے ہیں ان کے نزدیک وہ ضمیر جس پر رب داخل ہو رہا ہے اسکا مرجع معین ہوتا ہے یعنی مذکور کی طرف راجع ہے گویا کہنے والے نے کہا ہل من رجلٍ اور ان کے نزدیک ضمیر تمیز کی طرف اسوجہ سے محتاج ہوتی ہے کہ اس کا مرجع اس کلام میں مذکور نہیں ہے اور لیکن یہ مذہب ضعیف ہے کیوں کہ ماسبق میں کلام کا ذکر لازم نہیں ہے پس مرجع کا ذکر کیسے لازم ہوگا یہاں تک کہ ضمیر مذکور کی طرف لوٹے جیسا کہ رضی کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب وہ کلام کہ رب اس کے جواب میں ہے مصرح بہ ہے جیسے مالقیت رجلاً تو اغلب فعل کا حذف قرینہ کی دلالت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اگر مصرح بہ نہ ہو اور وہاں پر دوسرا قرینہ بھی نہ ہو تو اس کا لانا واجب ہوگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماسبق میں کلام کا ذکر واجب نہیں ہے پس ضمیر کا مفرد مذکر ہونا مطابق نہ ہونا اسی وجہ سے ہوتا ہے ضمیر لانے سے مقصود ابہام ہے اور مفرد مذکر ہونا اور تمیز کے موافق نہ ہونا کثیر الابہام ہے اسی وجہ سے اس کو اختیار کیا۔

قولہ ما الکافۃ: یعنی ربّ کے ساتھ ما کافہ لگا دی جاتی ہے الکافۃ اسم فاعل ہے مشتق ہے الکف سے اس کے معنی منع اور روکنا ہے اسی وجہ سے المانعۃ اس کے واسطے صفت کا شد ہے اور المانعۃ صفت اس وجہ سے لائے تاکہ ماہیت کف متحقق اور ثابت ہو جائے غرضیکہ ما کافہ جواب کے ساتھ لگ جاتی ہے تو رب کو عمل کرنے سے روک دیتی ہے۔

قولہ بعد لحوق الخ اور رب کے ساتھ جب ما لاحق ہو جاتی ہے تو ما کے لحوق کے بعد چونکہ رب اس وقت عمل نہیں کرتا جملوں پر رب داخل ہو جاتا ہے شارح نے بعد لحوق ما سے اس تعقیب کی طرف اشارہ کر دیا جو فاء سے مفہوم ہوتی ہے اور جملہ سے عام مراد ہے کہ اسمیہ ہو یا فعلیہ اور فعلیہ میں بھی تعمیم ہے ماضیہ ہو یا استقبالیہ جیسے ربما زیدٌ قائمٌ اور ربما قام زید ربما یقوم زیدٌ اور شارح بعد لحوق ما سے ایک سوال کو بھی دفع کر رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ رب کا جملہ پر داخل ہونا ممتنع ہے کیوں کہ حروف جر صرف مفردات پر داخل ہوتے ہیں اور رب حرف جر ہے اسی وجہ سے کہا کہ مختصہ بنکرۃ۔ جواب کی تقریر یہ ہے کہ رب جملہ پر ما کا فہ لاحق اور لگ جانے کے بعد داخل ہوتا ہے

وقد تکون ما زائدة فتدخل الاسم او تجرہ نحو ع

ربما ضربة بسيف صقيل ؛ وواوها اى واو رب فى حكمها

تدخل على نكرة موصوفة مثل شعر وبلدة ليس لها انيس

الا اليعافير والا العيس ؛

اور کبھی ما زائدہ ہوتا ہے پس اسم پر داخل ہوتا ہے اور اس کو جر دیتا ہے جیسے ع بسا اوقات میں نے چمکدار تلوار سے مارا۔ اور اس کا واو یعنی رب کا واو اس کے حکم میں نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے جیسے شعر۔ اور ایسے شہر میں کہ وہاں کوئی مددگار نہیں ہوتا لیکن ہرن اور اونٹ۔

جیسے ربما یود الذین کفروا

قولہ فتدخل علی الجمل۔ یعنی رب کا دخول جملوں پر درست ہوتا ہے اور اس وقت اس کے معنے ہے اس نسبت کے تقلت کو بیان اور ظاہر کرنا ہے جو جملہ کا مدلول ہے۔

قولہ ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین یعنی مسلمانوں کی نصرت کے وقت یا موت کے وقت یا قیامت میں اس امر کو دوست رکھیں گے کہ وہ مسلمان ہوتے۔

قولہ وقد تکون ما۔ یعنی کبھی ما زیادہ ہوتی ہے پس اس وقت یہ رب جو ما زائدہ کے ساتھ ملا ہوا ہے اسم پر داخل ہوتا اور اسم کو جر دیتا ہے اور اس وقت جملہ پر داخل نہیں ہوتا ہے شارح قد تکون ما الخ سے ایک فائدہ زیادہ بیان کرنا چاہتے ہیں اور قد کو فعل مضارع پر داخل کرکے اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اس معنی میں کم استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے رب کے اس معنی کو مصنف نے نہیں بیان کیا

قولہ ربما ضربة الخ پورا شعر اس طرح ہے ربما ضربة بسیف صقیل ؛ بین بصری و طعنة کالا بسیف صقیل ؛ یعنی جلادی ہوئی اور صیقل کی ہوئی تلوار صیقل یعنی مصقول مجلو اور بصری بضم باء موحدہ بالشام میں ایک شہر کا نام ہے بین کو بصری کی طرف مضاف کیا باوجودیکہ کلمہ بین متعدد کی طرف مضاف ہوتا ہے اور بصری میں تعدد نہیں جواب یہ ہے کہ بصری بہت مکانوں پر مشتمل ہے تو اصل میں بین اماکن بصری تھا اماکن کو حذف کر دیا جو مضاف ہے اور مضاف الیہ جو بصری ہے اس کی جگہ میں رکھ دیا اور طعنة مجرور ہے ضربة پر معطوف ہونے کی وجہ سے یعنی طعنة بالرمح النجلاء بالفتح والمد واسعة بينة الاتساع یعنی خوب فراخ اور نجلاء طعنة کی صفت ہے بہت تلواروں کے زخم لگائے میں نے اس کے منجھی ہوئی تلوار سے اور نیزہ کے ذریعے بہت زخم لگائے میں نے اس کے بصری شہر کے مکانوں میں نیزوں سے اور شاہد اس میں رب کے ساتھ ضربة کا جر ہے اور ما اس میں زیادہ ہے۔

قولہ وواوھا۔ یعنی واو رب رب کے حکم میں ہے شارح نے اس سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مصنف کو یہ کہنا چاہئے تھا واوھا فی حکمھا یعنی واو کی رب کے ساتھ مشارکت نکرہ موصوفہ پر دخول کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

قولہ فی حکمھا۔ یہاں پر خبر مقدر کی اور وہ جملہ جو متن میں خبر واقع ہو رہا ہے فی حکمھا کے واسطے معترضہ بنا دیا یعنی اس حکم کی علت کی طرف اختصار کیا تھا اشارہ ہے جو متن میں مذکور ہے یعنی واو رب بھی نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کا متعلق بھی فعل ماضی ہوتا ہے اور غالب اور اکثر استعمالات میں محذوف ہوتا ہے لیکن مضمر مبہم پر واو رب داخل نہیں ہوتا ہے اور ما کافہ اس کو لاحق نہیں ہوتی ہے اس کی طرف مصنف نے لا تدخل علی النکرة موصوفة سے اشارہ کر دیا

قولہ وبلدة الخ اس میں واو یعنی رب ہے اور اس میں شاہد ہے الانیس وہ شئی جس سے انس حاصل کیا جائے خواہ وہ انسان ہو یا اور کوئی چیز۔ غرضیکہ انسان اور غیر انسان کو عام ہے اور یہ لیس کا اسم ہے اور بنا لیس کی خبر ہے یعافیر یعفور کی جمع ہے خاکستری رنگ والی ہرن۔ ہرن خواہ کسی رنگ کی ہے اور جوہری کہتے ہیں یعفور وحشی گائے کا بچہ

وهذه الواو للعطف عند سيبويه وليست بجارة فان لم تكن في اول الكلام فكونها للعطف ظاهر وان كانت في اوله فيقدر له معطوف عليه وعند الكوفيين انها حرف عطف ثم صارت قائمة مقام رب جارة بنفسها لصيرورتها بمعنى رب فلا يقدرون له معطوفا عليه لان ذلك تعسف وواو القسم انما تكون عند حذف الفعل اي فعل القسم فلا يقال اقسمت والله وذلك لكثرة استعمالها في القسم فهي اكثر استعمالا من اصلها اعني الباء

اور یہ واو سیبویہ کے نزدیک عطف کیلئے آتا ہے جر دینے والا نہیں ہوتا پس اگر شروع کلام میں واقع نہ ہو تو اس کا عطف کے لئے نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر اول کلام میں واقع ہو تو اس کے لئے معطوف علیہ مقدر مانا جاتا ہے اور کوفیوں کے نزدیک وہ حرف عطف ہوتا ہے پھر اس کے بعد قائم مقام اس رب کے ہو جاتا ہے جو بنفسہ جر دینے والا ہو کیوں کہ وہ رب کے معنی میں ہو جاتا ہے پس وہ معطوف علیہ مقدر نہیں مانتے۔ صراط مستقیم سے خروج ہے یعنی غلط ہے۔ اور واو قسم فعل کے حذف کے وقت ہوتا ہے یعنی فعل قسم کے، پس نہ کہا جائیگا اقسمت واللہ یہ اس وجہ سے ہے کہ قسم میں اس کا استعمال کثیر ہے پس وہ استعمال میں اصل کے اعتبار سے زائد ہے اور اصل سے میری مراد با ہے۔

العیس عیس کی جمع سفید رنگ اونٹ الیعافیر مرفوع ہے انیس سے بدل واقع ہونے کی بنا پر اور والا العیس الا الیعافیر پر معطوف ہے۔ ترجمہ:۔ بہت شہر ہیں کہ ان میں کوئی دوست نہیں مگر ہرنے اور سفید رنگ اونٹ۔

قولہ وهذه الواو الخ سیبویہ کے نزدیک خود یہ واو جارہ نہیں ہے بلکہ یہ واو حرف عطف ہے شرح رضی میں ہے کہ رب دو شرط کے ساتھ مقدر ہوتا ہے ایک شرط یہ ہے کہ رب شعر میں ہو مقدر ہوتا ہے دوسری شرط یہ ہے کہ یہ رب اس وقت مقدر ہوتا ہے جب کہ واو یا فاء یا بل کے بعد ہو اور اس کا حذف نثر کلام میں ان حروف کے بغیر نہیں ہے اور شعر میں بھی شاذ ہے۔ سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر واو رب کلام کے اول میں یعنی اس کا ماقبل معطوف علیہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے پس اس وقت میں معطوف علیہ کو مقدر کریں گے پس یہ شعر اس تقدیر میں ہے رب بلدة ليس بها انيس الخ اور کوفیوں کے نزدیک یہ واو اصل میں حرف عطف ہے جب یہ رب کی جگہ میں قائم ہو گیا تو پھر یہ واو خود جارہ ہو گیا پس یہ معطوف علیہ مقدر نہیں کرتے ہیں بلکہ معطوف علیہ کی تقدیر۔۔۔ تکلف اور تعسف کہتے ہیں جس سے مستقیم راہ سے نکل جاتا ہے اور اگر اس کا ماسبق معطوف علیہ ہونے کی صلاحیت رکھتا تب بھی یہ اسکو معطوف اعتبار نہیں کرتے ہیں۔ یہ کوفی کہتے ہیں

کہ اگر یہ واو حرف عطف ہو تو اس کے بعد رب کا ظاہر کرنا جائز ہوتا جیسا کہ فاء اور بل کے بعد جائز ہے۔

قولہ وواو القسم الخ یعنی واو قسم کیوا سطے صرف اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جبکہ فعل کو حذف کر دیا ہو یعنی فعل قسم کو حذف کر دیا ہو۔ شارح نے فعل القسم کہکر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا۔ لام مضاف

الیہ کے عوض میں ہے اور اضافت بیانیہ ہے یعنی وہ فعل جو القسم سے مشتق ہو پس واو قسم کا استعمال فعل قسم کے وجود کے ساتھ جائز نہیں ہوگا اور اقسم واللہ نہیں بولا جائیگا بلکہ واللہ بولا جاویگا بخلاف باء کے کہ وہ فعل قسم کے اظہار اور حذف دونوں کے ساتھ مستعمل ہوتی ہے احلف باللہ لافعلن کذا اور باللہ لافعلن کذا دونوں

لغیر السؤال یعنی لا تستعمل الواو فی السوال فلا یقال واللّٰہ اخبرنی کما یقال باللّٰہ اخبرنی حطا للواو عن درجۃ الباء مختصۃ بالظاہر یعنی الواو مختصۃ بالاسم الظاہر سواء کان الاسم

غیر سوال کے لئے یعنی واو سوال کے موقع پر استعمال نہیں کیا جاتا پس واللہ اخبرنی نہیں کہا جاتا جس طرح باللہ اخبرنی کہا جاتا ہے واو کو باء کے درجہ سے (مقام سے) نیچے اتارتے ہوئے خاص ہے ظاہر کے ساتھ یعنی واو اسم ظاہر کے ساتھ خاص ہے۔ برابر ہے کہ اسم ظاہر اللہ کا اسم ہو یا اس

دونوں طرح بولا جاوے گا۔

قولہ وذلک لکثرۃ الخ یعنی فعل قسم کے ساتھ واو کا نہ ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ واو قسم میں زیادہ تر مستعمل ہوتا ہے اور فعل قسم کے ذکر کی طرف احتیاج نہیں رہتی ہے چونکہ واو قسم میں ..... زیادہ مشہور ہے تو فعل قسم کے ذکر کئے بغیر قسم کی طرف ذہن منتقل ہوجائے گا اور شارح اس قول سے ایک سوال کو دفع کرنا چاہتے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے باء بھی قسم میں بہت زیادہ مستعمل ہوتی ہے تو اس کا استعمال بھی فعل قسم کے حذف کئے ساتھ ہی ہونا چاہیے جواب کی تقریر یہ ہے کہ واو باء کی بنسبت قسم میں بہت مستعمل ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا استعمال فعل کے حذف کے ساتھ ہی صرف ہوتا ہے۔ شارح نے اکثر استعمالاً من اصلہا کہکر اعنی الباء سے اس کی تفسیر کی اور من الباء نہیں کہا اس سے ایک دوسری علت کی طرف اشارہ ہے اور اس کے مرتبہ کو کم مرتبہ ظاہر کرنا ہے اس کے اصل کے مرتبہ سے یعنی باء کے مرتبہ سے کیونکہ یہ واو دو نوع میں سے ایک نوع کے ساتھ مخصوص ہے بخلاف باء کے کہ وہ دونوں نوع میں مستعمل ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ قسم میں کثیر الاستعمال ہے پس اس میں تخفیف مطلوب ہے۔

قولہ ہی اکثر استعمالاً۔ پس وہ اکثر ہے باعتبار استعمال کے جب کہ واو کے ساتھ فعل کا ذکر جائز نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس کا استعمال زیادہ ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ باء سے زیادہ ہے باعتبار استعمال کے چنانچہ باء کے ساتھ فعل کا ذکر جائز ....ہے

قولہ من اصلہا یعنی باء قسم میں اصل ہے قسم میں باء کے اصل ہونے کا حکم صرف اس لئے کیا کہ باء کی اصل الصاق ہے پس وہ فعل القسم مقسم بہ کے ساتھ ملتا ہے اور واو اس باء کے بدلا ہوا ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان تناسب لفظی ہے کیونکہ واو اور باء دونوں شفوی ہیں اور معنوی تناسب بھی موجود ہے کیونکہ واو جمعیت کے واسطے اور باء معنی الصاق کیلئے اور معنی جمعیت الصاق کے معنی کے قریب ہے

قولہ یعنی لا تستعمل الواو اور واو صرف سوال میں استعمال کیا جاتا ہے اور سوال کے غیر میں استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ شارح نے قولہ لا تستعمل الخ یہ تقدیر کرکے بتادیا کہ لغیر السوال سے مصنفؒ مستقل حکم بیان کرتے ہیں جیسا کہ سابقاً جاتا ہے۔ یعنی واو قسم کا جواب وہ نہیں ہوتی جو طلب پر دلالت کرے جیسے امر و نہی اور استفہام اسی وجہ سے واللہ اخبرنی بولا نہ جائے گا جیسا کہ باللہ اخبرنی بولا جاتا ہے۔

قولہ حطا للواو الخ یعنی واو کا سوال میں استعمال نہ کیا جانا واو کو باء کے درجہ سے گھٹانا ہے کیونکہ واو کو دو قسموں میں سے ایک کے ساتھ خاص کرتے ہیں کیونکہ باء قسم میں اصل ہے۔ اور اس باء پر واو راجح ہے اس وجہ سے واو دو قسموں میں سے ایک قسم میں مستعمل ہو اور باء دونوں قسموں میں۔ الحط کے معنی اوپر سے نیچے گرنا (گھٹانا)

قولہ مختصۃ بالظاہر، معلوم ہو کہ لفظ مختص منصوب ہوکر تکون کی تیسری خبر ہوگی کیونکہ ھذا حذف الفعل تکون کی اول خبر ہے اور لغیر السوال دوسری خبر ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس ضمیر مستتر سے حال بنایا جاوے جو اس کے قولہ لغیر السوال میں پوشیدہ ہے شرح ہندی میں اسی طرح ہے یا مختصۃ مبتدا محذوف کی خبر ہوکر مرفوع ہے یعنی ہی مختصۃ جیسا کہ زینی زادہ

الظاهر اسم الله او غيره فلا يقال وك لافعلن مثلا بل يقال
والله اورب الكعبة وذلك الاختصاص ايضا لحط رتبتها عن
رتبة الاصل وهو الباء بتخصيصها باحد القسمين وخص الظاهر
لاصالته والتاء مثلها اى مثل الواو فى اشتراطها بحذف الفعل
وكونها لغير السوال مختصة باسم الله تعالى من الاسماء الظاهرة

کے علاوہ کا پس نہ کہا جائے گا وک لافعلن مثلا بلکہ واللہ کہا جائے گا یا ورب الکعبۃ کہا جائے گا اور یہ اختصاص بھی اس کو رتبہ سے گرانے کے لئے ہے اصل کے رتبہ سے اور وہ باء ہے قسمین میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کے خاص ہونے کی وجہ سے اور ظاہر کی تخصیص اس کے اصل ہونے کی وجہ سے ہے اور تاء اس کے مثل ہے یعنی واو کے مثل اس کے مشروط ہونے کی وجہ سے حذف فعل کے ساتھ اور اس کے غیر سوال ہونے کی وجہ سے. مخصوص ہے اللہ تعالی کے نام کے ساتھ اسماء ظاہرہ میں سے اس کے مرتبہ کو گرانے کی وجہ سے

نے الفوائد الشافیہ علی اعراب الکافیہ میں کہا اور کوئی بھی تقدیر لی جائے ہر تقدیر پر ہر صورت میں مختصۃ قولہ واو القسم کی خبر نہیں ہے لیکن صاحب التکملہ لفظ مختصہ کی طرف نظر کرتے ہوئے اس طرح کہا ہے لفظ مختصۃ مرفوع ہے شارح کے قول الواو کے واسطے شارح رحمہ اللہ کے کلام کی طرف نظر کے اعتبار سے کہا ہے چنانچہ صاحب تکملہ نے کہا شارح کے قول یعنی الواو مختصۃ. اس سے شارح اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں قولہ مختصۃ قولہ الواو کی خبر ہے اور تکون کی ضمیر سے اس کو حال بنانا درست نہ ہوگا جیساکہ وہم کیا گیا یعنی واو اسم ظاہر کے ساتھ خواہ اسم ظاہر اسم اللہ ہو یا اللہ تعالی کے نام کا غیر ہو پس اس وجہ سے مثلاً وک لافعلن نہیں بولا جائے گا بلکہ واللہ اور ورب الکعبۃ بولا جائے گا. اور واو کا اسم ظاہر کے ساتھ بھی مختص ہونا اسی وجہ سے واو اس معنی میں باء کی فرع ہے اور باء اصل اور فرع کو اصل کے مرتبہ سے گھٹانا ضروری ہے اور یہ کم مرتبہ کرنا اسی طور پر ہو سکتا ہے واو کو دو قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ساتھ خاص کر لیا جائے

قولہ وخص الظاہر الخ واو کے ساتھ اسم ظاہر کو خاص کیا گیا کیونکہ اسم ظاہر قسم کے باب میں بنسبت ضمیر کے اصل ہے پس یہ شارح کی عبارت ایک سوال کا جواب ہے جو یہاں پر واقع ہو رہا تھا وہ یہ ہے کہ واو ضمیر کے ساتھ مختص نہیں اور واو کا ضمیر کے ساتھ مختص نہ ہونے سے اصل کے درجہ سے گر جانا لازم آتا ہے یعنی واو کا باء سے کم درجہ ہونا لازم آتا ہے جواب کی تقریر یہ ہے کہ اسم ظاہر اصل ہے پس معترض کہہ سکتا ہے کہ جب کہ اسم ظاہر باب قسم میں اصل ہے ضمیر سے پس ضروری ہے کہ ایسی فرع کہ وہ ضمیر ہے واو میں ہو اور واو اسم ظاہر کے واسطے نہ آوے چونکہ وہ اصل ہے اور واو بھی فرع ضمیر کے مانند جواب یہ ہے کہ نحویوں نے واو کو اسم ظاہر کے ساتھ جو کہ بالنسبۃ ضمیر کے اصل ہے اسی کو جس سے خاص کیا تاکہ تعادل اور برابری کی کسی قدر رعایت ہو جاوے.

قولہ فی اشتراطہا الخ. یعنی تاء واو کے مانند ہے جیساکہ فعل کا حذف واو میں شرط کیا جاتا ہے اسی طرح تاء میں فعل کا حذف شرط کیا جاتا ہے اور جس طرح واو کا ہونا غیر سوال کے واسطے اسی طرح تاء بھی غیر سوال کے لئے آتی ہے. شارح رحمہ اللہ نے فی اشتراطہا کہا اور فی اختصاصہا بالظاہر نہیں کہا اگرچہ یہ بھی اسی کے مانند اس کو شامل ہے چونکہ مختصۃ باسم اللہ قول اس کا سمجھنا مفہوم ہوتا ہے پس اس قول کے داخل کرنے میں اس کے مثل میں تکرار ہے.

قولہ حطا لمرتبتہا. یعنی تاء واو کے مانند ہے کہ تاء میں فعل کا حذف اور اس کا غیر سوال کے واسطے ہونا اسی طرح شرط ہے جیساکہ واو میں شرط ہے مزید براں یہ کہ تاء اسماء ظاہرہ میں سے صرف اسم اللہ تعالی کے ساتھ مختص ہے یعنی تاء قسم

حطامرتبتها عن مرتبة اصلها الذی هو الواو بتخصیصها ببعض المظهر وخص منه ما هو اصل فی باب القسم وهو اسم الله تعالٰی والباء اعم منهما ای من الواو والتاء فی الجمیع ای فی جمیع ما ذکر من حذف الفعل وکونهما لغیر السوال والدخول علی المظهر مطلقاً او علی اسم الله تعالٰی خاصة فهی کما تکون عند حذف الفعل تکون عند ذکرہ نحو بالله واقسم بالله وکما تکون لغیر السوال تکون للسوال ایضاً نحو بالله لافعلنّ و بالله اجلس

اس کی اصل کے مرتبہ سے جو کہ واو ہے اس کے خاص ہونے کی وجہ سے بعض اسم ظاہر کے ساتھ اور جو قسم کے باب میں اصل ہے اس کو اس سے خاص کر لیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور بار ان دونوں سے اعم ہے یعنی واو اور تار سے تمام صورتوں میں یعنی تمام مذکورہ صورتوں میں مثلاً حذف فعل اور ان دونوں کا غیر سوال کے لئے ہونا اور مطلقاً اسم ظاہر پر داخل ہونا یا خاص کر اللہ کے اسم پر داخل ہونا۔ پس وہ جس طرح حذف فعل کے وقت ہوتا ہے اسی طرح اس کے ذکر کے وقت بھی ہوتا ہے جیسے باللہ اور اقسم باللہ اور جس طرح وہ غیر سوال کے لئے آتا ہے اسی طرح سوال کے لئے بھی جیسے باللہ لافعلنّ اور باللہ اجلس اور

کے واسطے صرف اسم اللہ پر داخل ہوتی ہے یہ اس وجہ سے کہ تار کا مرتبہ ایسے واو کے مرتبہ سے کم کر دیا جاوے جو کہ تار کا اصل ہے اس طور پر کہ تار کو بعض اسم ظاہر کے ساتھ خاص کر دیا جاوے پس تار کا مرتبہ واو کے اعتبار سے کم ہو جاویگا یعنی حطا تا بتأ طر بتہا اور حطاً یہاں پر متعدی نہیں ہے اس وقت مفعول لہٖ پر سے لام کا حذف کرنا لازم نہیں آئے گا چوں کہ مفعول لہٖ پر سے لام کو جب حذف کرتے ہیں جب کہ دونوں کا فاعل ایک ہو یا وجود کیہ

یہ اتحاد یہاں پر منتفی ہے۔

قولہ خص منہ ما ہو اصل الخ یعنی باب قسم میں جو اسم ظاہر کی اصل ہے اس کے ساتھ تار کو خاص کر دیا۔ یہ شارح نے مقام کی مناسبت کی بنا پر کہا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسم اللہ تعالیٰ مطلقاً اصل ہے اسم اللہ کا اصل ہونا مخلوقین کے اسماء سے یہ تو ظاہر ہے اور اسماء صفات کے اعتبار سے مختص ہونا اس وجہ سے ہے کہ اسم ذات تمام صفات کو جمع کرنے والا ہوتا ہے کیوں کہ لفظ غیر اللہ پر نہیں بولا جاتا ہے نہ حقیقتہً نہ مجازاً اور اس لفظ کے علاوہ دوسرے غیر اللہ پر بولے جاتے ہیں اسی وجہ سے الحمد للہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی گئی ہے اور نہ کسی اور لفظ کی طرف جو اسماء صفات سے ہیں اور شارح کی یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے تار لفظ اللہ کے علاوہ دوسرے اسماء اللہ الفاظ پر کیوں داخل نہیں ہوتی جیسے رب الکعبۃ جواب اسم اللہ تعالیٰ کا باب القسم میں اصل ہے۔

قولہ فی جمیع ما ذکر الخ یعنی با واو اور تار دونوں سے عام ہے تمام ان چیزوں میں جن کو واو اور تار کے اختصاص میں ذکر کیا یعنی فعل کا حذف کرنا اور ان دونوں کا غیر سوال کے واسطے ہونا اور مطلقاً اسم مظہر پر داخل ہونا اور اسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو پس وہ بار قسم کے واسطے جس طرح فعل کے حذف کے وقت ہوتی ہے اسی طرح فعل کے ذکر کرنے کے وقت جیسے باللہ اور اقسم باللہ اور جس طرح غیر سوال کے وقت ہوتی ہے اسی طرح سوال کے واسطے آتی ہے حاصل یہ کہ چار چیز ذکر کی گئی تھی ایک حذف فعل کے ساتھ خاص ہونا دوسرے غیر سوال کے ساتھ مختص ہونا تیسرے اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہونا چوتھے لفظ اللہ کے ساتھ مختص ہونا پس مصنف کی مراد فی الجمیع میں جمیع سے وہ تمام امور ہیں جن پر اختصاص کے ساتھ حکم کیا گیا ہماری اس تقریر سے مشہور اشکال

كما تدخل على المظهر تدخل على المضمر نحو بالله لافعلن وبك لافعلن وفى الدخول على المظهر لا تختص باسم الله خاصة نحو بالرحمن لافعلن بل بخلافهما فانهما مختصتان ببعض هذه الامور كما عرفت فالمراد بالجميع جميع ما ذكر من الامور المختصة لا الاختصاص مطلقاً فلا يرد انه لا يصح ان يقال الباء يوجد مع الاختصاص وبدونه لمكان التنافى ويتلقى اى يجاب القسم

جس طرح اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح اسم ضمیر پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے باللہ لافعلن اور بک لافعلن اور اسم ظاہر پر داخل ہونے میں خاص کر اللہ کے نام کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسے بالرحمن لافعلن بلکہ اُن کے علاوہ پر بھی آتا ہے برخلاف ان دونوں کے کیونکہ یہ دونوں امور میں سے بعض کے ساتھ خاص ہیں جیساکہ تو نے پہچان لیا ہے پس جمیع سے مراد جمیع امور مذکورہ مخصوصہ ہیں نہ کہ اختصاص مطلقاً پس وارد نہ ہوگا یہ اعتراض کہ یہ کہا جانا نادرست نہیں ہے کہ بار اختصاص کے ساتھ بھی پایا جاتا ہے اور اس کے بغیر بھی اس لئے کہ دونوں میں منافاۃ ہے اور استقبال کیا جاتا ہے یعنی جواب دیا ہے کہ وہ قسم

دور ہو جاتا ہے اشکال یہ ہے کہ جمیع سے مراد جمیع مذکور احنام ہے پس مصنفؒ کا یہ کلام اس وقت یہ معنی رکھتا ہے با ء ان دونوں سے اختصاص میں اعم ہے پس یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بار جارہ اختصاص کے ساتھ اور اختصاص کے بغیر پائی جاتی ہے اور یہ صرف منافاۃ ہے پس معلوم ہو کہ بار جارہ جیساکہ فعل کے حذف کے وقت ہوتی ہے اسی طرح فعل کے ذکر کے وقت اور جس طرح غیر سوال کے واسطے ہوتی ہے اسی طرح سوال کے واسطے ہوتی ہے۔ اور جس طرح مظہر پر داخل ہوتی ہے اسی طرح اسم ضمیر پر داخل ہوتی ہے اور جس طرح اسم ظاہر اسم اللہ پر داخل ہوتی ہے اسی طرح تمام اسماء الٰہی پر داخل ہوتی ہے پس قول شارح فہی کما تکون الا جمیع ما ذکر من حذف الخ کا بیان ہے پس یہ اعمیت کے واسطے بیان ہوگا۔

قولہ فالمراد بالجمیع جمیع ما ذکر من حذف الخ پس الجمیع سے مراد وہ تمام امور ہیں جو امور مختصہ سے ذکر کئے گئے اور وجوداً یا عدماً اختصاص مراد نہیں ہے پس فاء تفسیر کیلئے ہے اور اس سے ایک سوال کو دفع کیا جارہا ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ جب کہ بار ان دونوں سے تمام میں عام ہے پس جمیع میں سے ایک واو کا اختصاص ہے اسم ظاہر کے ساتھ پس بار کی اعمیت اس طور پر ہے کہ بار اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہے اور یہ اسم ظاہر کے ساتھ غیر مختص ہے اور یہ تناقض ہے اور اسی پر حذف الفعل اور اس کا غیر سوال کے واسطے

ہونے کو قیاس کیا جائے اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جمیع سے مراد جمیع اختصاصات نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر اعتراض وارد ہو پس مراد جمیع سے جمیع امور مذکورہ ہیں اور اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جمیع ذوات امور مذکورہ مراد ہو بلا لحاظ وصف اختصاص کے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ جمیع ذوات امور مذکورہ مراد ہو وصف اختصاص کے لحاظ کے ساتھ پس شارح نے اول کو اختیار کیا چونکہ باقی احتمال میں شریک ہے غرضیکہ جمیع سے مراد وہ تمام احکام مراد نہیں

ہیں یعنی اختصاصات مراد نہیں یہاں تک کہ یہ معنی ہو بار اختصاص میں ان دونوں سے اعم ہے پس یہ بات حاصل ہو کہ بار اختصاص بلا اختصاص ہر دو کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ قولہ ویتلقی القسم الخ صحاح میں تلقاہ کے معنی استقبلہ پس اس کے معنے ہیں قسم استقبال کرتی ہے یعنی قسم کا جواب لام اور ان اور حرف النفی کے ساتھ لائی جاتی ہے یعنی قسم کے جواب میں لام اور ان کو لایا جاتا ہے پس تلقاہ کے معنی ہیں استقبلہ اور اسی قبیل سے قولہ تعالیٰ فتلقی آدم من ربہ کلمات اور حدیث میں

الذی لغیر السؤال باللام وانّ وحرف النفی ما اولا فاللام فی الموجبة اسمیة نحو واللہ لزیدٌ قائمٌ او فعلیة نحو واللہ لافعلن کذا وانّ فیہما ای فی الاسمیة نحو واللہ ان زیداً لقائمٌ وما ولا فی المنفیة اسمیةً کانت او فعلیة نحو واللہ ما زید بقائمٍ

جو غیر سوال کے لیے آتی ہے لام اور ان اور حروف نفی سے جو کہ ما اور لا ہیں پس لام موجبہ میں مستعمل ہے درانحالیکہ وہ اسمیہ ہو جیسے واللہ لزید قائمٌ یا فعلیہ ہو جیسے واللہ لافعلن کذا اور وان فیہما اور ان اس میں یعنی اسمیہ میں جیسے واللہ ان زیداً لقائم اور ما ولا منفی میں اسمیہ ہو یا فعلیہ ہو جیسے واللہ ما زیدٌ

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تلقی الجلب یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس چیز کے استقبال سے جو کہ بلد سے اناج وغیرہ لایا جاوے پس مصنفؒ کا کلام یہ معنی رکھتا ہے قسم استقبال کرتی ہے اس کے ساتھ یعنی اس کے جواب میں لام اور ان وغیرہ لایا جاتا ہے۔

قولہ الذی لغیر السوال یعنی وہ قسم جو سوال کے واسطے نہ ہو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ لام القسم میں عہد خارجی کا ہے یعنی وہ قسم جو سابق میں مذکور ہوئی پس معہود جیسا کہ اس کے لفظ کے ساتھ ہوتا اسی طرح اس کے لفظ کے غیر کے ساتھ بھی ہوتا بعض نے کہا تو لہ لغیر السوال جاتیؒ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں القسم کو مصنف کا مطلق رکھنا مصنف سے کوتاہی ہے جس سے مراد کے سمجھنے میں کوتاہی ہوگی

قولہ ما اولا الخ یعنی حرف نفی سے مراد ما اور لا ہے ان دونوں کے ذکر کے ساتھ خاص کر لیا باوجودیکہ جواب قسم میں ان نافیہ بھی آتا ہے جیسے واللہ ان زیداً قائمٌ چونکہ ان کم آتا ہے اور مصنفؒ ایسے قواعد کے بیان کے درپے ہے جن کا استعمال بہت زیادہ ہے اور لم اور لن کے ساتھ جواب واقع ہوں یہ بالکل نادر ہے اس پر قیاس نہ کیا جاوے گا اور لام اور ان یہ دونوں تاکید کے واسطے مفید ہیں جس کی وجہ سے قسم لائی گئی

قولہ فاللام الخ پس لام موجبہ میں آتا ہے یعنی قضیہ موجبہ میں آتا ہے خواہ اسمیہ ہو جیسے واللہ لزید قائم یا فعلیہ جیسے واللہ لافعلن کذا یہ لام لام ابتدائیہ ہے جو تاکید کے واسطے مفید ہے پس لام اور ان سے درمیان معنی کے اعتبار سے کچھ خاص فرق نہیں ہے البتہ لفظ کے اعتبار سے فرق ہے کہ لام غیر عامل ہے اور ان عامل ہے۔

قولہ فی الموجبۃ الخ یعنی لام قضیہ موجبہ میں آتا ہے کیونکہ لام تقریر اور اثبات کے لیے آتا ہے اور حرف نفی رفع اور ازالہ کیلئے آتا ہے اور ان دونوں کے اندر ظاہر الامر میں تنافی ہے اور ان بھی اسمیہ میں آتا ہے لیکن لام میں اور ان میں فرق ہے لام جملہ موجبہ پر داخل ہو جاتا ہے خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ بخلاف ان کے کہ یہ جملہ اسمیہ میں آتا ہے جیسے واللہ ان زیداً لقائم اور ما اور لا منفیہ میں آتا ہے خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ

قولہ قد یحذف حرف النفی لوجود القرینۃ یعنی جب ایسا قرینہ ہوتا ہے جو حرف نفی پر دلالت کرے تو حرف نفی کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے خواہ یہ حرف نفی مضارع کے ساتھ ہو یا ماضی کے ساتھ یا جملہ اسمیہ کے ساتھ لیکن رضیؒ نے ماضی اور جملہ اسمیہ کے ساتھ حذف کرنے کا انکار کیا ہے البتہ وہ مضارع جو تاکید سے خالی ہو اس پر سے حرف نفی کا حذف کرنا کثیر ہے مع ثبوت القسم کے جیسا کہ اس مثال میں جو شرح میں موجود ہے ایسے ہی ماضی کے ساتھ جس وقت کہ حرف نفی قسم پر مقدم ہو جیسے لا واللہ ضربتنی یعنی لا ضربتنی اور قسم کے حذف کے اور اس پر نفی کے مقدم نہ ہونے کے ساتھ حذف قلیل ہوا ہے۔

قولہ لوجود القرینۃ۔ لام توقیت

ولایقوم زید وقد یحذف حرف النفی لوجود القرینة کقوله تعالیٰ تالله تفتؤا تذکر یوسفَ ای لاتفتؤا واما قسم السؤال فلا یتلقی الا بما فیه معنی الطلب نحو بالله اخبرنی وبالله هل قام زید وقد یحذف جوابه ای جواب القسم اذا اعترض ای توسط القسم بین اجزاء الجملة التی تدل علی جواب القسم او تقدمه ای القسم مایدل علیه ای علی جوابه نحو زید والله قائم وزید قائم والله لاستغنائه عن الجواب فی هاتین الصورتین لوجود مایدل علیه والجملة المذکورة وان کانت جواباً للقسم بحسب المعنی لکنه بحسب اللفظ لاتسمیٰ الا الدّال علی الجواب لا الجواب ولهذا لا یجب فیها علامة جواب

بقائم اور لایقوم زید اور کبھی حرف نفی حذف کر دیا جاتا ہے قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول تاللہ تفتؤا تذکر یوسف یعنی لاتفتؤا اور بہرحال قسم سوال پس نہیں لایا جاتا لیکن اس کے ساتھ جس میں طلب کے معنی ہوں جیسے باللہ اخبرنی اور باللہ ہل قام زید۔ اور کبھی اس کا جواب حذف کر دیا جاتا ہے یعنی جواب قسم جب کہ عارض ہو جائے یعنی قسم درمیان میں مذکور ہو جملہ کے اجزاء کے جو کہ جواب قسم پر دلالت کرتے ہیں یا اس سے مقدم ہو یعنی قسم سے وہ چیز جو اس پر دلالت کرتی ہو یعنی اس کے جواب پر جیسے زید واللہ قائم اور زید قائم واللہ۔ اس کے مستغنی ہونے کی وجہ سے ان دونوں صورتوں میں کیوں کہ قسم پر دلالت کرنے والا موجود رہے اور مذکورہ جملہ اگرچہ معنیٰ جواب قسم ہے لیکن باعتبار لفظ کے نہیں نام رکھا جاتا مگر دال علی الجواب نہ کہ جواب۔ اسی لئے جواب

کیلئے ہے نہ علت کے لئے پس حرف نفی حذف کرنے کی علت کثرۃ الاستعمال ہے پس تاللہ تفتؤا تذکر یوسف اصل میں لاتفتؤا تھا لا کو اس وجہ سے مقدر کیا کہ لامضارع میں بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے اور قرینہ حذف پر معنی کا درست نہ ہونا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا اب یوسفؑ کو یاد کرتے رہیں گے

قولہ واما قسم السوال یعنی سوال کی قسم کا جواب صرف وہ جملہ ہوتا ہے جس میں طلب کے معنی ہوتے ہیں جیسے باللہ اخبرنی اور باللہ ہل قام زید۔

قولہ اے جواب القسم یعنی کبھی جواب قسم کو حذف کر دیا جاتا ہے جواب القسم وہ جملہ ہے جو قسم کی وجہ سے لایا جاتا ہے گویا قسم اس کو طلب کرتی ہے جیسے سوال جواب کو طلب کرتا ہے۔

قولہ اذا اعترض بولا جاتا یعنی جواب قسم کو کبھی حذف کر دیا جاتا ہے لیکن یہ جواب قسم کا حذف کرنا جب ہوتا ہے جب کہ قسم ایسے جملہ کے اجزاء کے درمیان واقع ہو جو جملہ کے قسم کے جواب پر دلالت کرتا ہے یا قسم سے پہلے ایسی شئی واقع ہو گئی ہے یعنی ایسا جملہ واقع ہو گیا جو قسم کے جواب پر دلالت کرتا ہے غرضیکہ جواب قسم کو ان دونوں صورتوں میں حذف کر دیتے ہیں کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں قسم جواب سے مستغنی ہوتی ہے یوں کہ وہ چیز موجود ہے جو قسم کے جواب پر دلالت کرتی ہے اور یہ جملہ اگرچہ معنی کے اعتبار اور لحاظ سے قسم کا جواب ہے لیکن تلفظ کے اعتبار سے اس کو قسم کا جواب نہ بنایا جائے گا بلکہ اس کا نام صرف دال بر جواب رکھا جائے گا۔

شارح نے اعتراض کا ترجمہ توسط القسم الخ کیا ہوں کہ اعتراض کا اصل معنی ہے کسی شئی کا چوڑائی میں ہو جانا جیسے وہ لکڑی جو نہر میں چوڑائی میں رکھی ہوئی

القسم وعن للمجاوزة ای لمجاوزة شئ وتعدیته عن شئ اٰخر وذلك اما بزواله عن الشئ الثانی ووصوله الی الثالث نحو رمیت السهم عن القوس الی الصید او بالوصول وحده نحو اخذت عنه العلم او بالزوال وحده نحو ادیت عنه الدین وعلی للاستعلاء ای لاستعلاء شئ علی شئ نحو زید علی السطح

قسم کی علامت کا ذکر کرنا واجب نہیں ہے اور مجاوزۃ کے لیے آتا ہے یعنی کسی شئی کی مجاوزۃ کے لیے اور اس کو شئی آخر سے متعدی بنانے کیلئے اور یہ یا تو شئی ثانی سے زائل ہونے اور شئی ثالث کی طرف وصول سے ہوتا ہے جیسے رمیت السہم عن القوس الی الصید میں یا تنہا وصول کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے اخذت عنہ العلم یا صرف زوال سے ہوتا ہے جیسے ادیت عنہ الدین اور علی استعلاء کیلئے آتا ہے یعنی ایک شئی کو دوسری شئی پر بلند

ہو پس جب قسم جملہ کے اجزاء کے درمیان ہوگی تو گویا قسم جوڑاہٹ میں رکھی ہوئی ہے پس قول شارح بتوسط یہ حاصل معنی کا بیان ہے اور یہ باب تنازع سے نہیں ہے جیسا کہ وہم کیا گیا کیوں کہ اعتراض لازم ہے۔ قولہ زید واللہ قائم الخ یہ اس قسم کی مثال ہے جو ایسے جملہ کے اجزاء کے درمیان واقع ہے جس جواب قسم پر یہ جملہ دلالت کرتا ہے اور دوسری مثال قسم پر جملہ کے مقدم ہونے کی ہے اور تقدم میں مفعول کی ضمیر ہے اور قولہ ما یدل علیہ تقدم کا فاعل ہے۔

قولہ ولہذا لایجب چوں کہ جملہ قسم کا جواب لفظاً نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے قسم کے جواب کی علامت اس جملہ میں لانا واجب نہیں ہوتا ہے یعنی لام اور ان اور حرف

کسی کا لانا واجب نہیں ہے اور چوں کہ قسم کے واسطے صدارت کلام لازم ہے چوں کہ قسم انشاء ہے اور انشاء کے لئے صدارت کلام لازمی ہے پس زید لقائم واللہ یا زید واللہ لقائم مثلاً نہ بولا جائے گا۔

قولہ لمجاوزۃ الخ یعنی حروف جارہ سے ایک عن ہے مجاوزۃ کے واسطے موضوع ہے یعنی کسی ایک شئی کی مجاوزۃ کیلئے موضوع ہے۔ شارح لمجاوزۃ شئی کہکر اشارہ کیا کہ لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ عن کا ماقبل عن کے مابعد سے تجاوز ہو کیوں کہ کبھی یہ مجاوزۃ اس شان پر نہیں ہوتی جیسے اخذت عنہ العلم وادیت عنہ الدین اور رمیت السہم عن القوس الی الصید میں مجاوزۃ اگرچہ اسی شان پر ہے۔

قولہ تعدیتہ عن شئی اٰخر یعنی شئی کا مجاوز اور متعدی ہونا عام ہے اس سے کہ وہ شئی کی مجاوزۃ اور متعدی ہونا شئی اول کے زوال کے ساتھ ہو شئی ثانی سے اور اس شئی اول کے پھر تیسری شئی کی طرف پہونچنا جیسے رمیت السہم عن القوس الی الصید اس میں ایک شئی یعنی سہم عن کے مجرور یعنی القوس سے مجاوز ہو گیا اور تیسری چیز یعنی الیٰ کے مدخول کی طرف پہونچ گیا یا عن کا مجرور شئی سے مجاوز ہو جاوے جیسے المنعۃ عن الجوع۔

قولہ بالوصول الیہ وحدہ الخ یا صرف پہنچنے کے ساتھ ہو اور مذکور مجاوزۃ وصول کے ساتھ یعنی اول شئی ثانی شئی سے زوال کے بغیر ثالث شئی کی طرف پہنچ جاوے جیسے اخذت عنہ العلم کہ اس کو شاگرد نے کہا متکلم شاگرد نے استاذ سے علم کو لیا بلا اس کے کہ استاذ سے علم زائل ہوا ہو۔ قولہ ادیت عنہ الدین یعنی میں نے مدیون کی جانب دین ادا کیا پس اس میں دین کا زوال ہے بلا اس کے کہ دین خالد کی طرف مثلاً پہنچے۔

قولہ لاستعلاء شئی الخ اس میں بھی اشارہ ہے کہ لام للاستعلاء میں مضاف الیہ کے بدلے میں ہے یعنی ایک شئی دوسری شئی پر بلند ہونا چاہیے علیٰ کے مدخول پر ایک شئی بلند ہو کبھی حقیقۃً جیسے زید علی السطح اور کبھی مجازاً جیسا کہ علیہ دین اس میں دین کا ثقل مدیون کی گردن اور اس کی پیٹھ پر ہے۔

ﮨ ﮨ ﮨ ﮨ

وعليه دين وقد تكونان اي عن وعلى اسمين يعلم ذلك بدخول من عليهما نحو من عن يميني اي من جانب يميني ومن عليه اي من فوقه والكاف للتشبيه نحو زيد كالاسد وزائدة نحو ليس كمثله شئ اذ التقدير ليس مثله شئ على بعض الوجوه وقد

کرنے کیلئے جیسے زید علی السطح اور علیہ دین اور کبھی دونوں یعنی عن اور علیٰ دو اسم ہوتے ہیں اور اس کو معلوم کیا جاتا ہے من کے داخل ہونے سے ان دونوں پر جیسے من عن یمینی یعنی من جانب یمینی اور من علیہ یعنی من فوقہ اور کاف تشبیہ کے معنی دیتا ہے جیسے زید کالاسد اور زائدہ ہوتا ہے جیسے لیس کمثلہ شئ اس لئے کہ اس کی اصل لیس مثلہ شئ بعض صورتوں میں اور کبھی ہوتا ہے

قولہ اسمین یعنی عن اور علیٰ دونوں اسم بھی ہوتے ہیں جانب اور فوق کے معنی میں اور اس وقت چونکہ یہ دونوں حرف سے لفظی اور معنوی مناسبت رکھتے ہیں اس وجہ سے دونوں مبنی ہوتے ہیں ۔

قولہ بدخول من یعنی عن اور علی دونوں کا اسم ہونا ان دونوں پر من کے داخل ہونے سے جانا جاوے گا قولہ بدخول یہ تکونان کی ضمیر سے حال ہے یعنی دونوں اسم ہوتے ہیں وقت ہونے ان دونوں کے متلبس من کے دخول اور من کے بغیر اسم مستعمل نہیں ہوتے ہیں گویا کہ وہ من علامت ہے اس کے ذریعہ سے ان دونوں کی اسمیت جانی جاتی ہے اسی وجہ سے شارح نے یعلم ذلک کہا اور شارح کی اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ظرف یعلم کے متعلق ہے جیسا کہ ظاہر لفظ سے وہم ہوتا ہے اس لئے کہ فعل خاص کی تقدیر پر کوئی قرینہ نہیں ہے

قولہ والکاف للتشبیہ یعنی کاف کبھی حروف جارہ سے ہے تشبیہ کے واسطے موضوع ہے جیسے زید کالاسد تشبیہ کے معنی ہے مانند کرنا جہاں تشبیہ ہو وہاں چار چیز ضروری ہیں مشبہ اور مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ اور آلہ تشبیہ معلوم ہو کہ مشہور یہ ہے کہ مشبہ بہ کے واسطے وجہ تشبیہ میں قوت اور شدت ہونی چاہیے کیونکہ ایک چیز کو دوسری چیز کیساتھ مشابہ کرنے سے غرض یہ ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ ملا دیا جاوے پس مشبہ بہ کا رتبہ مشبہ سے قوی ہونا چاہیے تاکہ وہ ناقص اس کامل کے ساتھ مل جاوے کے ذریعہ سے اپنے مرتبہ میں کمال کی صورت پالے اگر کہا جاوے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مشبہ بہ وجہ تشبیہ میں قوت اور شدۃ کلی وجہ پر ضروری ہے اور اس پر شاہد اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم کما صلیت وسلمت کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ بات صحیح طریقہ پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ہمارے اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل اور اشرف ہیں اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ اور سلام اتم اور اکمل ہوگا دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اور ان الفاظ سے جو کہ صحیح احادیث میں مذکور ہیں مفہوم ہوتا ہے کہ مشبہ بہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ ہے اور مشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ تشبیہ مشبہ بہ میں قوی ہونا بعض صورتوں میں ہے نہ تمام مراد تشبیہ جو آپ وجہ تشبیہ معرفت اور ظہور اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے اعتبار سے معروف اور مشہور ہے اور اس سوال کے اور بہت مشہور جوابات دیئے گئے ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں

قولہ زائدۃ یعنی ایک تو تشبیہ کیلئے یعنی ایک شئ کو اس کے ذریعہ سے دوسری شئ کے مانند کرتے ہیں جیسے زید کالاسد اور کاف زائد بھی آتا ہے نفی کی تاکید کے واسطے زیادہ کیا جاتا ہے کیونکہ کاف کا زیادہ ہونا صرف مشبہ کی نفی کی تاکید کے واسطے ہوتا ہے کیونکہ حرف کا زیادہ ہونا جملہ کے لوٹانے کے درجہ میں ہے اور زائدۃ مرفوع ہے اور وہ للتشبیہ پر معطوف ہے یعنی الکاف زائدۃ جیسے لیس کمثلہ شئ اگر کاف زیادہ کہیں تو تقدیر لیس مثلہ الخ ہے مثلہ نصب کے ساتھ لیس کی خبر ہے اور شئ رفع کے ساتھ لیس کا اسم ہے اسمیں

کاف کے زیادہ ہونے کے ساتھ حکم کیا گیا نہ مثل کے زیادہ ہونے کے ساتھ کیوں کہ اس کا زیادہ ہونا جو ایک حرف پر ہو اولیٰ ہے خاص کر جب کہ وہ حروف کی قسم سے ہو۔ شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اذ التقدیر لیس مثلہ شیٔ کہا کیوں کہ موصوف یہ ہے کہ اس کی نفی کی جائے کہ کوئی شیٔ اللہ تعالیٰ کے مثل ہو اور یہ مقصود نہیں اس کے مثل کے مثل کوئی نہیں ہے۔

قولہ علی البعض الوجوہ یعنی یہ تقدیر ایک صورت میں ہے اور دوسری صورتوں میں اور تقدیر ہے یعنی اس آیت کریمہ میں واو کا زیادہ ہونا بعض صورتوں میں ہے اس آیت کریمہ میں پہلی صورت یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کے مثل کی نفی کرنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کے مثل کی اس صورت میں کاف یا لفظ مثل کا زیادہ کہنا ضروری ہوگا بعض نے کاف کو زیادہ کہا کیوں کہ حرف کو زیادہ کہنا اولیٰ ہے خاص کر جب کہ وہ حرف ایک حرف پر ہو۔ دوسری صورت یہ ہے لفظ مثل زائد ہو کیوں کہ کاف پر زیادہ ہونیکا حکم لگانا اس کی طرف ضرورت کے پہلے اس لئے کو زائد کہنے کی ضرورت مثل کے ذکر کرنے کے وقت ہوتی ہے ان دو مذہبوں میں اول کو ترجیح ہے کیوں کہ حرف کے زیادہ کا قول کرنا یہ اقرب ہے اس سے کہ اسم کو زیادہ کیا جائے دوسرے اس وجہ سے کہ اگر مثل کو زائد کہیں تو کاف حرف کا دخول ضمیر پر لازم آئے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مقصود اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مثل کی نفی کرتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کے مثل

کی، مگر مثل کے مثل کی نفی کرنا مثل کی نفی کو مستلزم ہے کنایہ کے طریقہ پر اور کنایہ تصریح سے ابلغ ہے کیوں کہ کنایہ میں اثبات بینہ اور دلیل کے ساتھ ہوتا ہے اس وجہ سے نہ کاف زیادہ ہے اور نہ لفظ مثل اور وہ اس لئے کہ اس صورت میں شیٔ کی نفی اس کے لازم کی نفی کے واسطے اور ذریعہ سے ہوگی کیوں کہ لازم کے نفی ملزوم کی نفی ہے جیسا کہ کہا جاوے لیس لاخی زید اخ پس اس میں اخو زید ملزوم ہے اور اخ اس کا لازم ہے کیوں کہ زید کے بھائی کے واسطے بھائی ہونا ضروری ہے اور وہ زید ہے پس اس لازم کی نفی سے مراد اس کے ملزوم کی نفی کرنا ہے یعنی زید کے واسطے بھائی نہیں ہے اس لئے کہ اگر زید کے واسطے بھائی ہو تو وہ بھائی کے واسطے بھائی ہوگا اور وہ زید ہے پس ایسے ہی اللہ کے واسطے مثل ہونے کی نفی بطریق کنایہ کی کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ کے مثل کی مثل کی نفی کی تو اللہ تعالیٰ کے مثل کی نفی ہو گئی کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے مثل ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے مثل کا مثل ہوگا اور بعض کہتے ہیں اس آیت میں لفظ مثل بمعنی ذات ہے یعنی لیس کذاتہ شیٔ یعنی اس کی ذات کی مانند کوئی شیٔ نہیں اور بعض کے نزدیک لفظ مثل بمعنی صفت ہے یعنی لیس کصفتہ شیٔ اللہ تعالیٰ کی صفت کے مانند کوئی شیٔ نہیں ہے اور صاحب کشاف نے کہا کہ عرب کہتے ہیں مثلک لا یبخل اس میں تیرے مثل سے بخل کی نفی کی ہے غرض اس کی نفی کرنا۔ تیری ذات سے ہے پس مبالغہ پیدا کرنے کی وجہ

سے کنایہ کا راستہ اختیار کیا کیوں کہ جب بخل کی نفی تیرے مثل سے کی اور اس سے نفی کی جو تیرے اوصاف سے اخص پر ہے تو تیرے سے نفی کر دی پس لیس کالله شیٔ اور قولہ لیس کمثلہ شیٔ دونوں کے درمیان کچھ فرق نہیں البتہ اس قدر کہ جو کنایہ سے حاصل ہو رہا ہے معلوم ہو کہ مولانا عصام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ مثل المثل کی نفی مثل کی نفی کو مستلزم نہیں ہے کیوں کہ شیٔ کہ اس کے واسطے مثل نہیں بلکہ ایسا مثل نہیں جو شیٔ کا مشارک اس کی صفت میں ہو باوجود ہونے شیٔ کے اقویٰ اس سے الاسیئن اور اصل اور مثل کا مرتبہ ملحق بہ کے مرتبہ میں ہے اس سے تقارب کی وجہ اور مولانا عبدالحکیم نے فرمایا کہ یہ جو کہا گیا مثل المثل کی نفی مثل کی نفی کو مستلزم نہیں ہے کیوں کہ شیٔ کا مثل اس سے اضعف ہوتا ہے پس یہ قول محض توہم ہے۔ کیوں کہ اس چیز میں جس کے ساتھ مماثلت ہے اس میں جمیع الوجوہ سے مساوی ہونا اور اخص الصفات میں شریک ہونا ہے پس مولانا عصام کا قول درست نہ رہا واللہ اعلم۔

قولہ وقد تکون یعنی کاف کبھی اسم ہوتا ہے مثل کے معنی میں جیسے اس مثال میں یضحکن عن کالبرد المنہم۔ اس مصرعہ کا اول ہے بیض ثلث کنعاج جم بیض بیضاء کی جمع ہے اور یہ محذوف کی صفت ہے یعنی نساء بیض اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر یضحکن ہے النعاج بالکسر نعجۃ بالفتح کی جمع نیل گائے یعنی بقر الوحش کی

تكون اي الكاف اسماً بمعنى المثل نحو يضحكن عن كالبرد المنهم × اي عن اسنان مثل البرد الذائب للطافته وتختص

یعنی کاف اسم جو مثل کے معنی میں ہوتا ہے جیسے وہ ہنستی ہیں وہ ایسے دانتوں سے جو مانند اولے کے پگھلنے والے ہیں یعنی ایسے دانتوں سے جو مثل اولے پگھلنے والے ہیں باریک ہونے کی وجہ سے اور خاص ہے

یادہ الجم بالضم جما کی جمع جس کے واسطے سینگ نہ ہو یعنی بے سینگ البرد بالتحریک المنہم بالتشدید الیم پگھلنے والا انہم البرد و التشحم انہما گھلنا اور پگھلنا معنی یہ ہے سفید عورتیں ایسی بیل گائے کے مانند ہیں کہ ان کے واسطے سینگ نہیں ہنستی ہیں وہ ایسے دانتوں سے کہ وہ دانت صفائی اور چمکداری میں گلے ہوئے اولے کے مانند ہیں اور اس میں شاہد کالبرد میں جو کاف ہے وہ اسم بمعنی مثل ہے معلوم ہو کہ سیبویہ اور دوسرے نحاۃ کے نزدیک اختلاف واقع ہو رہا ہے سیبویہ کا یہ مذہب ہے کہ کاف اسم مثل حرف ضرورت میں آتا ہے اور اخفش اور فارسی کہتے ہیں ضرورت اور اختیار ہر ایک میں کاف اسم بمعنی مثل آتا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ زید کالاسد میں کاف اسم بمعنی مثل ہو کر مرفوع ہو اور اسد مجرور ہو اس بنا پر کہ کاف اسم بمعنی مثل.... مضاف ہے اور اسد مضاف الیہ ہے اس شعر میں قرینہ اس پر کہ کاف اسم بمعنی مثل ہے حرف عن کا اس پر داخل ہو کر آنا ہے، چوں کہ حرف جر حرف جر پر داخل نہیں ہوتا ہے ۔ سوال زید کالاسد میں کاف اسم ہے بمعنی مثل کیوں کہ اس کے معنی زید مثل اسد کے ہیں غرضیکہ جو کاف حرفی ہے وہ اسمی نہیں ہوگا بلکہ تشبیہ کے معنی میں ہے مثل اور مشابہ کے درمیان فرق ہے وہ یہ ہے کہ مثل اس کو کہتے ہیں جو صفات میں مساوی ہو اور مشابہ اور مثال میں تمام صفات میں مساوات شرط نہیں ہے اس وجہ سے کہا گیا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے واسطے مثل نہیں ہے مشابہ اور مثال ہو سکتی ہے کہ عقل کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہیں اور آفتاب کی مثال مناسبت کے ساتھ لائے ہیں چنانچہ محسوسات آفتاب نور کے ساتھ منکشف ہے جیسے معقولات عقل کے ساتھ منکشف ہوتے ہیں باوجودیکہ عقل آفتاب کے ساتھ تمام صفات میں مثل نہیں ہے سوال تشبیہ اسم جیسا کہ مثل اسم ہے پس جس طرح کاف بمعنی مثل اسم ہوتا ہے اسی طرح کاف بمعنی تشبیہ بھی اسم ہو ۔

جواب زید کالاسد میں کاف بمعنی تشبیہ جزئی ہے اور یہ حرفی معنی ہے کہ اسکا تعقل متعلقات کے تعقل کے بغیر ممکن نہیں ہے اور لفظ تشبیہ اسم ہے شبہ کلی معنی کے واسطے موضوع ہے اس کے متعلقات کا تعقل اجمالاً کافی ہے اور کاف اسمی مثل کلی کے واسطے موضوع ہے نہ جزئی کے واسطے موضوع اسم ہے واللہ اعلم ۔

قولہ تختص. یعنی کاف اسم ظاہر کیساتھ خاص ہے یعنی صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اور اسم ضمیر پر داخل نہیں ہوتا پس کزید بولا جائے گا اور کہ نہیں بولا جائے گا یہ جمہور علماء نحاۃ کے نزدیک ہے چونکہ ضمیر پر لفظ مثل اور جو الفاظ کہ مثل لفظ کے مانند ہیں وہ ضمیر پر داخل ہوتے ہیں انہوں نے ضمیر پر کاف کے دخول سے مستغنی کر دیا البتہ سعت یعنی وسعت کلام بمعنی نثر میں ضمیر مرفوع پر داخل ہو جاتا ہے جیسے بولا جائے ما انا کانت اور مبرد کے نزدیک کاف کا دخول اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں جگہ میں عام ہے اور یہ مبرد اشعار کے ذریعہ سے استدلال کرتا ہے کہ قولہ کہ یہ کاف کے نحو اور بار کے ذمہ کیا تھا ہے اور قولہ استغناء قولہ لا یقال کہ کی علت ہے اس کے معنی یہ ہیں مثل کاف کے معنی کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح لفظ شبہ اور نحو پس مثلہ نحوہ اور شبہہ بولا جائے گا اور اس وقت کاف کو ضمیر پر داخل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے اور قولہ استغناء مفعول لہ ہے کیوں کہ دونوں میں فاعل کے اندر اتحاد موجود ہے اور مفعول لہ پر سے لام کے حذف کرنے کی بھی شرط ہے اور اگر استغناء قولہ یختص کی علت ہو تو اس وقت فاعل کے اتحاد ہونے کی وجہ سے لام کو حذف نہیں کیا جا سکتا ہے ۔

ای الکاف بالظاھر ای بالاسم الظاھر عند الجمھور فلا یقال کہ استغناء عنہ بمثل ونحوہ وقد تدخل فی السعۃ علی المرفوع نحو ما انا کانت خلافا للمبرد فانہ اجاز ذلک مطلقا نظرا الی ما جاء فی بعض اشعارھم ومذ ومنذ للزمان الماضی او الحاضر فھما للابتداء فی الزمان الماضی یعنی اذا ارید بھما الزمان الماضی فالمراد ان مبداء زمان الفعل المثبت او المنفی ھو ذلک الزمان الماضی الذی ارید بھما لا جمیعہ کما اذا قلت سافرت من البلد

یعنی کاف ظاہر کے ساتھ یعنی اسم ظاہر کے ساتھ جمہور کے نزدیک پس کہ نہیں کہا جاتا مثل اور نحوہٗ وغیرہ کی وجہ سے وہ اس سے مستغنی ہے اور وسعت کلام پر وہ کبھی مرفوع پر داخل ہوجاتا ہے جیسے ما انا کانت مبرد کا اختلاف ہے کیوں کہ اس نے اس کو مطلقاً جائز کہا ہے نظر کرتے ہوئے عرب کے بعض اشعار کی طرف اور مذ اور منذ زمان کے لئے آتے ہیں یعنی ماضی یا حاضر پس دونوں ابتداء کے معنی دیتے ہیں زمانۂ ماضی میں یعنی جب ان دونوں سے زمانۂ ماضی کا ارادہ کیا جائے پس مراد یہ ہے کہ زمانہ کی ابتداء فعل مثبت کی یا منفی کی وہ یہی زمانۂ ماضی ہے جس کا ان دونوں سے ارادہ کیا گیا ہے نہ کہ جمیع زمانہ جیسے جب تو نے کہا سافرت من البلد

قولہ اجاز ذلک مطلقاً یعنی سعت اور ضرورت دونوں میں اس کو جائز رکھا ہے اور مرفوع اور منصوب اور مجرور سب پر دخول کو جائز قرار دیا ہے، یا مطلقاً اسم ظاہر اور اسم ضمیر میں دخول کو جائز رکھا اور قولہ نظراً یعنی نظر کی وجہ سے یعنی نظراً یا تو اجاز کا مفعول لہٗ ہے یعنی بوجہ نظر کرنے اس شئی کی طرف کہ آیا ہے وہ ان کے بعض اشعار میں یا یہ نظر بمعنی ناظراً ہوکر حال ہے اس نے جائز وقت ہونے اس کے دیکھنے والا عرب کے بعض اشعار کی طرف اور ظاہر یہ ہے کہ جمہور اس کے شاذ ہونے کے ساتھ حکم کرتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ قولہ فی السعۃ فراء کے قول کا جواب ہے یا اس لئے کہ وہ شعر ہے اور اس شعر کا قیاس قیاس مع الفارق ہے یا اس وجہ سے شاذ ہے کہ وہ نادر ہے اور لفظ بعض اس پر دلالت کرتا ہے یا ان اشعار سے اس وجہ سے استدلال نہیں ہوسکتا کہ اس کی فصاحت معلوم نہیں شعر اور اس کے قائل کو ذکر نہ کرنا اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ فصیح نہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں

قولہ یعنی اذا ارید الخ یعنی مذ اور منذ دونوں ماضی زمانہ یا حاضر زمان کے واسطے آتا ہے پس یہ دونوں زمان ماضی میں ابتداء کے واسطے یعنی جب کہ دونوں زمان ماضی کا ارادہ کیا جاوے، شارح نے اس عبارت سے اس تناقض کو دفع کیا ہے جو اس کے قول للزمان اور للابتداء میں ہے کیونکہ اول سے سمجھا جاتا ہے کہ ان دونوں کی وضع زمان کے واسطے ہے اور ثانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ دونوں کی وضع ابتداء کے واسطے ہے پس شارح نے جواب دیا تناقض کے انکار کے ساتھ زمانہ فعل کا مبداء وہی ایسا زمان ہے جو کہ ان دونوں سے مراد لیا گیا ہے بعض شارحین نے اس تناقض کا جواب دیا قولہ للابتداء قولہ للزمان سے بدل اشتمال ہے چونکہ مبدل منہ بدل پر مشتمل ہے معلوم ہو کہ مذ اور منذ یہ دونوں حروف جارہ ہیں اور زمان کے واسطے موضوع اور مستعمل ہیں اور مذ اپنی اصل پر ہے اور یہی مذہب منصور ہے اس لئے کہ حرف میں اصل تصرف کا نہ ہونا ہے اور بعض کے نزدیک یہ دونوں اسم ہیں اور یہ دونوں حرف جر ہیں جس وقت کہ ان کا مابعد مجرور ہوئے اور یہ اکثر نحاۃ کے نزدیک ہے اور بعض کے نزدیک یہ دونوں اسم ہیں اور ان کا مابعد اضافت کی وجہ سے مجرور ہے اور جس وقت کہ ان کا مابعد مجرور نہیں ہوتا پس بالاتفاق اسم ہیں جیسا کہ ظرف کی بحث میں گذرا۔ سوال جب یہ دونوں زمان

مذ سنة كذا او ما رأيت فلانا مذ سنة كذا بشرط ان تكون هذه السنة ماضية لا تكون فيها فان معناه حينئذ ان مبدأ مسافرتي او عدم رؤيتي كان هذه السنة وامتد الى الآن

والظرفية عطف على الابتداء اى وهما للظرفية المحضة من

مذ سنۃ کذا اور دوسری مثال ما رأیت فلانا مذ سنۃ کذا اس شرط کے ساتھ کہ یہ سن وہ ماضی ہو جس میں تو نہ رہا ہو کیوں کہ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میرے سفر کا مبدأ یا میرے نہ دیکھنے کی ابتداء یہ سن تھا اور وہ اب ممتد ہوا ہے اور ظرفیت فعل ابتداء پر عطف ہے یعنی وہ دونوں ظرفیۃ محضہ

کے واسطے موضوع ہیں اور مستعمل ہیں پس ضروری یہ ہے کہ یہ اسم ہوں نہ حرف جواب قولہ للزمان یہ توطیہ اور تمہید ہے اور اس سے مقصود اس قول کی نسبت ہے یعنی منذ للابتداء فی الماضی والظرفیۃ فی الحاضر جیسا کہ عنقریب آئیگا پس قولہ للابتداء قولہ للزمان اور یہ اس وجہ سے کہا تا کہ بیان کا مخاطب مشتاق اور منتظر رہے کیوں کہ اس امر کا ارادہ ممکن نہیں ہے کہ مذ اور منذ زمان کے واسطے موضوع اور مستعمل ہو کیوں کہ اس وقت لازم آویگا کہ اسم ہوں پس مخاطب جانتا ہے کہ کوئی دوسرا امر مراد ہے پس بیان کا منتظر ہوگا اور زمان سے مراد زمان ماضی اور حاضر ہے کیوں کہ ان دونوں کا زمان مستقبل میں استعمال مفقود ہے اور قولہ للابتداء فی الماضی کے یہ معنی ہیں کہ مذ اور منذ زمانہ ماضی میں ابتداء کے واسطے مستعمل ہوتے ہیں لیکن یہ استعمال مطلق نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے کہ ان دونوں کے مدخول سے زمانہ ماضی مراد لیں پس حاصل یہ ہیکہ فعل مثبت یا منفی کے زمانہ کا مبدأ وہ زمانہ ماضی ہوتا ہے اور اس وقت مذ اور منذ سے تمام زمانہ فعل نہیں ہوتا ہے جیسے سافرت مثل البلد مذ سنۃ کذا او ما رأیت فلانا مذ سنۃ کذا اس شرط سے کہ وہ سال جو کہ معین اور مشار الیہ ہے ماضی ہو اور متکلم اس سال میں نہ ہو اس وقت میں دونوں مثالوں کے یہ معنی ہیں کہ میرے سفر کا مبدأ یا میرے نہ دیکھنے کا مبدأ یہ برس تھا اور اب تک ممتد رہا یعنی اس کلام کے

متکلم کے زمانہ تک ممتد رہا پس قولہ فالمراد الخ یہ قولہ اذا ارید بہما کے واسطے جزاء ہے اور قولہ مبدأ مصدر میمی ہے ابتداء کے معنی میں اور اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ بیان پر غایت غرض کے معنی میں ہے اور مقصود وہ فعل ہے نہ مسافت جیسا کہ من اور الی میں کیوں کہ مسافت کا اطلاق زمان میں درست نہیں ہے پس یہ دونوں مکان میں مستعمل نہیں ہوتے کیوں کہ یہ دونوں زمان میں مختص ہیں مطلب یہ ہے کہ جب ان دونوں کے مدخول سے زمانہ ماضی مراد لیا جاوے تو یہ مراد ہوتا ہے کہ فعل مثبت یا فعل منفی کے زمانہ کا مبدأ وہ یہ زمانہ ماضی ہے جو ان دونوں سے مراد لیا گیا اور تمام زمانہ ماضی نہیں ہے۔ قولہ جمیعہ یہ قولہ مبدأ زمان الفعل پر معطوف ہے زمانہ ماضی فعل کا تمام زمانہ نہیں ہے کیوں کہ فعل زمانہ ماضی میں منقطع نہیں ہوا بلکہ زمانہ تکلم تک ممتد رہا پس

اس وجہ سے یہ متصور نہیں ہے کہ زمانہ ماضی زمانہ فعل کی تمام مدت ہو، قولہ ہذہ السنۃ ماضیۃ یعنی یہ شرط ہے کہ یہ تمام برس ماضی ہو کیوں کہ اگر اس سے کچھ باقی رہے گا تو یہ برس حالیہ اور موجودہ ہوگا نہ ماضیہ۔ قولہ عطف علی الابتداء یعنی الظرفیۃ فی الحاضر کا عطف الابتداء فی الماضی پر ہے یعنی للظرفیۃ فی الحاضر الابتداء فی الماضی پر معطوف ہے اور الظرفیۃ فی الحاضر الزمانی پر معطوف نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں عطف خاص علی العام لازم آوے گا کیوں کہ الزمان الحاضر سے عام ہے معنی یہ ہے کہ مذ اور منذ دونوں ظرفیۃ محضہ کے لئے ہیں معنی الابتداء کا اعتبار کئے بغیر یعنی معنی ابتداء کا اس میں بالکل لحاظ نہیں خالص ظرفیت یعنی فی مستعمل ہے۔ قولہ من غیر اعتبار معنی الابتداء یہ قولہ المحضۃ کی تفسیر ہے یعنی زمانہ حاضر کی ابتداء معتبر نہیں اگرچہ معنے

غیر اعتبار معنی الابتداء فی الزمان الحاضر ای الذی اعتبرتہ
حاضراً وان مضی بعضہ یعنی اذا ارید بھما الزمان الذی
اعتبر حاضرا فالمراد ان جمیع زمان الفعل ھو ذلک الزمان الحاضر
نحو ما رایتہ مذ شھرنا ومنذ یومنا ای جمیع زمان انتفاء رؤیتنا
ھو ھذا الشھر او الیوم الحاضر عندنا لانھما لم ینقضیا بعد ولم
یمتد زمان الفعل الی ما وراءھما فکیف یصح اعتبارھما مبداء
لزمان الفعل فی المثالین المذکورین کلاھما للظرفیۃ ویمکن ان

کیلئے آتے ہیں ابتداء کے معنی کا اعتبار کئے بغیر زمانہ حاضر میں یعنی جس کو تو نے حاضر اعتبار کیا ہے اگرچہ اس کا بعض حصہ گذر چکا ہے یعنی جب ان دونوں سے اس زمانے کا اعتبار کیا جائے جس کو حاضر اعتبار کیا گیا ہے پس مراد یہ ہے کہ فعل کا پورا زمانہ وہ یہی زمانہ حاضر ہے جیسے نہیں دیکھا میں نے اس کو اپنے ایک ماہ سے یا اپنے ایک یوم سے یعنی ہماری رویت کے منتفی ہونے کا پورا زمانہ وہ یہ مہینہ ہے یا موجود یوم ہے ہمارے نزدیک اسلئے کہ اب تک دونوں ختم نہیں ہوئے اور فعل کا زمانہ ممتد نہیں ہوا ان دونوں کے علاوہ کی طرف لہذا پس ان دونوں کے مبدا ہونے کا اعتبار کرنا کیسے صحیح ہوگا فعل کے زمانہ کی طرح مذکورہ دونوں مثالوں میں دونوں ظرفیت کی مثالیں ہیں ممکن

ابتداء کے اعتبار کے وقت میں بھی معنی ظرفیت موجود ہے کیوں کہ فعل کا وقوع مدخول میں ضروری ہے اور یہ اس وقت ہے کہ ان دونوں کے مجرور سے زمانہ حاضر کا ارادہ کریں خواہ وہ زمان فی الحقیقت حاضر ہو یا نہ ہو بلکہ اس کے بعض اجزاء گذر چکے ہوں لیکن متکلم نے اس کو حاضر اعتبار کر لیا ہے پس قولہ من غیر اعتبار معنی الابتداء اس سے ایک اعتراض دور کیا جارہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس قسم اور پہلی قسم میں کچھ فرق نہیں کیوں کہ وہ دونوں قسم اول میں بھی ظرفیت کے لئے ہے سو جو دونوں مثالوں میں مذکور ہے وہ زمان سے ہے اور زمان صرف ظرف ہوتا ہے لیکن وہ دونوں قسم اول میں ظرفیت محضہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ اس میں ابتداء کے معنی معتبر ہے۔

قولہ فی الزمان الحاضر۔ یہ دونوں زمان حاضر میں ظرفیت کے لئے ہوتے ہیں یعنی ایسے موجود زمانہ کے لئے ہوتے ہیں جس کو موجود اعتبار کر لیا ہے اگرچہ اس کا بعض گذر چکا یعنی جب کہ ان دونوں کے ساتھ وہ زمانہ مراد لیا جاوے جس کو حاضر اور موجود اعتبار کر لیا ہے پس اس وقت یہ مراد ہے فعل کا تمام زمانہ یہ موجود زمانہ ہے جیسے مارایتہ مذ شہرنا الخ یعنی دیکھنے کا انتفاء (نہ دیکھنے) کا تمام زمانہ ایسا مہینہ جو ہمارے پاس حاضر اور موجود ہے یا ایسا دن ہے جو ہمارے پاس حاضر اور موجود ہے کیوں کہ مہینہ اور دن دونوں ابھی ختم نہیں اور گذرے نہیں اور فعل کا زمان ان دونوں کے ماسوا کی طرف ممتد نہیں پس گویا کہ کہا گیا تم کہاں سے کہتے ہو کہ وہ دن میں نہیں ہوں اور وہ مہینہ جس میں ہوں پس وہ زمانہ حاضر ہے کیوں نہیں ہو سکتا ہے کہ ان دونوں مثالوں میں مذ اور منذ زمانہ ماضی میں ابتداء کے واسطے ہوں پس قولہ ہو ہذا الشہر الخ سے جواب دیا کہ یہ مہینہ ہمارے پاس حاضر ہے اور یہ دن ہمارے پاس حاضر ہے کیوں کہ دونوں ابتک گذرے نہیں یعنی کوئی دوسرا زمانہ داخل نہیں ہوا ہم زمانہ حاضر سے یہی زمانہ مراد لے رہے ہیں چونکہ یہ گذر رہا ہے کہ یہ کل کا نام رکھنا ہے جزء کے نام کے ساتھ۔

قولہ فکیف یصح یعنی ان دونوں مثالوں میں مذ اور منذ کا زمان ماضی میں ابتداء کے لئے ہونا کیسے درست ہوگا چوں کہ یہ گذر رہا ہے کہ زمان ماضی میں ابتداء کے واسطے ہونے میں دونوں کے اندر یہ ضروری ہے کہ پورا سال مثلاً ماضی ہو پس اس وقت دونوں

يجعل الاول مثالا للابتداء كما يتوهم بحسب الظاهر لكن بتقدير مضاف اى ما رايته مذ دخول شهرنا وحاشا وعدا وخلا للاستثناء اى لاستثناء ما بعدها عما قبلها فاذا جررت بها ما بعدها تكون حروفا جارة وبهذا الاعتبار ذكرت ههنا نحو جاء فى القوم حاشا زيد وعدا زيد وخلا زيد واذا نصبت بها تكون افعالا الحروف المشبهة بالفعل ووجه شبهها به اما لفظا فلانقسامها كالفعل

ہے کہ اول کو ابتدار کی مثال بنا دیا جائے جیسا کہ باعتبار ظاہر کے متوہم ہوتا ہے مگر اس جگہ مضاف مقرر ہو نا یعنی ما رأیتہ مذ دخول شہرنا اور حاشا اور عدا، خلا استثنار کے لئے آتے ہیں یعنی اپنے ماقبل سے اپنے مابعد کو مستثنیٰ کرنے کے لئے پس جب تو نے ان کے ذریعہ ان کے مابعد کو جر دیا تو یہ حروف جارہ ہو جائینگے اور اسی اعتبار سے یہاں ان کا ذکر کیا گیا ہے جیسے جاء فی القوم حاشا زید عدا زید خلا زید اور جب ان کے ذریعہ ان کے مابعد کو نصب دیگا تو یہ فعل ہوں گے۔

وہ حروف جو فعل کے مشابہ ہیں اور ان کے فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ یا لفظوں میں ہو گی ان کے منقسم ہونے کی وجہ سے فعل کی طرح

مذکورہ مثالیں ظرفیت کے لئے ہیں زمانی زمان میں ابتدار کے واسطے پس گویا قولہ فالمثالان المذکوران الخ مصنف پر اعتراض ہے کہ اول دونوں مذکور ابتدار و ظرفیت میں سے ہر ایک کے واسطے مثال کا بیان کرنا ہے قولہ ولکن ان یجعل الخ یعنی اول مثال کو ابتدار کے واسطے مثال قرار دینا ممکن ہے یہ اعتراض کا جواب ہے یعنی اول مثال ابتدار فی الزمان الماضی کی مثال ہے لیکن ایک مضاف کی تقدیر کے ساتھ اور وہ دخول و حدوث ہے یعنی ما رایتہ مذ حدوث شہرنا یعنی من زمان حدوث شہر رمضان مثلاً۔ قولہ کما یتوہم جیسا کہ ظاہر کے موافق وہم کیا جاتا ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں مثالیں دونوں معنی کے واسطے ہوا، اور شارح کہتے ہم اس وجہ سے کہا ہے کہ غور کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مثالیں دونوں معنی کے واسطے نہیں بن سکتی ہیں البتہ تقدیر کے تکلف کے ساتھ کہ پہلی مثال پہلے معنی کے واسطے دوسری مثال دوسرے معنی کے واسطے

قولہ وحاشا الخ یہ حروف استثنار کے واسطے موضوع اور مستعمل ہیں الاستثنار میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی جو ان حروف کے بعد ہے اس کی استثنار اس شیٔ سے جو ان کے پہلے ہے پس جب تم ان کے ساتھ اس کو جر دو جو ان کے بعد ہے تو یہ حروف جارہ ہوں گے اور یہاں اسی اعتبار سے ان کو ذکر کیا ہے اور جب تم ان کے ساتھ ان کے مدخول کو نصب دو گے تو یہ افعال ہوں گے اس وقت

یہ حروف جر نہ ہوں گے۔ رضی میں ہے جب حاشا کو استثنار میں استعمال کرتے ہیں تو اس کے معنی اس اسم کو منزہ اور پاک ظاہر کرنا ہے جس پر حاشا داخل ہے اور ایسے ہی جب اس کا استثنار کے غیر میں استعمال کرتے ہیں تو جو اسم حاشا کے بعد ہے برائی سے پاک کرنا ہے۔ قولہ الحروف المشبہۃ ان حروف کی جو آئندہ مذکور ہیں ان کی مشابہت فعل کے ساتھ اعتبار کی گئی ہے اعمال کی وجہ سے۔

قولہ وجہ شبہہا۔ فعل کے ساتھ ان حروف کی مشابہت کی وجہ بوجہ مصدر یعنی اسم مفعول ہے اور اضافت اس گروہ سے ہے کہ اس میں صفت کی اضافت اپنے موصوف کی طرف ہو رہی ہے یعنے التشبیہ الوجیۃ۔ یا مفعول کے واسطے مصدر میمی ہے یعنی کون الشبہ موجبا یعنی شبہ کا موجب ہونا اور وجہ علت اور سبب کے معنی میں نہیں ہے ورنہ ایک کی زیادہ لازم آئے گی یا وجہ یالام کی یا حذف الجر کا حذف اور اصل زیادہ کا نہ ہونا ہے اور حذف کے قول کا نہ ہونا۔

قولہ فلانقسامہا الخ ان حروف کی فعل کیساتھ مشابہت کی وجہ یعنی جو چیز ان کی مشابہت

الی الثلاثی والرباعی والخماسی ولبنائها علی الفتح مثله واما معنیٰ فلان معانیها معانی الافعال مثل اکدت وشبهت واستدرکت

ثلاثی، رباعی اور خماسی کی طرف اور ان کے مبنی ہونے کی وجہ ان کی طرح فتحہ پر اور رہا معنی مشابہ ہوں گے تو اس وجہ سے کہ ان کے معانی فعل کے معنی ہوتے ہیں جیسے اکدت شبہت، استدرکت

کی موجب ہے وہ مشابہت لفظاً یعنی تلفظ کے اعتبار سے ہے کیوں کہ یہ حروف اپنے تمام حروف کے اعتبار سے تین قسموں کی طرف منقسم ہیں جیسے فعل اپنے تمام حروف کے اعتبار سے تین قسموں کی طرف منقسم ہے اور اس کا سداسی ہونا اس مشابہت میں مضر نہیں اس لئے کہ اس کی انتہاء اور غایت یہ ہے کہ یہ حرف اسم کے ساتھ بھی مشابہ ہے لیکن اس مشابہت کا اعتبار نہیں کیا گیا کیوں کہ اس کا کوئی ثمرہ نہیں ہے پس جس طرح فعل منقسم ہے ثلاثی اور رباعی اور خماسی کی طرف اس طرح یہ بھی ثلاثی اور رباعی اور خماسی ہوئے چنانچہ ان میں سے ان اور ان اور لیت تین حرفی ہیں اور لعل اور کان چار حرفی اور لکن پانچ حرفی ۔ سوال ہوتا ہے کہ ان حروف کی مشابہت فعل کے ساتھ انقسام کے اعتبار سے ضعیف ہے چوں کہ یہ انقسام اسم کے اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے چوں کہ اسم ثلاثی اور رباعی اور خماسی ہوتا ہے اور فعل خماسی نہیں ہوتا ہے ۔ جواب انقسام سے یہاں مراد حروف اصلیہ اور زائد کے اعتبار سے انقسام مراد ہے اور فقط حروف اصلیہ کے اعتبار سے انقسام مراد نہیں ہے بلکہ اپنے تمام حروف کے اعتبار سے اقسام ثلثہ کی طرف منقسم ہے جیسے فعل اپنے تمام حروف کے اعتبار سے اب اس کا سداسی ہونا بھی اس مشابہت میں مضر نہیں ایسے ہی اسم کا بھی ان اقسام کی طرف منقسم ہونا اس سے زیادہ زیادہ یہ لازم آئے گا کہ ان حروف کو اسم سے بھی مشابہت ہے لیکن اس مناسبت سے کوئی ثمرہ اور فائدہ نہیں ۔ اس لئے یہ مشابہت اعتبار نہیں کی گئی اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ انقسام اسم میں نہیں ہے کیوں کہ اسم کا انقسام ان قسموں کی طرف حروف اصلیہ کے اعتبار سے ہے معلوم ہوگیا ان حروف کو فعل کے ساتھ مشابہت وزن کے اعتبار سے بھی ہے ۔

قولہ لبنائها ۔ اور دوسری مشابہت یہ ہے کہ فعل جس طرح فتحہ پر مبنی ہوتا ہے اسی طرح یہ حروف بھی فتح پر مبنی ہوتا ہے یعنی یہ حرف فی الجملہ فعل کے مانند ہیں جیسے ماضی پس اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ فعل مطلقاً مبنی علی الفتح ہوتا ہے ۔

قولہ فلان معانیها الخ اور معنی کے اعتبار سے ان حروف کو فعل کے ساتھ مشابہت ہے چنانچہ ان کے معانی افعال کے معانی ہیں

یعنی ان میں سے ہر ایک کے معانی جزئیہ اس میں مشابہ ہیں غرضیکہ حروف کے معانی جزئیہ معانی ہیں ایسے افعال کے معانی معانی جزئیہ ہیں چوں کہ افعال کے مفہوم میں فاعل معین کی طرف نسبت معتبر ہے پس ہوسکتا ہے کہ ان حروف کے معانی افعال کے معانی ہوں ۔

قولہ مثل اکدت الخ ماضی کے صیغوں کے ساتھ تعبیر کیا ہوں کہ یہ حروف انشاء کے لئے موضوع ہیں پس یہ افعال ماضیہ اپنے معانی کے تحقق پر دال ہے انشاء ہونے کی وجہ سے اور یہ حروف بھی اسی طرح ہیں ۔ سوال یہ حروف نصب اور رفع کا کیوں عمل کرتے ہیں جب کہ یہ فعل کے ساتھ مشابہت کی بنا پر عمل کرتے ہیں تو ان کو فعل کا عمل کرنا چاہئے تھا ۔ جواب فعل کا عمل فرعی یہ عمل ہے کہ منصوب مرفوع پر مقدم ہو اب جبکہ یہ حروف فعل کی فرع ہیں اس وجہ سے فعل کا فرعی عمل ان حروف کو دیدیا ۔

قولہ کان المناسب الخ مصنف کو مناسب یہ تھا کہ الاحرف المشبہۃ کہتا یہ نہ کہ الحروف المشبہۃ چوں کہ حرف کی دو جمع ہیں ایک جمع قلت اور ایک جمع کثرت جمع قلت وہ ہے جو اپنے مفرد کے کم از کم تین فرد اور زیادہ سے زیادہ دس فرد پر شامل ہو اور جمع کثیر کم از کم گیارہ اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں اور یہ کل چھ حرف ہیں ۔ لہذا حرف کی جمع قلت جو احرف ہے وہ لانی چاہئے نہ کہ جمع کثرت حروف ۔

وتمنيت وترجيت وكان المناسب ان يعبر عنها بالاحرف المشبهة على صيغة جمع القلة لكونها ستة لكنهم لما عبروا عن الحروف الجارة والعاطفة مثلا بصيغة جمع الكثرة لم يستحسنوا تغيير الاسلوب مع شيوع استعمال كل من صيغتى جمع القلة والكثرة فى الاخرى على انها اذا الوخطت مع فروعها الحاصلة بتخفيف نوناتها ولغات لعل تبلغ مبلغ جمع الكثرة وهى انّ وانّ وكانّ ولكنّ وليت ولعلّ اخرهما لكونهما للانشاء بخلاف الاربعة السابقة لها اى لهذه الحروف

تمنیت اور ترجیت (میں نے مؤکد کیا۔ میں نے تشبیہ دی۔ میں نے استدراک کیا۔ میں نے تمنا کی۔ میں نے امید کی) اور مناسب تھا کہ ان کو تعبیر کرتے احرف المشبہ کے نام سے جمع قلت کے وزن پر کیوں کہ چھ ہیں لیکن جب نحویوں نے حروف جارہ اور عاطفہ کی تعبیر مثلاً جمع تکثیر سے کی تو اسلوب بیان کا تبدیل کرنا اچھا نہیں سمجھا باوجودیکہ جمع قلت و جمع کثرت میں سے ہر ایک ایک دوسرے کی جگہ مستعمل و شائع ہے۔ اس کے علاوہ جب ان کا لحاظ ان کے فروع سے کیا جاتا.... جو ان کے نونات کی تخفیف (حذف) سے حاصل ہوتا۔ اور لعل میں لغات جمع کثرت کی حد کو پہونچی ہوئی ہیں اور وہ انَّ انَّ کانَّ اور لکنَّ، لیتَ، لعلَّ ہیں، ان دونوں کو مؤخر ذکر کیا کیوں کہ وہ انشاء کے لئے آتے ہیں بخلاف سابقہ چاروں کے، ان کے لئے یعنی

شارح رح کہتے ہیں کہ واقعی الاحرف المشبہۃ کہنا چاہیے تھا چوں کہ یہ کل چھ ہیں تو مصنف اس وجہ سے کہ اسلوب متغیر نہ ہو اس وجہ سے اس کو جمع کثرت کے صیغہ کے لائے چوں کہ حروف جارہ اور حروف عاطفہ ان کے کثیر ہونے کی وجہ سے ان کو جمع کثرت سے تعبیر کیا، پس مصنف نے اسلوب کی تغییر کو اچھا نہیں سمجھا اس وجہ سے باوجودیکہ حروف مشبہ چھ ہیں ان کو جمع قلت سے تعبیر کیا لیکن اس وجہ سے اس کو جمع کثرت سے تعبیر کر دیا باوجودیکہ جمع قلت اور جمع کثرت کے صیغوں میں سے ہر ایک صیغہ کا دوسرے صیغہ کی جگہ استعمال ہونا شائع اور مشہور ہے۔ تیسرا جواب شارح علیٰ انہا اذا الخ سے دیتا ہے کہ جب ان حروف کو ان کے اصول و فروع قسمیت اعتبار کر لیا جاوے جو فروع کہ ان کے نونوں کی تخفیف کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں اور لعل میں جو لغات ہیں کہ اس میں گیارہ لغت ہیں تو بھی یہ حروف جمع کثرت کو پہنچ جاتے ہیں پس اس اعتبار سے ان کو جمع کثرت سے تعبیر کرنا درست ہوگا۔ قولہ اخرہما۔ یعنی یہ حروف انَّ اور انَّ اور کانَّ اور لکنَّ اور لیت ولعلَّ ہیں ان میں سے لیت اور لعل کو باقی حرفوں سے مؤخر کر دیا حالاں کہ مناسب یہ تھا کہ اول ثلاثی ہوں پھر رباعی پھر خماسی پس سوال ہوا کہ مصنف نے ان دونوں کو باقی حرفوں سے کیسے مؤخر کر دیا جواب کی تقریر یہ ہے کہ ان دونوں کو مؤخر کرنا

اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ دونوں انشاء کے لئے ہے اور باقی حروف خبر کے لئے اور خبر اصل ہے انشاء کے اعتبار سے اس وجہ سے کہ جو حروف خبر کے لئے آتے ہیں وہ اصل ہیں اور جو حروف ان میں انشاء کے لئے ہیں وہ فروع ہیں اس بنا پر ان دونوں کو اول چاروں پر مقدم کر دیا کہ وہ خبر کے لئے آتے ہیں اور خبر کا انشاء کے واسطے اصل ہونا انشاء خبر سے بذریعہ اشتقاق حاصل ہوتا ہے جیسے امر کہ مضارع سے

مشتاق ہوتا ہے یا نقل کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جیسے بعت اور اشتریت ورنہ وجہ سے خبر کے اصل ہونے کی یہ ہے کہ خبر کو ایصال میں دخل ہے بخلاف انشاء کے کہ اس کو ایصال میں دخل نہیں ہے۔ قولہ لکونہما للانشاء یعنی چوں کہ لیت اور لعل دونوں انشاء کے واسطے ہیں بخلاف چار باقی کے چنانچہ وہ ایسے نہیں ہیں کیوں کہ اول تین تو بالکل انشاء کے لئے ہیں اور کانّ اگرچہ وہ انشاء تشبیہ کیلئے ہے

صدر الکلام وجوبا لیعلم من اول الامر انه ای قسم من اقسام الکلام اذ کل منها یدل علیٰ قسم منه کالکلام المؤکد والمشتمل علی التشبیہ والاستدراک والتمنی والترجی سوی ان المفتوحۃ فنہی بعکسها ای بعکس باقیها علیٰ حذف المضاف بان تقتضی عدم الصدارۃ لانها مع اسمها وخبرها فی تاویل المفرد فلابد لها من التعلق بشئ اٰخر حتی تتم کلاما وحینئذ لو وقعت فی الصدر

ان حروف کے لئے صدر کلام واجب ہے تاکہ اول وہلہ میں معلوم ہو جائے کہ یہ اقسام کلام میں سے کونسی قسم ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ قسم پر دلالت کرتا ہے جیسے کلام مؤکد وہ کلام جو تشبیہ پر مشتمل ہے اور استدراک پر اور تمنی و ترجی پر علاوہ انّ مفتوحہ کے کہ وہ ان کے برعکس ہے یعنی ما بقی کے برعکس ہے حذف مضاف پر کہ وہ عدم صدارت کا تقاضا کرتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے اسم و خبر کے ساتھ مفرد کی تاویل میں ہوتا ہے پس اس کے لئے کسی دوسرے کے ساتھ متعلق ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کلام تام بن سکے اور اس صورت میں اگر وہ (انّ) شروع کلام میں مذکور ہو تو ان مکسورہ

لیکن یہ ظن اور تحقیق اور تقریب کیلئے آتا ہے اور انشاء اخبار کی فرع ہے اس وجہ سے اس کو مؤخر کر دیا۔

قولہ صدر الکلام یعنی ان حروف کے واسطے صدر کلام ہے کلام سے بیان پر کلمہ کا مقابل ہے پس اس کا یہ مطلب ہوا کہ حروف ایسے مرکب تام کے شروع میں واقع ہوتے ہیں جس پر سکوت درست ہو پس اس وقت ان مفتوحہ کی استثنا درست ہوگی جیسا کہ اس کی طرف شارح نے اشارہ کیا آنے والی عبارت میں فلابد لہا من التعلق بشئ اٰخر پس اس سے

وہ اعتراض دور ہو گیا کہ جو اس مقام پر کیا جاتا ہے اگر صدر کلام سے یہ مراد ہے کہ یہ حروف صدر کلام پر داخل ہوتے ہیں تو ان مفتوحہ کی استثناء کے کوئی معنی نہیں اور اگر صدر کلام سے مقصود لذاتہ کلام ہے تو اس جملہ سے اعتراض واقع ہوتا ہے جو اس ان سے شروع کیا گیا ہو جو قول کا مقول اور قولہ تعالیٰ الا انہم ہم السفہاء اور ہمارے قول جاء فی الذی انہ قائم اور ہمارے قول امایوم الجمعۃ فان زیدقائم غرضیکہ ان اقوال سے اعتراض وارد نہ ہوگا غرضیکہ

ان حروف کے واسطے صدر کلام ہے وجوباً شارحؒ نے وجوباً اس وجہ سے کہا تاکہ کوئی اس حکم کو جواز پر حمل نہ کر سکیں جیسا کہ قولہ بہا سے توہم ہوتا ہے کیوں کہ ان کے قول لک کی تقدیر جاز لک سے کی جاتی ہے۔ قولہ لیعلم من اول الامر شارح کا یہ قول اس سوال کا جواب ہے کہ ان حروف کو صدارت کلام کیوں واجب ہے پس شارح نے فرمایا کہ ان حرفوں میں سے ہر ایک کلام کے اقسام میں سے ایک ایک قسم پر دلالت کرتا ہے چنانچہ اِنّ اور انّ کلام مؤکد ہونے پر دلالت کرتا ہے اور کانّ اس کلام پر دلالت کرتا ہے جو تشبیہ پر مشتمل ہو اور لکنّ اس کلام پر دلالت کرتا ہے جس سے دفع وہم کیا جائے اور لیت اس کلام پر داخل ہوتا ہے جو تمنی پر مشتمل ہے اور لعل اس کلام پر دلالت کرتا ہے جو ترجی پر مشتمل ہے اس وجہ سے واجب اور ضروری ہے کہ ان حرفوں کو جملہ میں مقدم رکھیں تاکہ سامع اول وہلہ میں جان لے کہ متکلم نے کلام کی انواع میں سے فلاں نوع میں کلام کو شروع کیا ہے اور یہ علم اولاً ہی سامع کی حیرت اور توہم دور کرنے کے واسطے واجب ہوا کہ جس معنیٰ کا متکلم ارادہ کیا ہے اس کے غیر پر حمل نہ کر سکے یعنی جس معنیٰ کا متکلم نے ارادہ کیا اس کا غیر مراد نہیں ہے۔

قولہ کالکلام المؤکد پس انّ اور اِنّ دونوں دلالت کرتے ہیں اس کلام پر جو تاکید پر مشتمل ہے اور یہی حال باقی کا ہے جیسا کہ گذرا۔

قولہ بعکس باقیہا یعنی بعکسہا کی ضمیر مضاف الیہ

ذات کی طرف لوٹ سکتی ہے اور نہ حروف مشبہ کی طرف پس شارح نے بتایا کہ یہ ضمیر باقی کی طرف راجع ہے جو مضاف اس ضمیر کا ہے یعنی ان مفتوحہ صدارت کلام کا تقاضا نہیں کرتا اس کے علاوہ اور باقی صدارت کلام کا تقاضا کرتے ہیں۔

قولہ لانہا یعنی ان مفتوحہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر مفرد کی تاویل میں ہے یہ ایک اعتراض کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ صدارت کلام سے صدارت مطلق کلام ہے یا اس کے کلام کی صدارت مراد ہے اگر اول مراد ہے تو وہ باطل ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اگر یہ مراد ہے کہ اپنے کلام کی صدارت تو ان مفتوحہ بھی اپنے کلام کی صدارت کو مقتضی ہے اور اگر صدارت کلام سے ایسے کلام کی صدارت مراد ہے کہ وہ مقصود بالذات ہے تو اس وقت تعریف تمام نہیں ہے کیوں کہ دلیل صرف اپنے کلام کی صدارت پر دلالت کرتا ہے دوسرے جاء نی زید ان عمراً قاعدٌ اور قال زید ان عمراً ذاطل سے بھی یہ منتقض ہوتا ہے پس شارح نے تیسری شق اختیار کر کے جواب دیا اور اس کا انکار کر دیا کہ ان مفتوحہ اپنے مدخول کا کلام ہے بلکہ وہ اپنے مدخول کا مفرد ہے یعنی ان مفتوحہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر مفرد کی تاویل میں ہے اس وجہ سے کسی اور شئے کے ساتھ اس کا تعلق ضروری ہے یہاں تک کہ کلام پورا ہو اور اس وقت جبکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی دوسری شئی کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو تو اس

اشتبهت بان المكسورة في صورة الكتابة وانما حملنا العكس على اقتضاء عدم الصدارة لا على عدم اقتضاء الصدارة لان

کے ساتھ لکھنے کی صورت میں مشابہ ہو جائے گا اور ہم نے حمل کیا ہے عکس کو عدم صدارت کے اقتضاء پر نہ کہ عدم اقتضاء الصدارت پر کیوں کہ صرف استتار ہی ان میں

وہ ان مفتوحہ کلام کے صدر میں واقع ہو تو ان مکسورہ کے ساتھ صورت کتابت میں مشتبہ ہو جائے گا اس سے سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ اس کا دوسری شیئ کے ساتھ متعلق ہونا اس کے متاخر ہونے کو مستلزم نہیں ہے نہ عدم صدارت کو کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس پر مقدم ہو جس کے ساتھ وہ متعلق ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ التباس صرف التباس فی الکتابت پر محمول ہے تلفظ میں التباس کے باوجود کیوں کہ فتحہ سے ذہن کا ہونا ممکن ہے اس کے خفی ہونے کی وجہ سے چوں کہ اس کو مبتدا کی بحث میں ذکر کر دیا گیا تھا اس وجہ سے شارح نے یہاں ذکر نہیں کیا۔

قولہ انما حملنا الخ۔ ہم نے عکس کو نہ صدارت کے چاہنے پر حمل کیا اور صدارت کے نہ چاہنے پر حمل نہیں کیا۔ معلوم ہو کہ عکس کا بیان دو طریق سے ہے ایک یہ ہے کہ دوسرے حروف کلام کی صدارت کا تقاضا کرتے ہیں اور ان مفتوحہ صدارت کلام کا تقاضا نہیں کرتا ہے دوسرے معنی یہ ہیں کہ دوسرے حروف صدارت کلام کا تقاضا کرتے ہیں اور ان مفتوحہ عدم صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے اور یہی

معنی قولہ بعکسہا سے مقصود ہیں یعنی ان مفتوحہ ان باقی حرفوں کے برعکس ہے اس طور پر کہ یہ عدم صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے۔

قولہ لان مجرد الاستتار الخ یعنی محض استتار اس میں کافی ہوتی ہے یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مقام میں عکس سے اول معنی متبادر ہوتے ہیں کیونکہ قولہ لہا صدر الکلام سے معلوم ہوا کہ یہ حروف صدارت کلام کا تقاضا کرتے ہیں پس قولہ فی بعکسہا سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ ان مفتوحہ صدارت کلام کا تقاضا نہیں کرتا ہے اور یہ متبادر نہیں ہوتا ہے کہ ان مفتوحہ اس طریقہ کے برعکس ہے کہ وہ عدم صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے پس شارح قولہ بان تقتضی عدم الصدارۃ الخ سے اسی کا جواب دیا ہے کہ اگر عکس سے اول معنی مراد لیں جیسا کہ قولہ فی بعکسہا سے متبادر ہے تو اس وقت قولہ فی بعکسہا کا مستدرک ہونا لازم آتا ہے چوں کہ اس معنی کے ادا کے واسطے قولہ سوی ان کافی ہے اور کلام میں اصل افادہ اور اعادہ غیر اصل اور حاصل یہ ہے کہ قولہ سوی ان یہ معنی رکھتا ہے کہ ان مفتوحہ کے واسطے صدارت کلام نہیں ہے اور

مجرد الاستثناء یکفی فی ذلك وتلحقها ای هٰذه الحروف ما الکافة فتلغی ای تعزل هٰذه الحروف عن العمل لمکان ما الکافة علی الافصح ای علی افصح اللغات مثل انما زید قائمٌ وقد تعمل علی غیر الافصح کما وقع فی بعض اشعارهم وتدخل

کافی ہے اور لاحق ہوتا ہے ان کو یعنی ان حروف کو ما کافہ پس لغو ہو جاتا ہے یعنی یہ حروف عمل سے خارج ہو جاتے ہیں ما کافہ کے آجانے کی وجہ سے فصیح قول کی بنا پر یعنی لغاتِ فصیحہ میں جیسے انما زید قائمٌ اور غیر فصیح لغت میں عمل کرتے ہیں جیساکہ ان کے بعض اشعار میں اس کا استعمال موجود ہے اور داخل ہوتے ہیں یہ

صدارتِ کلام کا تقاضا نہیں کرتا ہے پس جب مصنفؒ نے اس کے بعد قولہٗ بعکسہا زیادہ کیا تو معلوم ہوا کہ مصنفؒ کی اس سے مراد اخیر معنی ہے نہ اول معنی پس عکس کو اس معنی میں حمل کر لیا کہ ان عدم صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے سوال ان دو مفہوم یعنی صدارت کو نہ چاہنا اور نہ صدارت کو چاہنا ان دونوں مفہوم میں کیا فرق ہے جواب ان دونوں مفہوموں کے درمیان عموم خصوص مطلق ہے اول مفہوم (صدارت کلام کا تقاضا نہ کرنا) دوسرے مفہوم (نہ صدارت کلام کا تقاضا کرنا) عموم خصوص مطلق ہے اول مفہوم اعم مطلق ہے اور دوسرا مفہوم اخص مطلق ہے چونکہ ہر وہ چیز کہ اس میں صدارت کا اقتضاء نہیں ہے یعنی صدارت کا تقاضا نہیں کرنا جائز ہے کہ وہ کبھی صدر کلام واقع ہو جاوے اور کبھی نہ ہوئے اور وہ چیز کہ اس میں نہ صدارت کا چاہنا ہے یعنی عدم صدارت کا تقاضا کرتا ہے

لازم اور واجب ہے کہ صدر کلام میں واقع نہ ہوئے اس لئے کہ صدارت کا تقاضا کرتا ہے اور مقتضیٰ (بالفتح) مقتضی (بالکسر) سے جدا نہیں ہوتا ہے پس دو ضمیریں بہا اور عکسہا مماثل ہیں ان دونوں ضمیروں میں مماثلت کی حفاظت کی ورنہ عکسہا کی ضمیر کا اس کی طرف لوٹنا جو استثناء کے بعد باقی رہا ان حروف سے ممکن تھا۔

قولہ ہذہ الحروف یعنی ان حرفوں کے ساتھ جمہور کے نزدیک ما کافہ لگتی ہے تو اس وقت یہ حروف ملغیٰ ہو جاتے ہیں یعنی حروف ما کافہ کی وجہ سے عمل سے الگ ہو جاتے ہیں اور ان کا یہ عمل نہ کرنا افصح مقامات پر ہے جیسے انما زید قائمٌ اور غیر افصح مقامات پر بھی کبھی عمل کرتے ہیں شارح رحؒ نے قولہ ہذہ الحروف سے ضمیر مفعول تلحقہا کا مرجع بیان کر دیا تا کہ ان کی طرف یا ما سویٰ ان کی طرف لوٹنے کا وہم نہ کیا جا سکے اور شارح ما کے بعد الکافہ صفت مقدر کی

تا کہ ما کی لحوق الغا ط کے لئے سبب ہونا درست ہو جاوے اور قولہ لمکان ما الکافہ میں مکان مصدر میمی الوجود کے معنی میں ہے یعنی ایسی ما کے موجود ہونے کی وجہ سے جو عمل سے روکنے والی ہے چوں کہ وہ عامل ضعیف اور اس کے معمول کے درمیان فاصل ہے اور قولہ علی افصح اللغات سے شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور شارح نے تلغی کا ترجمہ تعزل سے کیا یہ الغاء سے جو معنی مراد ہیں اس کو بیان الغاء کے معنی بیکار کرنا اور عزل کے معنی جدا کرنا ہے۔

قولہ کما وقع فی بعض الخ جیساکہ ان کے (عرب کے) بعض اشعار میں واقع ہے چنانچہ نابغہ کے بیت میں روایت کیا جاتا ہے

سہ الا لیتما ہذہ الحمام لنا
الی حمامنا ونصفہ فقدی

حمام کا رفع اور حمام کے نصب دونوں کے ساتھ مروی ہے غرضیکہ یہ حروف عمل میں ضعیف ہیں چوں کہ یہ حروف مشابہت کی بنا پر عمل کرتے ہیں پس فصل کے ہوتے ہوئے یہ عمل نہیں کر سکتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ما کافہ ان کے ساتھ لگ گئی اور جزء کے مانند ہو گئی تو اس وقت ان حروف کی مشابہت فعل کے ساتھ ضعیف ہو جاتی ہے چوں کہ ان حروف کی بناء فتح پر نہیں رہتی ہے۔

قولہ وتدخل ہذہ الحروف۔ اور اسوقت یہ حروف جبکہ ان کے ساتھ ما کافہ لگ جاتی ہے تو یہ افعال پر بھی داخل ہو جاتے ہیں حینئذ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے

هذه الحروف حينئذٍ اى حين اذ تلحقها ما على الافعال لان ما الكافة اخرجتها عن العمل فلا يلزم ان يكون مدخولها صالحا للعمل فان المكسورة لا تغير معنى الجملة ولا تخرجها عن كونها جملةً فاذا قلت ان زيداً قائم افدت ما افدت بقولك زيد قائم مع زيادة التاكيد وان المفتوحة مع جملتها اى مع اسمها وخبرها اسمها جملة باعتبار ما كانت عليه قبل دخولها عليها فى حكم المفرد ومن ثمّ اى ومن اجل الفرق

حروف اس وقت یعنی اس وقت جبکہ ان کو ما کافہ لاحق ہوتا ہے افعال پر اس لئے کہ ما کافہ نے ان کو عمل کرنے سے خارج کر دیا ہے پس لازم (ضروری) نہیں ہے کہ ان کا مدخول عمل کرنے کی صلاحیت رکھے پس انّ مکسورہ جملہ کے معنی کو تبدیل نہیں کرتا اور نہ جملہ ہونے سے اس کو خارج کرتا ہے پس جب تو نے ان زیداً قائم کہا تو تو نے فائدہ پہونچایا وہ جو تو نے اپنے اس قول زیدٌ قائم سے فائدہ پہونچایا تاکید کی زیادتی کے ساتھ۔ اور انّ مفتوحہ مع اپنے جملے کے یعنی مع اپنے اسم وخبر کے اور اس کا نام جملہ اس اعتبار سے رکھا ہے کہ اسم وخبر پر اس کے داخل ہونے سے پہلے یہ تھے (یعنی جملہ تھے) مفرد کے حکم میں اور اسی رہا تھا لیکن ان کے داخل ہونے کے بعد ایک امر زائد کا فائدہ حاصل ہو گیا یعنی تاکید پس زیادہ کی اضافت التاکید کی طرف بیانیہ ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ قولہ مع زیادۃ التاکید کے یہ معنی ہوں کہ وہ ان اس تاکید کے چند در چند کرنے کے ساتھ ہوتا ہے جو کہ ان سے مفہوم ہوئی یعنی خود جملہ اسمیہ تاکید کا فائدہ کرتا ہے ان کے دخول سے جو تاکید کے لئے ہوتا ہے اس تاکید جملہ اسمیہ سے حاصل ہو رہا ہے اس کو زیادہ کر دیتا ہے کیوں کہ زید قائم بھی تاکید ہے چنانچہ مطول میں کہا کہ جملہ اسمیہ ہونا جملہ تاکید سے ہے۔

قولہ سماہا جملۃ۔ یعنی ان مفتوحہ اپنے جملہ سمیت مفرد کے حکم میں ہے یعنی ان مفتوحہ اپنے اسم اور اپنی خبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہے ان کے مدخول کو جملہ کہنا اس اعتبار سے ہے کہ جس پر ان کے داخل ہونے سے پہلے تھا پس شارح کی عبارت سماہا جملۃ اس سوال کا دفعیہ ہے جس کی یہ تقریر ہے کہ ان بفتح الہمزہ اپنے اسم اور اپنی خبر سے مل کر مفرد کی تاویل

اور وہ مضاف تلحقہا ما ہے اسی کی طرف شارح نے قولہ حین اذ تلحقہا ما سے اشارہ کیا ہے۔ قولہ لانہا یعنی ما کے لاحق ہونے پر ان کا افعال پر داخل ہونا اس لئے ہے کہ ما کافہ نے ان کو عمل سے خارج کر دیا ہے چوں کہ ان کیا تھ جب ما لگتی ہے اور وہ ان سے جز کے مانند ہو گئی تو ان کی مشابہت فعل کیا تھ ضعیف ہو گی چوں کہ اس وقت وہ فتح پر مبنی نہیں رہے اس وجہ سے بھی لازم نہیں رہا کہ ان کا مدخول عمل کے واسطے صالح ہو۔ قولہ فان لاتغیر الخ جب مصنفؒ اول احوال کے بیان سے فارغ ہو گئے جو ان تمام حرفوں میں مشترک ہے تو اب اول احوال کے بیان میں شروع کر دیا جن کے ساتھ ان حرفوں میں سے ہر حرف مختص ہے پس فان میں فا تفسیر کے واسطے ہے پس ان مکسورہ جملہ کے معنی کو متغیر نہیں کرتا ہے یعنی جملہ کو اس فائدہ تامہ دینے سے خارج نہیں کرتا ہے کہ جو فائدہ جملہ ان کے داخل ہونے سے پہلے دیتا ہے چنانچہ تم جب ان زیداً قائم کہو تو یہ وہی فائدہ دے رہا ہے جو کہ زید قائم سے حاصل ہو رہا ہے لیکن اس کے ساتھ تاکید کا اور مزید فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ شارحؒ لاتغیر الجملہ کی تفسیر قولہ تخرجہا سے کی یعنی ان مکسورہ جملہ کو اس کے جملہ ہونے سے نہیں نکالتا ہے چوں کہ ان جملہ کے معنی کو متغیر کر دیتا ہے اس اعتبار سے کہ اس کہ مضمون کو تاکید کے ساتھ مقارن کر دیتا ہے۔ قولہ افدت ان زیداً قائم جو فائدہ دے رہا ہے وہی فائدہ زید قائم دے

المذكور وجب الكسر في موضع الجمل اي في موضع يقتضي الجمل ووجب الفتح في موضع المفرد اي في موضع يقتضي المفرد فكسرت ان ابتداءً اي في ابتداء الكلام لكونه موضع الجملة نحو ان زيداً

وجہ سے یعنی مذکورہ بالا فرق کی وجہ سے جملوں کے موقعہ پر کسرہ واجب ہے یعنی ان مقامات پر کہ جو جملہ ہونے کا تقاضا کرتے ہیں اور واجب ہے موضع مفرد میں یعنی اس مقام پر کہ جو مفرد ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس کسرہ دیا جاتا ہے ان کو ابتداء کی وجہ سے یعنی ابتداء کلام میں اس لئے کہ وہ موضع جملہ میں واقع ہے جیسے ان زیداً

میں ہوتا ہے پس اس کے بعد جملہ واقع نہیں ہوتا لہٰذا قولہ ان مع جملتہا کیسے درست ہوگا۔ جواب کی تقریر یہ ہے ان بفتح الہمزہ کے مدخول کا جملہ نام رکھنا اس پہلی حالت کے اعتبار سے ہے جو ان کے داخل ہونے کے پہلے تھی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حالت کے اعتبار سے ہو کہ جب ان کو حذف کردیں تو اس کا مدخول جملہ ہوتا ہے چوں کہ جب ان کو حذف کر دیا جائے گا تو اس وقت باقی جملہ ہوگا کیوں کہ مانع صرف ان ہے۔

قولہ فی موضع یقتضی الجمل یعنی ان کو اسی وجہ سے کہ ان مکسورہ جملہ کے معنی کو متغیر نہیں کرتا ہے اور ان مفتوحہ متغیر کرتا ہے اس جگہ ان کو کسرہ واجب ہوگیا کہ وہ کلمہ جملہ کو چاہتی ہے یعنی جب کہ وہ مع اپنے مدخول کے جملہ کی جگہ واقع ہو اور جملہ کے قائم مقام ہو۔ اب اس پر یہ سوال واقع ہوگا کہ ان فا جزائیہ کے بعد واقع ہوتا ہے اور اذا مفاجاۃ کے بعد واقع ہوتا ہے حالاں کہ ان دونوں جگہوں میں ان کو کسرہ واجب نہیں باوجود اس کے کہ ان دونوں جگہوں کا ما بعد جملہ نہیں ہے جواب اس سے یہ مراد ہے کہ جملہ کی جگہ میں کسرہ واجب ہوتا ہے اس وقت کہ وہ ان مع اپنے مدخول کے جملہ کی جگہ میں ہو اور جملہ کی جگہ میں قائم ہو اور جبکہ اس کو اپنے مدخول سمیت اذا مفاجاتیہ کے بعد مفتوح پڑھتے ہیں اس وقت میں وہ ان مفتوح اپنے مدخول سمیت جملہ کے قائم مقام نہیں ہے بلکہ جملہ کے جزء کے قائم مقام ہے ایسے ہی علمیت کے بعد بھی کسرہ واجب نہیں ہے بلکہ فتحہ واجب ہے حالاں کہ وہاں جملہ کی جگہ میں اور جملہ کے قائم مقام ہے لیکن جو جملہ کے بعد واقع ہوتا ہے وہ بحسب الصورۃ مفتوح ہے لیکن معنی کے اعتبار سے مکسور ہے جیسا کہ آئندہ انشاء اللہ اس کی تحقیق آئے گی

قولہ والفتح موضع المفرد یعنی اسی وجہ سے کہ ان جملہ کے معنی کو متغیر کرتا ہے تو ایسی جگہ میں جو جگہ کہ مفرد کو چاہتی ہے فتحہ واجب ہوتا ہے الفتح کا عطف الکسر پر ہے اور ہر دو وجب کا فاعل ہے اسی وجہ سے شارح نے وجب مقدر کیا اور

قولہ من اجل الخ سے اشارہ کردیا کہ من اجل کے معنی میں ہے ثم اسم ہے مکان کی طرف اس سے اشارہ ہے یعنی اس علت کی طرف سے جو مذکور ہوئی۔

قولہ فی ابتداء الکلام شارح نے اس سے اشارہ کیا کہ ابتداءً خافض کی نزع پر منصوب ہے نیز اس طرف اشارہ کیا کہ ابتداءً میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور فی ابتداء الکلام کے معنی ہے اول کلام متکلم یعنی متکلم کے کلام کے شروع میں نہ کلام کے درمیان اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں متکلم کے تکلم کے شروع میں اس بناء پر کہ کلام بمعنی تکلم ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں فی اول ما تکلم بہ یعنی اس کے شروع میں جس کے ساتھ کلام کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ما بعد مستانف کلام ہو۔ اعراب کے اعتبار سے ما قبل کے ساتھ کچھ تعلق نہ ہو۔

قولہ لکونہ موضع الجملۃ۔ شارح کا یہ قول اس سوال کا جواب ہے کہ ابتداء کلام میں کسرہ کیوں واجب ہوتا ہے۔ شارح جواب دیتے ہیں کہ ابتداء کلام موضع جملہ ہے کیوں کہ مفردات کے ساتھ کلام کرنا ابتداء میں اس کے بغیر کہ اس کا تکلم جملہ میں ہو باطل ہے اس لئے کہ مفرد فائدہ تام نہیں دیتا ہے پس اگر ابتداء کلام میں اس کو فتحہ پڑھیں تو مفرد کے ساتھ ابتداء لازم آتی ہے چوں کہ ان مفتوح مع اسم و خبر کے مؤولاً مفرد ہے سوال یہ مسلم ہے کہ ابتداء کلام موضع جملہ ہے لیکن تنہا یہ مقدمہ فتح کے چاہنے

میں کافی نہیں ہے اس لئے کہ انک قائم عندی کے مثل میں اگر ان کو مفتوح پڑھیں تو مانع نہیں ہے کیوں کہ ابتداء کلام میں مفرد کے ساتھ تکلم کرنا لازم نہیں آتا ہے کیوں کہ انک قائم عندی جملہ ہے مگر مذکورہ مقدمہ کے ساتھ صدر کلام میں مفتوحہ کا ممتنع ہونا اس کو ملالیں اس وجہ سے اس مقدمہ کے ساتھ اس کا اعتبار کرنا ضروری ہوا ۔

جواب تنہا یہ ضمیمہ ابتداء کلام میں کسرہ کے وجوب میں مستقل اور کافی ہے اور اس کی ضرورت نہیں کہ ہم یہ اعتبار کریں ابتداء کلام موضع جملہ ہے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تنہا وہ جملہ جو ان کے ساتھ مصدر ہے اگر ابتداء کلام میں واقع ہو تو اسکا کسرہ واجب ہوتا ہے جوں کہ جملہ کا موضع ہے اور مذکور مثال میں تنہا وہ جملہ جو کہ ان کے ساتھ شروع کیا گیا کلام کے ابتداء میں واقع نہیں ہوا ہے، بلکہ اپنے مابعد کے ساتھ کلام کے ابتداء میں ہے ۔

قولہ مایشتق منہ الخ یعنی ان قول اور قول کے مشتقات کے بعد واقع ہو کیونکہ قول کا مقولہ صرف جملہ ہی ہوتا ہے اور مفرد نہیں ہوتا، جیسے قال زید ان عمراً قائم اعتراض اخصک بالقول انک فاضل کے مثل میں ان قول کے بعد ہے حالاں کہ یہ مکسور نہیں بلکہ مفتوح ہے ۔ جواب یہ مراد ہے کہ ان اپنے اسم اور خبر کے ساتھ خود قول کا مقولہ واقع ہو رہا ہو اس وقت کسرہ واجب ہے اور مذکورہ مثال میں قول کا مقولہ نہیں بلکہ اس مثال میں ان تعلیل کے واسطے ہے اخصک بالقول لانک

قائم وكسرت ايضاً بعد القول وما يشتق منه لان مقول القول لا يكون الا جملة نحو قال زيد ان عمراً قائم وكسرت ايضاً

قائم اور نیز کسرہ دیا جاتا ہے قول کے بعد اور جو اس سے (قول سے) مشتق ہوں، اس لئے کہ قول کا مقولہ نہیں ہوتا مگر جملہ جیسے قال زید ان عمراً قائم اور کسرہ دیا جاتا ہے نیز

فاضل اور جس صورت میں انک فاضل قول سے بدل ہوئے پس اس وقت میں اس کا کسرہ واجب ہے پس شارح کے مایشتق منہ الخ سے شارح ہندی کے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں چنانچہ شارح ہندی نے کہا اگر یہ ان قال اور یقول اور ان دونوں کے غیر کے بعد واقع ہو جو ایسے مصدر کے مادہ سے نحو جو قول ہو تو یہی وہ ان مکسور ہوتا ہے ۔ جواب کی تقریر یہ ہے کہ مراد قول اور وہ ہے جو قول سے مشتق ہو پس وہ اصل کے ذکر کے ساتھ کافی ہے یعنی قول جو اصل ہے اس کا ذکر کافی ہے مشتقات کے ذکر کی حاجت نہیں ۔

قولہ لان مقول القول ۔ شارح نے اس سے اشارہ کیا ان کے قول کے بعد ہونے سے علت یہ ہے کہ وہ قول کا مقولہ ہو اور محض قول کے بعد واقع ہونا کسرہ کو واجب نہیں کرتا ہے کیوں کہ اگر قول کے بعد تعلیل کے واسطے ہو تو ان کو باوجود قول کے بعد ہونے کے فتحہ واجب ہو گا جیسے اخصک بالقول انک فاضل یعنی لانک فاضل ، سوال اگر یہ کہا جاوے کہ قول کا مقولہ جملہ ہوتا ہے اور مفرد نہیں ہوتا حالانکہ قلت حدیثاً اور قلت قصۃً اور قلت کلمۃً ان سب مثالوں میں مقولہ مفرد ہے جواب ہمارے اس قول سے کہ قول کا مقولہ جملہ ہوتا ہے اور مفرد نہیں رہتا یہ ہے کہ جس پر قول یعنی تکلم واقع ہو رہا ہے اگر اس سے معنی مراد ہے تو وہ صرف جملہ ہوگا حقیقۃً یا حکماً کیوں کہ ما استقلال کلام کے ساتھ کلام کرنا باطل ہے، حدیث، قصہ، کلمہ مذکورہ مثالوں میں قول کا مقولہ مذکور معنی میں نہیں کیوں کہ حدیث اور قصہ پر تکلم واقع ہو رہا ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک مقولہ کا معبر ہے اور خود مقولہ نہیں اور کلمہ پر اگرچہ تکلم واقع ہے لیکن اس سے معنی مراد نہیں ہے بلکہ لفظ ہے پس یہاں سے معلوم ہو گیا کہ قول کا مقولہ مفرد واقع ہوتا ہے اگر وہ جملہ کے معنی کو ادا کرنے والا ہو جیسے قلت حدیثاً وقصۃً یا اس سے محض لفظ مراد ہو جیسے قلت کلمۃً لیکن اس قول کا مقولہ اس پر تکلم واقع ہو رہا ہے جملہ ہوتا ہے سوال ۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ قول کا مقولہ جملہ ہوتا ہے لیکن قول کے مقولہ کا جملہ ہونا قول کے بعد فتحہ کے واسطے مانع نہیں ہے جیسے قال زید انک عندی ۔ جواب یہ کلام

بعد الاسم الموصول لان صلۃ الموصول لا تکون الا جملۃ نحو جاء فی الذی ان اباہ قائم وفتحت ان حال کونہا مع جملتہا فاعلۃ نحو بلغنی ان زیدا عالم لوجوب کون الفاعل مفردا وحال کونہا مع جملتہا مفعولۃ نحو کرھت ان زیدا شاعر لوجوب کون المفعول مفردا وحال کونہا مع جملتہا مبتدءا نحو عندی انک فاضل لوجوب کون المبتداء مفردا وحال

اسم موصول کے بعد اس لئے کہ موصول کا صلہ نہیں ہوتا مگر جملہ جیسے جاء فی الذی ان اباہ قائم اور فتحہ دیا جاتا ہے انّ اس حال میں کہ وہ اپنے جملہ کے ساتھ واقع ہو فاعل ہونے کی بنا پر جیسے بلغنی ان زیداً عالمٌ کیوں کہ واجب ہے کہ فاعل مفرد ہو اور جملہ کے ساتھ ہونے کی حالت میں مفعول ہونے کی بنا پر جیسے کرہتُ ان زیداً شاعرٌ کیوں کہ واجب ہے کہ مفعول مفرد ہو اور اس کے جملہ ہونے کی حالت میں اس حال میں کہ وہ مبتدا ہو جیسے عندی انک فاضل اسلئے مبتداء کا مفرد ہونا واجب ہے اور اس حال

اس صورت میں کہ جملہ جو ان سے شروع کیا گیا تنہا قول کا مقولہ ہو اور مذکور مثال میں قول کے مقولہ کا جزء ہے۔

قولہ بعد الاسم الموصول یعنی جب یہ انّ موصول کے بعد واقع ہو تو اس وقت بھی ان کسرہ دیا جاتا ہے چوں کہ موصول کا صلہ حرف جملہ ہوتا ہے شارح الموصول کا موصوف الاسم مقدر کیا کیوں کہ اسم موصول حرفی اور وہ ما ہے اس کے بعد ان کا مکسورہ ہونا واجب نہیں ہے ایسے ہی اسم موصول کے بعد واقع ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ جملہ جو ان سے شروع کیا گیا ہو موصول کا تنہا صلہ واقع ہو نہ کہ صلہ کا جزء اور اس مثال جاء فی الذی انہ قائم عندک میں صلہ کا جزء ہے نہ صلہ۔

قولہ فتحت اس کو دو طریقہ پر پڑھا جاتا ہے ایک تو صیغۂ غائب پر اس وقت اس میں ضمیر مؤنث ہوگی جو ان کے طرف راجع ہوگی دوسرے یہ کہ اس کو مخاطب کے صیغہ پر پڑھا جاوے اس وقت اس کا مفعول بہ یعنی ان محذوف ہوگا۔ اول پر معنی ہے کہ ان فتحہ دیا جاتا ہے اور ثانی پر معنی ہے کہ تو ان کو فتحہ دے اور قول شارح حال کونہا الخ سے یہ بتانا ہے کہ ان سے حال واقع ہو رہا ہے اور مع جملتہا اس وجہ سے کہا کہ اس سے شارح ہندی نے جو کہا اس کو دفع کرنا ہے۔ شارح ہندی نے کہا کہ ان حرف ہے پس وہ نہ

فاعل واقع ہو سکتا ہے اور نہ مفعول اور نہ وہ شئی جو ان دونوں کا غیر ہو کیوں کہ فاعل اور مفعول صرف اسم ہوتے ہیں پس اسکا فاعل اور مفعول وغیرہ کیسے درست ہوگا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ان مع مدخول جملہ سمیت مفرد کے تاویل میں ہو کر اسم ہو جاویگا پس اس وقت اس کا فاعل وغیرہ بننا درست ہوگا مطلب یہ ہوا کہ ان جس وقت اپنے جملہ کا فاعل واقع ہو ایسے ہی اپنے جملہ مدخول کا مفعول واقع یا اپنے مدخول جملہ کا مبتدا ہو یا اپنے مدخول جملہ کا مضاف الیہ ہو تو ان سب صورتوں میں ان کو بفتح الہمزہ پڑھا جاویگا چوں کہ یہ سب مقام مفرد کے ہیں۔

قولہ لوجوب الخ یعنی ان میں ہمزہ کا فتح واجب ہے کیوں کہ فاعل صرف مفرد ہوتا ہے جملہ نہیں ہوتا اور فاعل مفرد صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ فاعل اسم ہے اور اسم مفرد ہے یہی حال مفعول اور مبتدا اور مضاف الیہا کا ہے اور شارح کا قول لوجوب کون الفاعل مفردا اور اسی طرح قولہ لوجوب کون المفعول مفرداً یہ دلیل کی کبرائیں ہیں اور ان کی صغریٰ محذوف ہے معلوم ہو کہ مصنف کے قول فتحت فاعلہ میں تسامح ہے اس لئے کہ مصنف نے ان کو فقط فاعل گردانا ہے اور تسامح کی وجہ یہ ہے کہ کلمۂ ان کا مابعد اور اس ان کے سبب سے فاعل اور مفعول وغیرہ ہونے کے قابل اور صالح ہو جاتا ہے اس وجہ سے کلمہ ان وغیرہ پر فاعلیت کا حکم کر دیا۔

کونہا مع جملتہا مضافا الیہا نحو اعجبنی اشتہار انک عالم لوجوب کون المضاف الیہ مفرداً وقالوا لولا انک بفتح الہمزۃ بعد لولا الامتناعیۃ لانہ ای مابعد لولا الامتناعیۃ مبتداً وکون المبتداء مفرداً واجب نحو لولا انک منطلق انطلقت وکذلک بعد لولا التحضیضۃ لانہا مع اسمہا وخبرہا بعدہا معمول للفعل الواجب دخول لولا التحضیضیۃ علیہ نحو لولا

ہیں کہ وہ جملہ کے ساتھ مضاف الیہ ہو جیسے اعجبنی اشتہار انک عالم اس لئے کہ مضاف الیہ کا مفرد ہونا واجب ہے اور نحویوں نے کہا ہے لولا انک لولا امتناعیہ کے بعد ان کے فتحہ کے ساتھ اس لئے کہ وہ یعنی لولا امتناعیہ کا مابعد مبتدا ہوتا ہے اور مبتدا کا مفرد ہونا واجب ہے جیسے لولا انک منطلق انطلقت اسی طرح لولا تحضیضیہ کے بعد اس لئے کہ وہ اپنے اسم وخبر کے ساتھ اس کے بعد ایسے فعل کا معمول ہوتا ہے جس پر لولا تحضیضیہ کا داخل ہونا واجب ہے جیسے لولا انی معاذلک نعمت

قولہ عندی الخ. یعنی عندی فضل زید عندی ایسی خبر ہے جو مبتداء پر مقدم ہے ظرف ہونے کی وجہ سے. یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قول کا مقولہ بھی مفعول بہ ہوتا ہے باوجود اسکے کہ اس کے بعد کسرہ واجب ہے. جواب یہ ہے کہ مفعول سے یہاں مراد قول کے مقولہ کا ماسوا ہے سابق قرینہ کے ساتھ دوسرے قول کے مقولہ پر مفعول نہیں بولا جاتا ہے. سوال جب ان مع اپنے مدخول کے باب علمت کا مفعول ہوتا ہے کسرہ واجب ہے لیکن اسوقت کہ اس کی خبر پر لام ہو جیسے علمت ان زیداً لقدیم جواب یہ ہے کہ جب باب علمت کے بعد واقع ہوتا ہے تو اپنے مدخول سمیت دو مفعول کے قائم مقام ہوتا ہے اور ایک مفعول کی جگہ میں نہیں ہوتا پس یہ ہماری بحث کہ موضع سے خارج ہے اور بعض نے جواب دیا کہ اس باب علمت کے علاوہ مفعول سے مراد ہے جس کی خبر پر لام داخل ہے.

قولہ وقالوا لولا انک. اور انہوں نے کہا یعنی عرب نے کہا لولا انک کیونکہ وہ ان مع اپنے مدخول کے اس مقام میں مبتدا ہے یعنی لولا امتناعیہ کے بعد جب ان واقع ہوتا ہے تو اس کو بفتح ہمزہ پڑھتے ہیں چنانچہ لولا انک بولتے ہیں چونکہ لولا امتناعیہ کے بعد مبتدا واقع ہوتا ہے اور مبتداء کا مفرد ہونا واجب ہوتا ہے معلوم ہوکہ یہ دخل مقدر کا جواب ہے اسکی تقریر یہ ہے کہ لولا اور لو دونوں کا مابعد جملہ ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں

جملہ پر داخل ہوتے ہیں اس وجہ سے ضروری ہے کہ ان دونوں کے بعد کلمہ ان مکسورہ ہو حالانکہ ان دونوں کے بعد ان مفتوح ہوتا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ ان دونوں کے بعد میں جملہ واقع ہوا اور ان دونوں کا مابعد موضع جملہ ہے لیکن اس سے ان کا مکسور الہمزہ ہونا لازم نہیں آتا ہے کہ کلمہ ان کو کسرہ واجب ہو اس وجہ سے کہ ان مع اپنے جملہ کے مبتدا ہے اور مبتدا مفرد ہوتی ہے اس وجہ سے لولا اور لو کے بعد ہمزہ کا فتحہ واجب ہے. معلوم ہوکہ مصنف کے قول سے کسائی اور فراء کے مذہب پر رد ہورہا ہے کیونکہ یہ دونوں اس طرف گئے ہیں

کہ لولا کا مابعد فاعل ہے مبتدا نہیں ہے یعنی لولا وجد انک کذا اس کے بعد معلوم ہوکہ لولا کے بعد جو مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے یعنی لولا انطلاقک موجود پس اب اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ لولا کے بعد جملہ اسمیہ ضروری ہے شارح نے کہا ای مابعد لولا اس سے تسامح کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ضمیر قولہ لولا انک کی طرف راجع ہے اور لولا کو یہاں پر امتناعیہ پر حمل کیا گیا نہ مبتداء کے قرینہ کی وجہ سے کیونکہ لولا تحضیضیہ کے بعد فاعل یا مفعول ہی واقع ہوتا ہے نہ مبتدا.

قولہ کذلک بعد لولا التحضیضۃ یعنی اسی طرح لولا تحضیضیہ کے بعد جو ان ہوتا ہے

انّی معاذلک زعمت ای لولا زعمت انّی معاذلک ولولا انّک ضربتنی صدر منک وکذلک قالوا لوانّک بفتح الھمزۃ لانہ ای مابعد لو فاعل لفعل محذوف والفاعل یجب ان یکون مفردا نحو لوانّک قائم ای لو وقع قیامک فان جاز فی موضع ان التقدیران تقدیرالمفرد وتقدیرالجملۃ جاز الامران الفتح والکسر فی ان الفتح علیٰ تقدیر جعل ان

یعنی اگر تو نے گمان نہ کیا ہوتا کہ میں تیرے لئے پناہ گاہ ہوں اور لولا انک ضربتنی صدر منک! در اسی طرح انہوں نے لو انک ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ یعنی لو کے مابعد فاعل ہوتا ہے فعل محذوف کا اور فاعل کیلئے واجب ہے کہ وہ مفرد ہو جیسے لو عندی قائمٌ یعنی اگر تیرا قیام واقع ہوتا پس اگر جائز ہو ان کی جگہ دونوں کی تقدیر یعنی مفرد کی تقدیر اور جملہ کی تقدیر تو دو امر جائز ہیں ۔ ان میں فتحہ اور کسرہ فتحہ اس تقدیر

اس کو فتحہ واجب ہوتا ہے یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تقریر یہ ہے لولا امتناعیہ کے ان کو فتحہ کے واجب ہونے کے واسطے کوئی تخصیص نہیں ہے چونکہ جیساکہ لولا امتناعیہ کے بعد فتحہ واجب ہوتا ہے ایسے ہی لولا تخضیضیہ کے بعد فتحہ واجب ہوتا ہے جواب کی تقریر یہ ہے کہ لولا تخضیضیہ کے بعد جو ان ہوتا ہے اس کو فتحہ مبتدا ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ ایسے فعل کا معمول ہوتا ہے جس پر لولا کا دخول واجب ہے اور فعل مذکور کا معمول فاعل یا مفعول ہوتا ہے ۔

قولہ معمول للفعل الخ یعنی لولا تخضیضیہ کا مابعد فعل کا معمول ہوتا ہے خواہ وہ فاعل ہو یا مفعول ہو اسی وجہ سے شارحؒ لولا تخضیضیہ کی دو مثالیں لائے ایک فاعل کی اور ایک مفعول کی اور فعل کا معمول اس وجہ سے ہوتا ہے کہ تخضیض افعال کے معانی پر ہوا کرتی ہے اور اسماء اور حروف کے معانی پر تخضیض نہیں ہوتی ۔

قولہ ای لولا زعمت انی معاذ الخ شارحؒ نے اس سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ لولا کے مابعد فعل محذوف ہے اور مذکور اس کے واسطے مفسر ہے کیونکہ لولا تخضیضیہ صرف فعل پر داخل ہوتا ہے پس وہ لولا کے بعد فعل کی تقدیر پر دلالت کرتا ہے فعل مذکور صرف اس وجہ سے لایا گیا تاکہ اس کے ذریعہ سے فعل محذوف کا علم ہو جائے پس یہ فعل مذکور قرینہ ہے لولا کے بعد جو فعل مقدر ہے وہ صرف فعل مذکور کی

جنس ہے پس اب یہ اعتراض نہیں ہوتا مفسر (بالکسر) لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ لولا فعل مقدر پر دلالت کرتا ہے ۔

قولہ ولولا انک ضربتنی صدر منک یعنی لولا صدر منک ضرب ایای مذکور فعل محذوف کی تفسیر ہے اور دو مثالیں بیان کیں ۔ چونکہ وہ مع اپنے جملہ کے اول میں مفعول ہے اور ثانی میں فاعل ہے یا اس وجہ سے دو مثالیں بیان کیں کہ ان میں سے ایک مثال اور دوسری مثال مصنوع اور بنائی ہوئی ہے یا کہا جائے کہ ان دونوں میں سے ایک مثال ہے اور ایک شاہد ہے ۔

قولہ لانہ ای مابعد لو فاعل یعنی لو شرطیہ کے بعد جب یہ ان واقع ہوتا ہے تو ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بولا جاتا ہے کیونکہ لو کے بعد جو واقع ہوتا ہے وہ فعل محذوف کا فاعل ہوتا ہے اور فاعل کے واسطے مفرد ہونا واجب ہوتا ہے یعنی اسم ہوتا ہے

قولہ لوانک قائم الخ ۔ صواب یہ ہے کہ شارحؒ مثال میں یہ کہتا لو انک تقوم کیونکہ لو شرطوں میں سے ہے کہ جب لو کے بعد مبتدا واقع ہو تو اس کی خبر فعل ہوتی ہے تاکہ صورت میں اس فعل کا عوض ہو سکے جو اس کے بعد حذف کر دیا گیا پس انک قائم یا تقوم مصدر کی تاویل میں ہو کر یعنی قیامک کی تاویل میں ہو کر وقع کا فاعل ہے یعنی اس کے معنی ہے لو ثبت قیامک ۔

قولہ فان جاز ۔ یہ فاء تفریعیہ ہے سابق قاعدہ پر متفرع ہے یعنی یہ معلوم ہو چکا کہ جملہ کے موضع میں کسرہ واجب ہے اور مفرد کے مقام میں فتحہ واجب ہے

مع اسمها وخبرها مفرد أو الكسر على تقدير جعلها معهما جملة مثل من يكرمني فأنّي أكرمه مما وقع بعد الفاء الجزائية فان كان المراد من يكرمني فانا اكرمه وجب الكسر لانها وقعت في موضع الجملة وان كان المراد من يكرمني فجزاؤه انّي اكرمه او اكرامي ثابت له وجب الفتح لانها وقعت في موضع المفرد لانها اما مبتداء او خبر مبتداء ومثل قول

پرکہ ان کو اس کے اسم و خبر سمیت مفرد قرار دیا جائے اور کسرہ اس تقدیر پر کہ اس کو ان دونوں (یعنی اسم و خبر) کے ساتھ جملہ قرار دیا جائے جیسے من یکرمنی فانی اکرمہ ان مثالوں میں سے کہ جو فاء جزائیہ کے بعد واقع ہو پس اگر مراد من یکرمنی فاکرمہ ہو تو کسرہ واجب ہے کیوں کہ وہ جملہ کے مقام پر واقع ہے اور اگر مراد من یکرمنی فجزاؤہٗ انی اکرمہ ہو یا اکرامی ثابت لہٗ ہو تو فتحہ واجب ہے اس لئے کہ وہ مفرد کی جگہ واقع ہے کیوں کہ وہ یا تو مبتداء ہے یا مبتدا کی خبر ہے

پس اگر کسی مقام میں مفرد اور جملہ دونوں کی تقدیر جائز ہو تو اس وقت میں ہر دو امر جائز ہوتے ہیں یعنی جائز ہوتا ہے کہ ان کو مع اسم و خبر کے جملہ قرار دیں اور ان کو بکسر الہمزہ پڑھیں اور جائز ہے کہ مفرد قرار دیں اور فتحہ پڑھیں اور دونوں تقدیر کا جائز ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک مقصود معنی کو بلا فرق ادا کرنے والا ہے اور دونوں امروں کا جائز ہونا مقصود کے افادہ کے اعتبار سے ہے اور ایک کو دوسرے پر حذف نہ ہونے کی وجہ سے ترجیح ہے۔

قولہ مما وقع بعد الفاء۔ معلوم ہو کہ ما وقع میں ما سے اس مثل کا بیان کرنا ہے جو فاء جزائیہ کے بعد واقع ہو یا اس کے بعد جو فاء جزائیہ کے قائم مقام ہوتا ہے یعنی اذا مفاجاتیہ۔ حاصل یہ ہے کہ جو ان کہ فاء جزائیہ کے بعد واقع ہو یا اس کے بعد ہو جو فاء جزائیہ کے قائم مقام ہوتا (اذا) اور اس ترکیب میں کلمہ من اس کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ فقط شرطیہ ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اگر منٗ موصولہ ہو شرط کے معنی کو متضمن ہے پس اگر من یکرمنی فانی اکرمہٗ سے من یکرمنی فانا اکرمہ ہو مراد ہو تو اس وقت انی اکرمہٗ جزاء جملہ اسمیہ ہوگا جو ضمیر متکلم فاکرمہ سے مرکب ہے کسرہ اس وجہ سے واجب ہے کہ اس مذکور مثال میں ایسے موضع میں واقع ہے جو جملہ کو مقتضی ہے کیوں کہ انا اکرمہٗ اور اکرامی اکرمہٗ مبتداء محذوف کی خبر ہو اور وہ اس کا قول فجزاءہ ہے یا انی اکرمہٗ مبتداء ہے مفرد کی تاویل میں

ہو کہ اس طور پر کہ خبر سے مصدر بنایا جاوے اس کو اسم کی طرف مضاف کر دیا جاوے اور اس کی خبر محذوف ہو اور وہ ثابت ہے۔

قولہ او اکرامی ثابت لہٗ۔ اعتراض انی اکرمہ کے مبتدا ہونے میں بحث ہے کیونکہ جب خبر کی تقدیم کو نحاۃ نے واجب قرار دیا تاکہ مفتوحہ کا مکسورہ کے ساتھ التباس نہ ہو تو اس کا (خبر) حذف کرنا کیسے درست ہوگا حالاں کہ اس کا حذف کرنا التباس کو واجب کرتا ہے دوسرے یہاں پر خبر کی تقدیم واجب ہے پس تقدیر یہ ہوئی فثابت انی اکرمہٗ لیکن یہ دونوں اعتراض واقع نہیں ہوتے ہیں اولاً اس لئے کہ

ہم تسلیم نہیں کرتے کہ خبر کا حذف کرنا التباس کو واجب کرتا ہے کیوں کہ التباس کا محل وہ ہے جس میں دونوں تقدیروں پر معنی مختلف ہو جاتے ہوں دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مغنی میں مذکور ہے کہ اس لو کے بعد جو ان مفتوحہ پر داخل ہو رہا ہو جیسے لو انہم اٰمنوا جملہ اسمیہ ہوتا ہے بعض نحوی خبر کو مقدم مقدر کرتے ہیں یعنی لو ثابت ایمانہم اور بعض نحوی خبر مؤخر مقدر کرتے ہیں لو ایمانہم ثابت قولہ اما مبتدا او خبر مبتدا کیوں کہ مذکورہ صورتوں میں وہ ان مفتوح ہو کر یا مبتدا ہے یا مبتدا کی خبر ہے اور دونوں تقدیروں میں سے ہر ایک پر اس عامل کا معمول ہے

الشاعر اذا انه عبد القفا واللہازم مما وقعت بعد اذا المفاجأة فیجوز فیها الکسر علی انہا مع اسمہا وخبرہا جملة واقعة بعد اذا المفاجاءة والفتح علی انہا معہما مبتداء محذوف الخبر ای اذا عبودیته للقفا واللہازم ثابتة وتمام البیت شعر وکنت اری زیدا کما قیل سیدا × اذا انه عبد القفا واللہازم ۞ وقوله اری علی صیغة المجہول بمعنی اظن و زید مفعوله الثانی وسیدا مفعوله الثالث وکما قیل جملة

اور جیسے شاعر کا قول اذا انہ عبد القفا واللہازم ان مثالوں میں سے کہ جو اذا مفاجات کے بعد واقع ہوں پس ان میں کسرہ لانا جائز ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے اسم و خبر سمیت ایسا جملہ ہے جو اذا مفاجات کے بعد واقع ہے اور فتحہ اس بنا پر کہ وہ مبتدا ہے خبر محذوف کی یعنی اذا عبودیۃ للقفا واللہازم ثابتۃ اور پورا شعر یہ ہے۔ شعر اور میں بتایا جاتا تھا زید کو جیسا کہ کہا جاتا تھا سردار مگر اچانک وہ قفا اور لہازم کا بندہ نکلا اور اس کا قول اریٰ مجہول کا صیغہ ہے اظن کے معنی میں ہے اور زید اس کا مفعول ثانی ہے اور سیدا اس کا مفعول ثالث ہے

جو رفع دینے والا ہے پس وہ محلاً مرفوع ہوگا اور اس کے مفرد کی جگہ میں واقع ہونے کا یہی مطلب ہے کہ عامل رافع کا معمول ہو پس وہ محلاً مرفوع ہوگا ۔

قولہ ومثل قول الشاعر الخ شارح نے اس سے مقصود کے بیان کے ساتھ دو مثالوں کے لانے کی طرف اشارہ کیا ہے اور قولہ مما وقعت اس مثل کا بیان ہے جو قولہ مثل قول الشاعر میں واقع ہے اور مما میں کلمہ ما سے مراد انّ ہے اور اس میں اس چیز کے دفع کی طرف اشارہ ہے جو وہم کیا جاتا ہے کہ شبہ کا ذکر مستدرک ہے

چونکہ وہ مثل قول الشاعر میں داخل ہے حاصل یہ ہے کہ وعمرا ذا انہ قولہ من یکرمنی فانی اکرمہ پر معطوف ہے یعنی ومثل اذا انہ الخ اور اس سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ اس ترکیب میں کلمہ ان اپنے اسم اور خبر سمیت اذا مفاجاتیہ کے بعد واقع ہو اس وقت میں کسرہ اس اعتبار سے جائز ہے کہ کلمہ ان مع اسم وخبر کے اذا مفاجاتیہ کے بعد جملہ واقع ہو رہا ہے اور تقدیر کلام یہ ہے اذا عبد القفا واللہازم ۔

قولہ والفتح علی انہا الخ فتح اس بنا پر جائز ہے کہ ان مع اسم وخبر ایسی مبتدا ہے جس

کی خبر محذوف ہے یعنی اذا عبودیۃ للقفا واللہازم ثابت یعنی ان اپنے اسم وخبر سے مل کر مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتدا ہے اور وہ العبودیۃ ہے اور خبر محذوف ہے اور وہ ثابتۃ یا حاصلۃ ہے ۔

قولہ وکنت اریٰ الخ یہ بیت بحر طویل سے ہے اور اس میں موضع استشہاد انہ ہے چنانچہ اس میں کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہے پس اگر کسی شئی کے حذف کا قصد نہ ہو تو ان مکسورہ ہوگا اس بنا پر کہ ان اپنے اسم و خبر سے مل کر اذا مفاجاتیہ کے بعد جملہ واقع ہوگا اور تقدیر ہوگی اذا ہو عبد القفا واللہازم اور اگر مقصود یہ ہو کہ ان اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کی تاویل میں ہو کر ایسی مبتدا ہو کہ اس کی خبر محذوف ہو تو ان مفتوح الہمزہ ہوگا ۔

قولہ کنت اریٰ الخ ۔ قولہ اریٰ صیغہ مجہول پر ہے اظن کے معنی میں اور زیداً اریٰ کا مفعول ثانی ہے اور سیداً اریٰ کا مفعول ثالث ہے اور کما قیل جملہ معترضہ ہے متوسط اور جملہ معترضہ وہ ہے جس کے واسطے اعراب سے محل نہ ہو اور اپنے ماقبل کے ساتھ اس کو مناسبت ہو اور یہ جملہ معترضہ ہے اریٰ کے مفعول ثانی اور مفعول ثالث کے درمیان اور پہلا مفعول اریٰ میں مستتر ہے اور وہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اور اریٰ اراءۃ سے بنا ہے بمعنی اعلام ۔

قولہ معنی البیت ۔ اردو میں بیت کے یہ معنی ہیں جانا جاتا تھا میں کہ زید جیسا کہ کہا گیا سردار ہے اچانک وہ گدی اور کلا کی ہڈیوں کا غلام ہے یعنی کمینہ ہے کہ وہ اپنی گدی اور

معترضۃ ومعنی کونہ عبد القفا واللہازم انہ لئیم یخدم قفاہ ولہازمہ ای ھمتہ ان یاکل لیعظم قفاہ ولہازمہ واللہزمتان عظمان ناتیان فی اللحیین تحت الاذنین جمعہما بارادۃ مافوق الواحد او بارادتہما مع حوالیہما تغلیبا وشبہہ بالجر عطف علی اذا انہ عبد القفا الخ ای مثل عبد القفا ومثل شبہہ وما وجد ذلک فی کثیر من النسخ

اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جملہ معترضہ ہے اور قفا اور لہازم کے غلام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ کمینہ شخص ہے جو قفا اور لہازم کی خدمت کرتا ہے یعنی ہمت اس کی یہ ہے کہ وہ کھالے تاکہ بڑی ہوجائے اس کی گدّی اور اس کے لہازم اور لہزمتان داڑھی کی دونوں ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو دونوں کانوں کے نیچے ہوتی ہیں ان دونوں کو مافوق الواحد کے لحاظ سے جمع لایا یا دونوں کے ماحول کی وجہ سے تغلیباً ان دونوں کو جمع لائے اور اسکے مشابہ جر کے ساتھ اذا انہ عبد القفا الخ پر عطف ہے یعنی عبد القفا کی مثل اور اور اس کے مشابہ کے مثل اور یہ عبارت اس کتاب کے بیشتر نسخوں میں نہیں

اور کلہ کی ہڈیوں کی خدمت کرتا ہے معلوم ہو کہ یہ بیت فرزدق کی ہے مطلب یہ ہے کہ میں گمان کرتا تھا کہ زید سردار ہے جیسے کہ آدمی کہتے ہیں پس ظاہر ہوا کہ وہ سردار نہیں ہے بلکہ وہ تو گدی اور کلہ کی ہڈیوں کا خادم ہے یعنی کمینہ ہے یعنی کنجوس ہے القفا گدی اللہازم لہزمۃ کی جمع یعنی وہ گوشت جو دانتوں کے نیچے ہوتا ہے۔ شارحؒ فرماتے ہیں کہ لہازم لہزمۃ کی جمع ہے اللہزمتان وہ دو ہڈیاں ہیں جو دونوں جبڑوں میں اکٹھی ہوتی ہیں دونوں کانوں کے نیچے غالباً اس سے یہ مراد ہے کہ زید اپنی گدی اور منہ کا کمینہ ہے پس زید کمینہ کا غلام ہے یعنی کمینہ کا کمینہ ہے بہرحال اس کی قفا کا لئیم ہونا پس اس لئے کہ آدمی ذلت کی وجہ سے اس کی گدی پر مارتے ہیں اور بہرحال اس کے منہ کا کمینہ ہونا پس اس لئے کہ وہ پیٹ کا غلام ہے یا اس لئے کہ وہ صرف فحش اور گالی بولتا ہے اور قولہ یخدم قفاہ اس سے اس وہم کا دفع کرتا ہے جو یہاں پر ہوتا ہے کہ عبد (غلام) صرف مالک کی طرف اضافت کیا جاتا ہے پس اس سے اشارہ کیا کہ عبد بمعنی خادم ہے خاص کو ذکر کر کے عام مراد لیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ قفا اور لہازم کو مالک سے تشبیہ دیکر قفا اور لہازم میں کنایہ کیا ہو پس گویا کہ وہ قفا اور لہازم کی طرف اس کو ان کے عبد کے مانند قرار دیا ہو پس اسوقت قفا اور لہازم کی طرف نسبت درست ہے یعنی جیسے غلام اپنے آقا کی خدمت

کرتا ہے ایسے ہی وہ اپنی قفا اور لہازم کی خدمت کرتا ہے غرضیکہ وہ اعضاء کی تربیت میں سعی کرتا ہے اور وہ سرداری کے منافی ہے کیوں کہ سردار آدمی نفس کی تکمیل اور اس کی خدمت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جسم کی تربیت میں نہیں لگتے ہیں امام الہمام ابی الفتح علی بن محمد الکاتب بستی اس معنی میں خوب کہا ہے، یا خادم الجسم کم تسعیٰ لخدمتہ + اتطلب الربح فیما فیہ خسران + اقبل علی النفس واستکمل فضائلہا + فانت بالنفس لا بالجسم انسان

قولہ جمعہما الخ یعنی اس شعر میں لہزمتان مثنی لانا چاہیئے تھا لیکن شاعر لہازم جمع لایا مثنی اس وجہ سے لانا چاہیئے تھا کہ یہ دو ہڈیاں ہوتی ہیں نہ اس سے زیادہ پس شاعر نے یہاں جمع سے ایک کے اوپر مراد لی ہے یا شاعر نے یہ دو ہڈیاں اور ان کے ارد گرد جو ہڈیاں ہیں وہ بھی تغلیب کے طور پر مراد لی ہیں۔

قولہ بالجر عطف الخ یعنی شبہہ جر کے ساتھ ہے اس کا عطف اذا انہ عبد القفا پر ہو رہا ہے یعنی مثل عبد القفا و مثل شبہہ اکثر نسخوں میں مثل عبد القفا ہے غالباً لفظ انہ کاتب کے قلم سے ساقط

فمن جملة اشباهه قولهم اول ما اقول انی احمد اللہ فان جعلت موصولة او موصوفة کان حاصل المعنی اول مقولاتی تعین الکسر لان اول المقولات انی احمد اللہ لا المعنی المصدری فان المعنی المصدری اعنی الحمد قول خاص ولیس من جنس المقولات وان جعلت ما مصدریة کان حاصل المعنی الاول اقوالی لان اول الاقوال اول الاقوال هو المعنی المصدری الذی

پائی گئی پس اس کے من جملہ مشابہ میں سے ان کا قول اول ما اقول انی احمد اللہ ہے پس اگر تو نے ما کو موصولہ بنایا یا موصوفہ تو حاصل معنی یہ ہوں گے کہ میرا اول مقولہ کسرہ کی تعیین ہے اس لئے کہ اول مقولات انی احمد اللہ ہے نہ کہ معنی مصدری پس اس لئے کہ معنی مصدری یعنی الحمد خاص قول ہے اور وہ مقولات کی جنس میں سے نہیں ہے اور اگر ما کو مصدریہ مانا جائے تو حاصل معنی اول اقوال کے ہوں گے۔ کیوں کہ اول اقوال معنی مصدری ہیں جو کہ ان مفتوحہ مع اس

ہو گیا کیوں کہ مقصود اس کو اس کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جو اذا کے بعد واقع ہو یعنی ان کیساتھ مع اس کے مدخول کے اور مجموعہ اذا نہ سے تشبیہ دینا نہیں ہے جیسا کہ ظاہر عطف اس کا وہم ڈالتا ہے کیوں کہ مثل یہ جیسا کہ سابق میں اس پر تصریح ہے قولہ ما وقعت بعد اذا۔ ایک نسخہ میں شارح کے خط سے یہ پایا جاتا ہے اے مثل اذا انہ عبد القفا اس تفسیر کی وجہ کچھ ظاہر نہیں

قولہ ما وجدوا ذلک الخ شارح کہتے ہیں کافیہ کے بہت نسخوں میں شبہ عبارت موجود نہیں ہے معلوم ہو کہ ظاہر یہ ہے کہ مجرور ہے معطوف ہے قولہ اذا انہ عبد القفا یعنی و مثل شبہ حضرت مولانا شیخ

مولانا عبد الحکیم نے فرمایا کہ یہ رفع کیساتھ نہیں کہ مثل من یکرمنی پر معطوف ہو اگرچہ بحسب المعنی یہ صحیح ہے کیوں کہ لفظ شبہ سے مثال کا ذکر مقصود نہیں ہوا تاکہ صرف لفظ مثل ہے۔

قولہ اول ما اقول الخ معلوم ہو کہ قول اول ما اقول انی احمد اللہ اذا انہ عبد القفا واللہازم کے جملہ اشباہ و نظائر سے ہے کیوں کہ کلمہ ان اپنے اسم و خبر کے ساتھ جیسا کہ اس شعر میں احتمال رکھتا ہے کہ جملہ کی جگہ میں اعتبار کریں اور مکسور پڑھیں اور احتمال رکھتا ہے کہ مفرد کی جگہ میں ملحوظ کریں اور مفتوح جانیں ایسے ہی ان کا حال اس قول میں واقع ہے کیوں کہ کلمہ

ما اس قول میں دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ ما موصولہ یا موصوفہ ہو دوسرے یہ کہ ما مصدریہ اول تقدیر پر کلمہ ان اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ کی جگہ میں ہے پس اس صورت میں ان مکسور ہو گا اور دوسری صورت یعنی ما مصدریہ ہونے کی صورت میں مفرد کی جگہ میں ہے پس ان مفتوح ہو گا۔ سوال جب کلمہ ما موصولہ ہو تو کس وجہ سے ان اپنے اسم و خبر کے ساتھ جملہ کی جگہ میں ہوتا ہے پس کسرہ واجب ہوتا ہے اور جب مصدریہ ہو تو کس وجہ سے مفرد کی جگہ میں ہوتا پس فتحہ واجب ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اول مبتدا مضاف ہے اور ما اقول مضاف الیہ اور انی احمد اللہ خبر ہے اور جب کلمہ ما موصولہ یا موصوفہ ہو تو کلام کی تقدیر یہ ہوگی اول مقولاتی انی احمد اللہ کسی اور عارف پر پوشیدہ نہیں ہے اول مقولات جملہ احمد اللہ ہے اور معنی مصدری نہیں یہاں تک کہ وہ مفرد کے موضع میں واقع ہو اور اس کو فتحہ دیں اور مصدری معنی جو کہ اس مقام میں ہے احمد ہے قول خاص ہے یعنی انشاء باللسان علیٰ قصد التعظیم اور یہ مقول کی جنس نہیں ہے بلکہ اقوال کی جنس ہے اور متکلم کی غرض اس وقت اپنے اول مقولات سے خبر دینا ہے اور اول اقوال نہیں ہے اسی کو شارح نے قولہ لا المصدریہ اعنی الحمد سے تعبیر کیا ہے اور جب مصدریہ ہو تو اس وقت میں کلام کی تقدیر یہ ہے اول اقوالی انی احمد اللہ اور اول اقوال صرف قول ہی ہو سکتا ہے نہ کہ جملہ انی احمد اللہ اس لئے کہ یہ مقولات کی جنس سے ہے پس

...... هو معنى ان المفتوحة مع جملتها الا ما هو من جنس المقول
ولذلك اى ولاجل ان ان المكسورة لا تغير معنى الجملة كان
اسمها المنصوب فى محل الرفع لانها فى حكم العدم اذ فائدتها
التاكيد فقط جاز العطف على اسم ان المكسورة من جهة انه
فى محل الرفع سواء كانت المكسورة مكسورة لفظاً او حكماً بان
لا يمنع بان تكون المفتوحة فى حكم المكسورة كما اذا وقعت بعد
العلم مثل ان زيداً قائم وعمرٌو وعلمت ان زيداً قائم و
عمرٌو فان فى هذا المثال وان كانت مفتوحة لفظا فهى مكسورة

کے جملے کے معنی ہیں نہ کر دہ معنی جو جنس مقول کے ہیں اور اسی وجہ سے یعنی انّ کی وجہ سے
ان مکسورہ جملے کے معنی میں تغیر پیدا نہیں کرتا گویا اس کا اسم منصوب محل رفع میں
واقع ہوتا ہے کیوں کہ وہ نہ ہونے کے حکم میں ہے اس لئے کہ اس کا فائدہ فقط
تاکید ہے جائز ہے عطف ان مکسورہ کے اسم پر اس وجہ سے کہ وہ محل رفع میں
واقع ہے برابر ہے کہ ان مکسورہ لفظاً مکسورہ ہو یا حکماً رفع کے ساتھ ہو
بایں طور کہ مفتوحہ حکم میں مکسورہ کے ہو جیسے جب وہ علم کے بعد واقع ہو جیسے
ان زیداً قائمٌ وعمرٌو اور علمت ان زیداً قائم وعمرٌو پس اس مثال میں ان
اگرچہ لفظاً مفتوحہ ہے مگر وہ حکماً مکسورہ ہے کیوں کہ وہ اپنے مدخول کے

متکلم مصدر کی مصدر سے خبر دینا ہے پس
ان مفتوحہ اپنے اسم وخبر سے مل کر معنی
مصدر ہے اور اقوال کی جنس سے ہے
اول کی خبر ہوگا اور بلاشک کہ ان اپنے اسم
وخبر سے مل کر اس وقت میں مفرد کی جگہ
میں ہے ...... پس ان مفتوح الہمزہ
ہوگا یعنی اگر ما کو مصدریہ قرار دیں تو
حاصل المعنی اول اقوالی ہے کیوں کہ
وہ ما مصدریہ کے ساتھ مصدر کی تاویل
میں ہے یعنی اول قولی پس اس وقت معنی
مصدری جو ان مفتوحہ کے سبب سے
ہے اس پر محمول ہے یعنی اس مصدری معنی پر محمول
ہے جو ما مصدریہ کے سبب سے ہے چوں کہ اس
تقدیر پر خارج میں اتحاد اور ذہن میں تغایر موجود
ہے بخلاف معنی مصدری اول المقولات اگرچہ
ان میں ذہن میں تغایر ہے لیکن خارج میں
اتحاد نہیں ہے اسی کو شارح نے قولہ ان جعلت
ما مصدریۃ الخ سے بیان کیا ہے۔
قولہ ما ہو من جنس المقول یعنی اول
اقوال وہ نہیں ہے جو مقول کی جنس سے
ہو۔ قولہ ولذلک الخ اور اسی وجہ
سے مصنف رحمہ اللہ نے علت کو پہلے بیان کیا
تاکہ حکم معلل حاصل ہو کیوں کہ وہ حکم جو
معلل حاصل ہوتا ہے نفس میں زیادہ
واقع ہوتا یعنی زیادہ اثر کرتا ہے یعنی
اسی وجہ سے جملہ کے معنی کو متغیر نہیں کرتا
ہے کیوں کہ جملہ کو مفرد نہیں بناتا ہے
کہ فاعل ہو یا مفعول ہو یا حال ہو یا تمیز
ہو یا ان کے علاوہ اور کچھ ترکیب میں
واقع ہو اس سے جس کو معنی میں تاثیر
ہو پس گویا ان مذکور نہیں ہے گویا وہ

اسم منصوب ہے گویا وہ ایسے محل میں ہے
کہ وہ اس میں رفع کا مستحق ہے وہ ایسے
عوامل لفظیہ سے خالی ہوتا جو معنی میں اثر کرنیوالے ہے
یعنی چوں کہ ان مکسورہ جملے کے معنی متغیر نہیں کرتا ہے تو اس
ان کا اسم منصوب محل رفع میں ہے کیونکہ وہ ان نہ
ہونے کے حکم میں ہے چوں کہ اس کا فائدہ فقط تاکید ہے
پس اس وجہ مذکور کی بنا پر ان مکسورہ کے اسم پر اس
اعتبار سے کہ وہ رفع کے محل میں ہے رفع کیساتھ عطف
درست ہوگا خواہ یہ ان مکسورہ لفظ کے اعتبار

سے مکسورہ ہو یا حکم کے اعتبار سے مکسورہ ہو۔
قولہ سواء کانت الخ اس سے شارح
نے اس طرف اشارہ کیا کہ قولہ لفظاً او حکماً
مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے یعنی
کسراً لفظیاً اور کسراً حکمیاً یہ بھی احتمال ہے
کہ لفظاً اور حکماً المکسورہ سے حال ہو
یعنی حال کون المکسورۃ مکسورۃ لفظیۃ
اور ملفوظۃ ..
قولہ بان تکون المفتوحۃ الخ یہ ان مکسورہ

حکماً حیث تکون مع ما عملت فیہ بتاویل الجملۃ نصح ان یرفع المعطوف علی اسمہا حملاً علی محلہ دون ان المفتوحۃ فانہ لم یجز العطف علی محل اسمہا بالرفع فانہا لما غیرت معنی الجملۃ لا یصح فرض عدمہا ویشترط فی العطف علی اسم ان المکسورۃ بالرفع مضی الخبر ای ذکر خبرہا قبل المعطوف لفظاً مثل ان زیداً قائم وعمرٌو او تقدیراً مثل ان زیداً وعمرٌو قائم ای ان زیداً قائم وعمرٌو قائم

کے ساتھ جملہ کی تاویل میں ہے پس صحیح ہے کہ وہ رفع کرے معطوف کو اپنے اسم پر اس کے محل میں۔ نہ کہ ان مفتوحہ کیوں کہ اس میں اس کے اسم کے محل پر عطف جائز نہیں ہے رفع کے ساتھ اس لئے کہ اس نے جب جملہ کے معنی بدل دیئے تو اس کا معدوم ہونا فرض کرنا صحیح نہیں ہے اور ان مکسورہ کے اسم پر رفع کے ساتھ کے عطف کے جائز ہونے کے لئے شرط ہے خبر کا گذر جانا یعنی اس کی خبر کا معطوف سے پہلے مذکور ہونا لفظاً جیسے ان زیداً قائم وعمرٌو قائمٌ اس

کے حکماً ہونے کا بیان ہے چوں کہ ان مفتوحہ جب علم کے بعد واقع ہو یا اس کے بعد جو علم سے مشتق ہے پس وہ اس وقت حکماً ان مکسورہ ہے کیوں کہ باب علمت کا ثانی مفعول اول مفعول کی طرف باسناد تام مسند ہوتا ہے پس اگر ان مفتوحہ علم کے بعد ان مکسورہ نہ ہو تو اس وقت وہ ان مفتوحہ مفرد کی تاویل میں ہوگا پس لازم آویگا کہ یہ اسناد تام نہ ہو جیسے علمت ان زیداً قائم وعمرٌو اول مثال ان مکسورہ لفظاً کی ہے یہ بھی معلوم ہو کر بان تکون قولہ حکماً کا بیان ہے ظاہر یہ تھا کہ مصنف کے قول بالرفع پر اس کو مقدم کر کے بیان کرتے مگر چوں کہ اس کا بیان طویل ہے اس وجہ سے اس کو مؤخر کر دیا ہے پس اس وقت قولہ بالرفع اور جو اس کے ساتھ متعلق ہے یعنی جواز العطف کے درمیان کثیر فصل واقع ہو گیا قولہ حیث تکون الخ تکون کی ضمیر ان مفتوحہ کی طرف راجع ہے اور کلمہ ما سے مدخول ان مراد ہے اور وہ زید قائم ہے اور قولہ فیہ کی ضمیر ما کی طرف راجع ہے یعنی پس اس مثال یعنی علمت ان زیداً قائم وعمرو مثال میں اگرچہ ان لفظاً مفتوحہ ہے لیکن وہ حکماً مکسورہ ہے چنانچہ ان مع اس کے جس میں ان عمل کر رہا ہے جملہ کی تاویل میں ہے پس اس کے اسم پر معطوف کا رفع اس اسم کے محل پر حمل کر کے درست ہوا اور ان مفتوحہ کے اسم کے محل پر رفع کے ساتھ عطف کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ ان مفتوحہ جملہ کے معنی کو متغیر کرتا ہے اور اس کا نہ ہونا فرض کرنا درست نہ ہوگا۔

قولہ بتاویل الجملۃ الخ جملہ کی تاویل میں اس وجہ سے ہے کہ ان مفتوحہ کا مدخول دو مفعولوں کی جگہ میں قائم ہے گویا کہ وہ اصل میں جملہ ہے اسی وجہ سے مفعول ثانی پر لام ابتداء کا داخل ہونا درست ہوا پس اس کے لئے حکم حاصل ہے بخلاف اعجبنی ان زیداً لقائم پس یہ جائز نہیں کیوں کہ ان مع اپنے مدخول کے ہر وجہ سے مفرد کے حکم میں ہے چوں کہ وہ فاعل ہے اور یہ ان کے دونوں کے مفرد کی تاویل میں ہونے کے منافی نہیں اور اسی وجہ سے اس کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف جائز نہیں کیوں کہ ان دونوں کو جملہ کے ساتھ مشابہت ہے اس اعتبار سے کہ علمت کا باب مبتدا و خبر کے نواسخ سے ہے اور مفرد کے مشابہ ہے چوں کہ وہ دونوں مفرد کی تاویل میں ہے۔

قولہ دون المفتوحۃ یعنی جو لفظاً اور حکماً مفتوحہ ہو اور وہ ان وہ ہے جو علم کے بعد واقع نہ ہو پس ان مفتوحہ کے اسم پر اس وقت رفع کے ساتھ درست نہ ہوگا۔

قولہ لا یصح فرض عدمہا یعنی اس ان کا معدوم فرض کرنا درست نہیں پس اس کے اسم کے لئے بالکل رفع نہ ہوگا اس وجہ سے رفع کے ساتھ اس کے اسم پر عطف کرنا بھی درست نہ ہوگا اور اس میں

لانہ لولم یمض قبلہ لالفظاً ولا تقدیراً لزم اجتماع عاملین علیٰ اعراب واحد مثل ان زیداً وعمرو ذاھبان فانہ لا شک ان ذاھبان خبر عن کل من المعطوف والمعطوف علیہ فمن حیث انہ خبر عن اسم ان یکون العامل فی رفعہ ان ومن حیث انہ خبر المعطوف علیٰ اسمہ یکون العامل فی رفعہ الابتداء فلزم اجتماع العاملین اعنی ان والابتداء علی رفعہ وھو باطل

لئے کہ اگر وہ پہلے مذکور نہیں ہے نہ لفظاً اور نہ تقدیراً اعراب واحد پر دو عاملوں کا اجتماع لازم آئے گا جیسے ان زیداً عمرو ذاہبان اس مثال میں بیشک ذاہبان معطوف معطوف علیہ میں سے ہر ایک کی خبر واقع ہے پس اس حیثیت سے کہ وہ اسم ان کی خبر ہے تو اس کے رفع دینے میں ان عامل واقع ہوگا اور اس حیثیت سے کہ بیشک وہ خبر اس معطوف کی جو اس کے اسم پر معطوف ہے تو اس کے رفع میں ابتداء عامل ہوگا پس اجتماع عاملین لازم آئے گا یعنی ان اور ابتداء اس کے رفع پر اور یہ باطل ہے ۔

اس کے مذہب کے بطلان کی طرف اشارہ ہے، جس نے اس کو جائز رکھا ہے ۔
قولہ ولیشترط الخ یعنی ان مکسورہ کے اسم پر رفع کے ساتھ عطف کرنا اس وقت درست ہوتا ہے جب کہ ان کی خبر معطوف کے پہلے مذکور ہو خواہ لفظاً پہلے مذکور ہو جیسے ان زیداً قائم وعمرو یا تقدیراً پہلے مذکور ہو جیسے ان زیداً وعمرو قائم کیونکہ خبر ان معطوف سے پہلے نہ لفظاً گذری اور نہ تقدیراً جیسے ان زیداً قائم وعمر قائم کیونکہ خبر ان ذاہبان معطوف اور معطوف علیہ دونوں میں سے ہر ایک کی خبر ہے پس اس اعتبار سے کہ وہ ان کے اسم کی خبر ہے اس کے رفع میں عامل یعنی ذاہبان کے رفع میں عامل ان ہے کیونکہ ان اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے اور اس کا رفع الف کے ساتھ ہے یعنی زیداً ان کے ساتھ منصوب ہے اور اس کی خبر ان کی ہی معمول ہوگی اور اس اعتبار سے کہ اس کی خبر ہے جو ان کے اسم پر معطوف بالرفع ہے اس کے رفع میں عامل بالابتداء ہوگی پس اس وقت ذاہبان کے رفع پر دو عاملوں کا جمع ہونا کہ ان میں سے ایک ان ہے اور دوسرا عامل ابتداء لازم آویگا اور دو عاملوں کا جمع ہونا ایک اعراب پر باطل ہے۔ چونکہ وہ ایک معمول بالشخص پر دو مستقل علتوں کے توارد کے درجہ میں ہے کیونکہ دونوں عاملوں میں سے ہر ایک مستقل علت ہے اور اعراب واحد معلول شخصی ہے اور یہ اجتماع اہل العربیہ کے نزدیک باطل ہے جیسا کہ یہ توارد مذکورہ حکماء

کے نزدیک باطل ہے فانہ لاشک الخ سے اس قضیہ شرطیہ لولم یمض قبلہ الخ کی ملازمت کا بیان ہے ۔
قولہ یکون العامل فی رفعہ الخ یعنی اس کے رفع میں عامل ابتداء ہے کیونکہ مبتداء کی خبر میں عامل ابتدائیہ ہوتی ہے دوسری عبارت اس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ عمر کا مرفوع ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا عطف ایسے محل پر ہو رہا ہے کہ وہ ابتداء ہے ان سے خالی ہونے کی تقدیر پر یا اس کو مع اس کے معمول کے مبتدا کے مانند قرار دیا جیسے مبتدا اور اس کی خبر کا مرفوع ہونا ضروری ہے پس جب ذاہبان یا قائمان

کہا گیا تو اس کو دونوں کے واسطے خبر بنادیا اور اسی وجہ سے یہ لازم آگیا کہ وہ ان کا معمول ہوا اور ابتداء کا معمول ہو یعنی دونوں کا اکٹھا معمول ہو اور یہ باطل ہے
قولہ خلافاً للکوفیین . کوفی اس مسئلہ میں بصریوں کی مخالفت کرتے ہیں چنانچہ وہ اس عطف کے درست ہونے میں خبر کا گذرنا شرط نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ان صرف اسم میں عمل کرتا ہے اور خبر ابتداء کے ساتھ مرفوع ہوتی ہے جیسا کہ اس پر ان کے داخل ہونے کے پہلے ابتداء کے ساتھ مرفوع ہوتی ہے پس اس وقت ایک اعراب پر دو عاملوں کا

خلافاً للکوفیین فانہم لایشترطون فی صحۃ ھذا العطف مضی الخبر فان ان عندھم لاتعمل الا فی الاسم والخبر مرفوع بالابتداء کما کان قبل دخول ان علیہ فلا یلزم اجتماع عاملین علیٰ اعراب واحد ولا اثر لکونہ ای لکون اسم ان مبنیا فی جواز العطف علی محل اسم ان قبل مضی الخبر عند الجمہور فلا یجوز عندھم انک وزید ذاھبان کما انہ لا یجوز ان زیداً وعمرو ذاھبان فان المحذور المذکور مشترک بینہما خلافاً للمبرد والکسائی فانہما یجوزان فی مثل انک وزید ذاھبان العطف علی محل اسم انّ بلا مضی الخبر فانہ لما لم یظہر

اس میں کوفیوں کا اختلاف ہے پس اس لئے کہ وہ اس عطف کی صحت کیلئے خبر کے گذرنے کی شرط نہیں لگاتے کیوں کہ ان کے نزدیک انّ صرف اسم میں عمل کرتا ہے اور خبر ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہوتی ہے جس طرح اس پر ان کے داخل ہونے سے پہلے ابتداء کا عامل تھا لہذا اعراب واحد پر دو عاملوں کا اجتماع لازم نہیں آتا اور نہیں ہے کوئی اثر اس کے ہونے کے لئے یعنی ان کے اسم کا مبنی ہونے کے عطف کے جواز میں ان کے اسم کے محل پر خبر کے گذرنے سے پہلے جمہور کے نزدیک لہذا ان کے نزدیک انک وزید ذاہبان جائز نہیں ہے جس طرح ان زیداً وعمرو ذاہبان جائز نہیں ہے کیوں کہ مذکورہ محذور دونوں میں جائز ہے اس میں مبرد اور کسائی کا اختلاف ہے اس لئے کہ یہ دونوں جائز مانتے ہیں انک زید ذاہبان جیسی مثال میں عطف کو اسم ان کے محل پر بلا خبر کے گذرے ہوئے اس

جمع ہونا لازم نہیں آئے گا کیوں کہ ان جس وقت کہ خبر مرفوع بالابتداء ہے تو ان کے نزدیک اس میں عامل ان کے دخول کے پہلے اور اس کے دخول کے بعد دونوں حالتوں میں ابتداء ہے معلوم ہو کہ کوفیوں سے مراد اکثر کوفی ہیں کیوں کہ کسائی کوفیوں

میں سے یہ ان کی مخالفت کرتا ہے کیوں کہ وہ خبر کا گذرنا غیر المبنی میں شرط کرتا ہے جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا اور بصریوں سے بھی مراد اکثر بصری ہیں چنانچہ مبرد بصریوں سے ہے اس نے خبر کا گذرنا مبنی میں شرط نہیں کیا جیسا کہ مصنف نے

اس کو ذکر کیا۔

قولہ ولا اثر لکونہ الخ مصنف کا یہ قول خلافاً للمبرد والکسائی کے واسطے تمہید ہے یعنی ان کے اسم پر عطف کے جائز ہونے میں جمہور کے نزدیک خبر کے پہلے گذرنے کی جو شرط ہے اس میں اسم ان کے مبنی ہونے کے واسطے کچھ اثر نہیں ہے۔ اسم خواہ مبنی ہو یا غیر مبنی ہر صورت میں یہ ضروری ہے کہ خبر پہلے آ چکی ہو چنانچہ جمہور کے نزدیک ان زیداً وعمرو ذاہبان جائز نہیں ایسے ہی انک وزید ذاہبان جائز نہیں کیوں کہ محذور مذکور یعنی ایک اعراب پر دو عاملوں کا اجتماع مشترک ہے یعنی اسم کے مبنی ہونے میں جیسے مثال مذکور میں کاف اور اسم کے معرب ہونے میں جیسے زید مثال مذکور میں ایک ہی ہے معلوم ہو کہ اسم مبنی سے مراد وہ اسم ہے جس میں اعراب ظاہر نہ ہو پس یہ ان موسیٰ وزید ذاہبان کو بھی شامل ہے جیسا کہ اس پر تعلیل مذکور دلالت کرتی ہے مصنف نے صرف لا اثر کہا کیونکہ اعراب خفی ہو گیا کیوں کہ جب اس میں بناء کے واسطے اثر نہیں تو تقدیراً اعراب کو بطریق اولیٰ اثر نہیں ہوگا۔ معلوم ہو کہ تسہیل میں یہ مذکور ہے کہ کسائی کوفیوں کی موافقت کرتا ہے اور تفصیل مذکور صرف فراء کا مذہب ہے اور رضی نے اس کو صواب قرار دیا۔

قولہ خلافاً للمبرد الخ مبرد اور کسائی یہ دونوں ہر وہ ترکیب جو انک زید ذاہبان کے مانند ہو اس میں خبر کے گذرنے

ولکن فی جواز العطف علی محل اسمه کذلك ای مثل إن لانه لا یغیر معنی الجملة عما کانت علیه قبل دخوله فان معناه الاستدراك وهو لا ینافی المعنی الاصلی کما انه لا ینافیه التاکید فیجوز اعتبار محل اسمه وعطف شیٔ علیه بالرفع مثل ان المکسورة کما تقول لم یخرج زید ولکن عمراً خارج وبکر ولا یجوز فی سائر الحروف المشبهة بالفعل العطف علی محل اسمها لعدم بقاء المعنی الاصلی فیها فلا یعتبر محل اسمها وایضاً لذلك ای لاجل أنّ إنّ المکسورة لا تغیر معنی الجملة وللمفتوحة تغیرة دخلت اللام التی هی لتاکید معنی الجملة مع المکسورة

لیئے کہ جب اس کا عمل اس کے اسم پر ظاہر نہیں ہوا اس کے مبنی ہونے کی وجہ سے تو گویا اس نے اس میں عمل نہیں کیا پس محذور مذکور لازم نہیں آتا لیکن اس کے اسم کے محل پر عطف کے جائز ہونے میں ایسا ہی ہے یعنی ان کی طرح اس لیئے کہ وہ جملہ کے معنی تبدیل نہیں کرتا جن پر وہ اس کے داخل ہونے سے پہلے تھا اس لئے کہ اس کے معنی استدراک کے ہیں اور وہ معنی اصلی کے منافی نہیں ہے جس طرح تاکید اس کے منافی نہیں ہے پس اس کے اسم کے محل کا اعتبار کرنا اور اس پر رفع کے ساتھ دوسری شیٔ کا عطف کرنا ان مکسورہ کی طرح جائز ہے جیسے تو کہے لم یخرج زید ولکن عمراً خارج وبکرٌ اور جائز نہیں ہے تمام حروف مشبہ بالفعل میں عطف ان کے محل اسم پر اس میں معنی اصلی کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے لہذا ان کے محل اسم کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور نیز اسی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ بیشک ان مکسورہ جملہ کے معنی تبدیل نہیں کرتا اور ان مفتوحہ معنی تبدیل کرتا ہے وہ لام داخل جو جملہ کے معنی کی تاکید کے ساتھ آتا ہے مکسورہ کے ساتھ

گذرنے کے بغیر ان کے اسم کے محل پر عطف کو جائز رکھتے ہیں کیوں کہ جب ان کا عمل اس کے اسم میں ظاہر نہیں ہوا اسم کے مبنی ہونے کی وجہ سے تو گویا کہ ان نے اس اسم مبنی میں نصب کا عمل نہیں کیا اور جب اسم میں عمل نہیں کیا تو خبر میں بھی عمل نہیں کیوں کہ خبر میں اس کے عمل کا اعتبار اس کے بعد ہے کہ اسم میں اس کے عمل کا اعتبار کر لیا گیا ہو کیوں کہ وہ دونوں متلازم ہیں پس مذکور محذور لازم نہیں آتا ہے۔

قولہ ولکن الخ جس طرح ان کے اسم کے محل پر رفع کے ساتھ درست ہوتا ہے اسی طرح لکن ہے کہ لکن کے اسم کے محل پر رفع کے ساتھ عطف درست ہوتا ہے کیوں کہ لکن جملہ کے معنی کو ان کی طرح متغیر نہیں کرتا ہے جو معنی کہ لکن کے دخول کے پہلے ہوتے ہیں وہی معنی لکن داخل ہونے کے جملہ کے معنی رہتے ہیں کیوں کہ لکن معنی استدراک ہیں اور اصلی معنی سے منافات نہیں رکھتے جیسا کہ ان کہ اس کے معنی تاکید ہیں جملہ کے اصلی معنی کے منافی نہیں اس وجہ سے لکن کے اسم کے محل کا اعتبار درست ہے اور اس پر رفع کے ساتھ کسی شئی کا عطف کرنا جائز ہے جیسے ان مکسورہ اور باقی حروف مشبہ بالفعل ہیں ان کے محل پر عطف کرنا درست نہیں کیوں کہ ان کے داخل ہونے کے بعد جملہ کے اصلی معنی باقی نہیں رہتے ہیں بلکہ وہ جملہ کے معنی خبر سے انشا کی طرف متغیر کر دیتے ہیں اس وجہ سے ان کو معدوم اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قولہ وایضا لذلک اور اسی وجہ سے ان

ہ جملہ کے معنی کو متغیر نہیں کرتا اور ان مفتوحہ متغیر کرتا ہے کہ یہ اپنے اسم وخبر کو مفرد کی تاویل میں کر دیتا ہے پس یہ جملہ کے معنی کی تاکید کے واسطے نہیں ہوگا اور ان

مکسورہ اس کے برخلاف ہے معلوم ہو کہ قولہ ایضاً قولہ ایضاً میں اعتراض اور جواب کا احتمال رکھتا ہے اعتراض یہ ہے کہ قولہ لذلک کی دوبارہ ذکر کی ضرورت نہیں

التی هی ایضاً لذلک التاکید دونها ای دون المفتوحة لکونها بمعنی المفرد فلا یجتمع معهما ما هو لتاکید معنی الجملة علی الخبر متعلق بدخلت ای دخلت اللام مع المکسورة علی الخبر ای علی خبرها نحو ان زیداً لقائم او دخلت علی الاسم ای علی اسمها اذا فصل بینه

جو نیز اس تاکید کے لئے آتا ہے نہ کہ وہ یعنی ان مفتوحہ کے علاوہ کیوں کہ وہ مفرد کے معنی میں ہوتا ہے لہذا اس کے ساتھ وہ جمع نہ ہوگا جو معنی جملہ کی تاکید کے لئے آتا ہے خبر پر یہ دخلت سے متعلق ہے یعنی ان مکسورہ کے ساتھ خبر پر لام داخل ہوتا ہے یعنی اس کی خبر پر جیسے ان زیداً لقائم یا وہ اسم پر داخل ہو یعنی اس کے اسم پر جب کہ اس کے درمیان فصل کر دیا جائے ۔

اول لذلک کے ساتھ اکتفا درست تھا اور قولہ دخلت اللام کا عطف قولہ جاز العطف پر ہو جاتا کیوں کہ علت ایک ہے جواب قولہ دخلت اللام کا عطف قولہ جاز العطف پر فی الحقیقت ہے کیوں کہ علت ایک ہے اور لیکن قولہ قولہ لذلک کو لوٹایا تاکہ معلوم ہو کہ تعلیل کا ارادہ کیا ہے اور اس کا وہم نہ ہو کہ یہ حکم بلا علت ہے دوسرے اس وجہ سے لذلک کو لوٹایا کہ دوری بہت ہو گئی ہے اور یہ لام لام ابتدار ہے اور قولہ التی لتاکید معنی الجملة اسکی طرف اشارہ ہے کہ یہ لام ابتدار ہے پس ان مکسورہ کے ساتھ لام ابتدار داخل ہوتا ہے کیوں کہ وہ بھی تاکید معنی جملہ کرتا ہے اور لام بھی معنی جملہ کی تاکید کرتا ہے اور ان مفتوحہ کے ساتھ لام داخل نہیں ہوتا ۔

قولہ علی الخبر یعنی یہ لام ابتدا ان مکسورہ کی خبر پر داخل ہوتا ہے قولہ علی الخبر قولہ دخلت کے متعلق ہے ان مکسورہ کی خبر پر لام کا داخل ہونا اور ان مفتوحہ کی خبر پر داخل نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ لام تاکید جملہ کے معنی کی تاکید کے واسطے موضوع ہے اس وجہ سے یہ لام صرف اسکے ساتھ جمع ہوگا جو جملہ کے معنی کی تاکید کیواسطے ہو اور جملہ کے معنی کو متغیر نہ کرے اور وہ ان مکسورہ ہے جیسے قولہ تعالیٰ انک لرسولہ بخلاف مفتوحہ کے کہ وہ اپنے اسم و خبر سے ملکر مفرد کے معنی میں ہے اور جملہ کے معنی کا مغیر ہے پس لام تاکید اسکی خبر پر داخل نہیں ہوگا یعنی اس کا وہ جمع نہ ہوگا جو معنی کی تاکید کے لئے ہو کیوں کہ وہ دونوں متنافی ہیں کیوں کہ لام جملہ کے معنی کی تاکید کے لئے ہے اور ان مفتوحہ مفرد کی تاویل میں ہے پس وہ دونوں متنافی ہیں ۔ شارح رحمۃ اللہ علیہ متعلق بدخلت اس وجہ سے فرمایا کہ اگر یہ نہ فرماتے تو وہم ہوتا کہ

اس کا تعلق عدم الدخول کے ساتھ ہے جو قولہ دونہا سے مفہوم ہوتا ہے پس اس وقت مقصود حاصل نہیں ہوگا ۔

قولہ ای علی خبرہا یعنی ان مکسورہ کی خبر پر شارح نے اس سے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ الخبر پر الف لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے معلوم ہو کہ خبر سے مراد عام ہے مفرد اور جملہ اسمیہ اور فعلیہ سے جیسے ان زیداً لقائم اور ان زیداً لابوہ قائم اور ان زیداً لقد قام ۔ شارح نے مثال کے بیان کرنے میں اصل جو کہ خبر مفرد ہے اس پر کفایت کی ہے ۔ قولہ ان زیداً لقائم اس سے شارح نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ خبر متاخر پر داخل ہوتا ہے اور خبر متاخر پر اس وجہ سے داخل ہوتا ہے تاکہ تاکید کے دو حرفوں کی توالی لازم نہ آئے پس اسی وجہ سے ان لفی الدار زیداً بولنا جائز نہ ہوگا خبر کو المتاخر کے ساتھ اس وجہ سے مقید نہیں کیا کہ خبر کے اندر اصل تاخیر ہے بعض شارحین نے تکلف کیا پس اس نے اذا فصل الخ کو علی الخبر و علی الاسم دونوں کے ایک ساتھ متعلق کر دیا اور بینہ کی ضمیر احدہما کی طرف راجع کی ۔

قولہ اذا فصل الخ یعنی اسم کے درمیان اور ان کے درمیان فصل کر دیا جائے تو پھر لام ان کے اسم پر بھی داخل ہو جاتا ہے اور یہ فصل صرف ظرف کے ساتھ خواہ وہ ظرف خبر ہی جیسے ان فی الدار زیداً یا اس کے ظرف کے ساتھ ہو جو خبر کے ساتھ متعلق ہے جیسے ان فی

ای بین الاسم وبینہا ای بین ان نحو ان فی الدار لزیداً او
دخلت علی ما وقع بینہما ای بین اسمہا وخبرہا نحو ان زیداً
لطعامك آكلٌ وانما خص دخول اللام بهذه الصور لان فيما
عداها يلزم توالي حرفي التاكيد والابتداء اعني المكسورة و
اللام وهم كرهوا ذلك واختاروا تقديم ان دون اللام ترجيحاً
للعامل على ما ليس بعامل ودخول اللام في لكن على اسمها او

یعنی اسم کے درمیان اور اس کے درمیان یعنی ان کے درمیان جیسے ان فی الدار
لزیداً یا داخل ہو اس پر جو ان دونوں کے درمیان واقع ہو یعنی اس کے اسم
اور اس کی خبر کے درمیان جیسے ان زیداً لطعامک آکل اور بیشک اس صورت
کے ساتھ لام کے دخول کو خاص کیا گیا ہے کیوں کہ اس صورت کے علاوہ میں
دو حرف تاکید اور ابتداء پے در پے آنا لازم آتا ہے یعنی ان مکسورہ
اور لام کا اور اس کو انہوں نے مکروہ جانا ہے اور انہوں نے اس کی تقدیم
کو اختیار کیا ہے نہ کہ لام کی تقدیم کو عامل کو ترجیح دیتے ہوئے اس پر کہ
جو عامل نہیں ہے اور لام کا داخل ہونا لکن میں اس کے اسم پر یا اس کی

الدار لزیداً قائم ۔
قولہ ای بین اسمہا وخبرہا یالام اس پر
داخل ہوتا ہے جو اسم اور خبر ان کے درمیان
ہو شارح ؒ نے اس کے ساتھ اس وجہ سے
تفسیر کی تاکہ الاسم وان کی طرف ضمیر کے لوٹنے
کا وہم نہ ہو ۔ قولہ ان زیداً لطعامک آکل
اس مثال میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے
اسم وخبر کے درمیان جو واقع ہو کر اس پر
لام داخل ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ خبر
کا معمول ہو تاکہ لام کا دخول اس پر درست
ہو جو ان دونوں کے درمیان ہے خواہ وہ
ظرف ہو یا غیر ظرف ہو پس مصنف کا مطلق
چھوڑنا اس کی شہرت کی بنا پر ہے اور کلمہ
او منع خلو کے لئے ہے کیوں کہ لام کبھی خبر پر
داخل ہوتا ہے اور کبھی اس پر جو اسم ان
وخبر ان کے درمیان ہوتا ہے خبر کے معمول
سے ۔ قولہ وانما خص الخ یعنی لام کا دخول
ان صورتوں کے ساتھ اس وجہ سے خاص
کیا کہ ان صورتوں کے علاوہ تاکید حرف اور
ابتداء کے حرف دونوں حرفوں کے درمیان
یعنی ان مکسورہ اور لام کے درمیان توالی اور
لگاتاری لازم آتی ہے یہ صورتیں میں جن
میں توالی لازم نہیں آتی ان اور اسم ان
کے درمیان خبر کے ساتھ فصل واقع ہونے
یا ان کی خبر کے معمول کے ساتھ فصل واقع
ہوئے تو ان صورتوں میں لام ان کے اسم
پر داخل ہو جائے گا اور اگر ان اور اسم کے
درمیان فصل نہ ہو تو ان کی خبر پر لام
داخل ہو گا البتہ جب کہ خبر پر خبر کا معمول
مقدم ہو جاوے تو اس وقت لام اس
پر داخل ہو گا جو خبر پر مقدم ہے پس
جب یہ صورتیں منتفی ہوں یہ اس صورت
میں ہو گا کہ ان اور اسم کے درمیان فصل
نہ ہو اور نہ معمول خبر خبر پر مقدم ہو ، پس
ان اسم کے ساتھ متصل ہو گا اور لام خبر
ان پر داخل نہ ہو تو بلاشک اسوقت
دونوں حرفوں کی توالی لازم آئے گی
اور اس کو عرب ناپسند کرتے ہیں ۔
قولہ واختاروا تقدیم ان الخ یہ ایک
سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ
ان مکسورہ کو مقدم اور لام کو مؤخر لانا کیوں
ہے باوجود یکہ ہر دو تاکید کے واسطے ہے
جواب ان مکسورہ عامل ہے اور لام
عامل نہیں اس وجہ سے عامل کو غیر عامل پر
راجح کر کے ان کو مقدم لانا اختیار کیا
دوسری ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان مکسورہ
کے نظائر کے واسطے صدارت کلام ہے
پس اگر دوسرے کو مؤخر کریں اور لام
کو مقدم تو اس کے نظائر کی مخالفت
لازم آئے گی اور اپنی نظائر کا مطعون
ہو گا اور طعن کی زبان بیان ضرب سے
اشد ہے واللہ اعلم ۔
قولہ دخول اللام فی لکن الخ لکن جس وقت
کہ جملہ پر داخل ہو رہا ہو اس وقت اس کے
اسم یا خبر یا اس پر جو لکن کے اسم وخبر کے

خبرها او علی ما بینهما ضعیف لانها وان لم تغیر معنی الجملة لکن لا توافق اللام مثل ان فی معناها الذی هو التاکید وقد جاء مع ضعفه فی قول الشاعر ع ولکننی من حبها لعمید، وتخفف ان المکسورة لثقل التشدید وکثرة الاستعمال فیلزمها بعد التخفیف اللام وحینئذٍ یجوز الغاؤها ای ابطال عملها وهو الغالب لفوات بعض وجوه مشابهتها مع الفعل

خبر پر یا اس پر جو ان دونوں کے درمیان واقع ہو ضعیف ہے کیوں کہ وہ اگرچہ جملہ کے معنی کو تبدیل نہیں لیکن وہ لام کی موافقت نہیں کرتا جیسے ان فی معناہا الذی ہو التاکید اور واقع ہوا ہے ضعف کے ساتھ شاعر کے قول میں ع لیکن بیشک میں اس کی محبت میں البتہ رنجیدہ ہوں ، اور تخفیف کیا جاتا ہے ان مکسورہ تشدید کے ثقیل ہونے کی وجہ سے اور کثرت استعمال کی وجہ سے ، پس لازم ہے اس کو تخفیف کے بعد لام اور اس وقت اس کا الغاء جائز ہے یعنی اس کے عمل کو باطل کردینا اور یہی غالب ہے فعل کے ساتھ اس کی مشابہت کے بعض وجوہ کے فوت ہوجانے کی وجہ سے جیسے آخر کا فتحہ اور اس

درمیان میں ہو لام کا داخل کرنا ضعیف ہے اس لئے کہ لکن اگرچہ جملہ کے معنی کو متغیر نہیں کرتا لیکن وہ موافقت اور مناسبت جو ان اور لام تاکید میں ہے وہ لکن میں نہیں ہے اس لئے کہ لام اور ان مکسورہ ہر دو تاکید کے واسطے ہیں بخلاف لکن کے کہ وہ استدراک کے واسطے ہے اور یہ استدراک آئے تاکید سے نہیں ہے کہ مناسبت مضبوط ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ لام کا حق یہ تھا کہ ان مکسورہ کے ساتھ بھی مجامع نہ ہو کیوں کہ لام تاکید صدارت کو مقتضی ہے ان مکسورہ کے ساتھ اس کی مجامعت سے صدارت

باطل ہوتی ہے لیکن اس کی مجامعت ان مکسورہ کے ساتھ اس وجہ سے جائز ہوئی ان مکسورہ کے ساتھ اس کی مناسبت بہت زیادہ ہے کیوں کہ دونوں ایک معنی میں ہے پس گویا اس کی صدارت بالکلیہ ساقط نہیں ہوئی بخلاف لکن کہ لام تاکید کے ساتھ بالکل مناسبت نہیں رکھتا پس لام کی صدارت کا ساقط ہونا لکن کے ساتھ مناسبت نہیں ہے۔

قولہ وان لم تغیر معنی الجملۃ الخ شارح رح نے اس سے کوفیوں کے استدلال کے باطل کرنے کی طرف اشارہ کیا چنانچہ کوفیوں نے لام کے دخول کو لکن کے ساتھ جائز رکھا ہے کیوں کہ لکن ان کے معنی کو نہیں بدلتا ہے جیسے ان اسی وجہ سے لکن کے اسم کے محل پر رفع کے ساتھ عطف درست ہوا اس بیان سے باقی حروف مشبہ کے ساتھ لام کا جمع نہ ہونا ظاہر ہوگیا کیوں کہ وہ جملہ کے معنی کے واسطے مغیر ہیں اور لام جملہ خبریہ کے بقا کا تقاضہ کرتا ہے

قولہ لا توافق الخ یعنی لام کا حق یہ تھا کہ مکسورہ کے ساتھ بھی جمع نہ ہو چوں کہ لام جملہ کے شروع میں آنے کو چاہتا ہے مگر چوں کہ ان اور لام کے معنی ایک ہیں اس وجہ سے دونوں میں بہت مناسبت ہے اس وجہ سے جمع کو جائز رکھا گویا کہ اس کی صدارت ساقط نہیں ہوئی بخلاف لکن کہ اس کے ساتھ لام کو بالکل مناسبت نہیں اس وجہ سے لام اپنی صدارت کے ساقط ہونے کی طرف محتاج نہیں ہوا۔

قولہ وقد جاء الخ لکن کے ساتھ لام کا داخل ہونا اگرچہ ضعیف ہے لیکن اسکے باوجود شاعر کے قول میں آیا ہے نحاۃ نے کہا ہے کہ وہ شاذ ہے شاعر کا قول یہ ہے ولکننی من حبہا لعمید (اور لیکن میں اس کی محبت کی وجہ سے البتہ سخت بیمار ہوں فلان عمید بولا جاتا ہے اس کے معنی ہے بہت مریض بیٹھنے پر بلا سہارا قادر نہیں ہوں یہی معنی معمود کے ہیں اس کا قائل معلوم نہیں اور نہ اس کا تمتہ اور نہ اس کے واسطے نظیر ہے کوفیوں نے یہ شعر استدلال میں بیان کیا ہے اور لکمید روایت کیا جاتا

کفتح الاخر وکونها علی ثلاثۃ احرف کما یجوز اعمالہا علی ما هوالاصل ولهذا لم یذکرہ صریحا واللام علی کلا التقدیرین لازم لها اما فی الالغاء فللفرق بین المخففۃ والنافیۃ فی مثل ان زید قائم وان زید لقائم واما فی الاعمال فلطرد الباب.

کاسہ حرفی ہونا جیسا کہ اس کو عمل دینا (یعنی عامل بنانا) جائز ہے جیسا کہ اس کی اصل ہے اسی لئے اس کو صراحۃً ذکر نہیں کیا اور لام دونوں صورتوں میں اس کے لئے لازم ہے بہرحال الغاء والی صورت میں تو نافیہ اور مخففہ کے درمیان فرق کرنے کی وجہ سے ان زیدٌ قائمٌ اور ان زیدٌ لقائمٌ جیسی مثالوں میں اور بہرحال عامل بنانے یعنی عمل دینے کی صورت میں تو پس باب کی موافقت

ہے اس کے معنی غمگین کے ہے برائے صحیح نسخہ کے حاشیہ پر اس کا اول یہ بیان کیا جاتا ہے محادر سعدیٰ یا سعاد سعید اور حبہا کی ضمیر سعدیٰ کی طرف راجع ہے یہ محبوبہ کا نام ہے جیسے سعاد اور شاہد اس میں لام ہے جو لکن کی خبر پر داخل ہے اور وہ ضعیف ہے۔

قولہ تخفف ان المکسورۃ الخ ان مکسورہ کو خفیف کر لیا جاتا ہے اس وجہ سے کہ تشدید ثقیل ہے اور اس کا استعمال کثیر ہے پس تخفیف کے بعد لام تاکید کا لانا لازم ہے اور اس وقت اس کا الغاء یعنی اس کے عمل کا باطل کرنا جائز ہے اور یہی ابطال عمل اس میں غالب ہے چونکہ تخفیف کے بعد فعل سے جو اس مشابہت تھی اس مشابہت کی بعض وجوہ فوت ہو گئیں جیسے آخر کا فتحہ اور اس کا تین حرفوں پر ہونا جیسے الغاء جائز ایسے ہی اس کا اعمال بھی۔

قولہ کما یجوز اعمالہا الخ یعنی ان کو عامل قرار دینا اس کی بنا پر ہے کہ وہ اصل ہے یعنی اس لئے کہ اعمال اصل ہے ابطال کی بالنسبۃ۔ شارح کے قول علی ما ہو الاصل کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے اس کی بنا پر کہ وہ اس کی اصل ہے اور وہ اصل فعل ہے اس لئے کہ اس سے حرف کو حذف کرنے کے سبب سے اس کا عمل باطل نہیں ہوا علی ما الاصل قولہ یجوز اعمالہا کے متعلق ہے چونکہ ان کا اعمال اصل ہے اس وجہ سے مصنف نے اس کو صراحۃً ذکر نہیں کیا۔

قولہ علی کلا التقدیرین اور لام دونوں تقدیروں یعنی الغاء اور اعمال ہر دونوں صورتوں پر لازم ہے مصنفؒ فیلزمہا

اللام کو یجوز الغاء ہا سے پہلے ذکر کیا اس سے یہ نکلتا ہے کہ الغاء اور اعمال ہر دونوں صورتوں میں لام لازم ہے کیونکہ اگر لام کا لزوم الغاء کے ساتھ مخصوص ہوتا جیسا کہ سیبویہ کا مذہب ہے تو لزوم اللام کی تاخیر جواز الالغاء سے واجب تھی پس یہ سیبویہ کے مذہب کے مخالف ہے جیسا کہ عنقریب آئیگا۔

قولہ اما فی الالغاء الخ ان مکسورہ کے الغاء کی تقدیر پر لام کا لانا اس وجہ سے لازم ہے کہ اس کی ان مکسورہ مخففہ اور نافیہ کے درمیان فرق ہو جاتا ہے لام کو ان مخففہ کے ساتھ لازم کیا اور ان نافیہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا اس کی وجہ ایک یہ ہے کہ لام ابتداء نسبت ثبوتیہ کی تاکید کے واسطے ہے نفی کے ساتھ مجامع نہیں ہوگا دوسری وجہ یہ ہے کہ جب نون کو حذف کر کے تخفیف

کر لی گئی تاکہ لام کا مخففہ میں لانا اولیٰ ہے تاکہ یہ لام محذوف سے عوض کے مانند میں ہو جاوے

قولہ اما فی الاعمال الخ اعمال کی صورت میں لام کے لانے کی لزوم کی دوسری دلیل ہے یعنی اعمال کی صورت میں بھی لام کا لانا اس وجہ سے لازم ہے کہ بہت سے اسماء ہیں جن میں اعراب لفظی ظاہر نہیں ہوتا ہے یعنی اسم کا اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے ان فتیً لقائمٌ یا اس وجہ سے کہ اسم مبنی ہوتا۔

قولہ ولان کثیرا الخ اعمال کی صورت میں لام کا لانے کی لزوم کی دوسری دلیل ہے یعنی اعمال کی صورت میں بھی لام کا لانا اس وجہ سے لازم ہے کہ بہت سے اسماء ہیں جن میں اعراب لفظی ظاہر نہیں ہوتا ہے یعنی اسم کا اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے ان فتیً لقائمٌ یعنی اس وجہ سے کہ اسم مبنی ہوتا اور اعراب ظاہر نہیں ہوتا جیسے ان ہذا لقائمٌ پس لام کا لانا اس فرق مذکور

ولان کثیرا من الاسماء لایظھر فیہ اعراب لفظی لکون اعرابہ تقدیریا اولکونہ مبنیا وھذا خلاف مذھب سیبویہ و سائر النحاۃ فانھم قالوا عند الاعمال لایلزمھا اللام لحصول الفرق بالعمل ویجوز دخولھا ای دخول المخففۃ علیٰ فعل من افعال المبتدأ ای من الافعال التی ھی من دواخل المبتدا والخبر لاغیر مثل کان وظن واخواتھما لان الاصل دخولھا علیھما فاذا فات ذلک اشترط ان لایفوت دخولھا علیٰ مایقتضی المبتداء و

کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ اکثر اسموں میں اعراب لفظوں میں ظاہر نہیں ہوتا ان کے اعراب کے تقدیری ہونے کی وجہ سے یا اس کے مبنی ہونے کی وجہ سے اور یہ سیبویہ اور تمام نحویوں کے مذہب کے خلاف ہے کیوں کہ انہوں نے عمل دینے کے وقت کہا ہے کہ اس کو لام لازم نہیں ہے عمل میں فرق کے پائے جانے کی وجہ سے اور جائز ہے اس کا داخل ہونا یعنی مخففہ کا داخل ہونا مبتداء کے افعال میں سے کسی فعل پر یعنی ان افعال میں سے کہ جو مبتداء اور خبر پر داخل ہونے والے ہیں نہ کہ ان کے علاوہ جیسے کان ظن اور ان کے اخوات ہیں کیوں کہ اصل ان کا داخل ہونا ہی ان دونوں پر پس جب یہ فوت ہوگیا تو مشروط ہوگیا کہ ان کا دخول فوت نہ ہو اس اسم پر کہ جو مبتداء اور خبر کا تقاضا کرتا ہے امکانی حد تک اصل کی رعایت کرتے

کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ حکمت ملحوظ نوع میں ہے نہ ہر فرد میں پس یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ یہ نکتہ طرد الباب کے اعتبار سے غنی نہیں کرتا ہے لہٰذا اس کو طرد الباب کا مقابل نہیں بنایا جا سکتا۔

قولہ ہذا اخلاف مذہب یہ اعمال کی صورت میں لام کا لزوم سیبویہ اور باقی نحاۃ کے نزدیک خلاف ہے جیسے ابن مالک چنانچہ انہوں نے اس کے خلاف کہا جس کی طرف مصنف گئے چنانچہ انہوں نے کہا کہ اعمال کی تقدیر پر لام کا لانا لازم نہیں چوں کہ ان مخففہ اور نافیہ کے درمیان عمل کے سبب سے فرق ہو جاتا ہے شارح کا یہ قول مصنف پر اعتراض بھی ہو سکتا ہے۔

قولہ ویجوز دخولہا الخ ان مخففہ کا داخل ہونا فعل پر جائز ہے لیکن ہر فعل پر نہیں بلکہ اس فعل پر جو کہ مبتدا کے افعال سے ہو یعنی اس فعل پر جو ان افعال سے ہو جو مبتدا اور خبر پر داخل ہونے والے ہیں قول الشارح من الافعال اس سے شارح نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ افعال کی اضافت المبتدأ کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے اس لئے کہ فعل حرف معمول کی طرف اضافت کیا جاتا ہے اور قولہ المبتدأ والخبر اس سے شارح نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ مبتدا کے ساتھ ذکر میں کفایت کرنا اس وجہ سے ہوا کہ مصنف نے قرینۂ اقتصار کو اختیار کر لیا چنانچہ الخبر کے بیان کی طرف محتاج نہیں ہوا کیوں کہ وہ دونوں متلازم ہیں۔ یعنی مبتدا و خبر متلازم ہیں مبتدا کا ذکر خبر کے ذکر کو مستلزم ہے۔

قولہ لاغیر یعنی صرف اس فعل داخل ہوتا ہے جو مبتدا خبر پر داخل ہونے والے افعال ہیں اور کسی فعل پر داخل نہیں ہوتا شارح رح نے لاغیر کہا اس پر قرینہ قول المصنف خلافاً للکوفیین فی التعمیم ہے اور اس سے شارح اس اعتراض کا جواب دیتا ہے جو رضی رح نے مصنف پر کیا چنانچہ رضی رح نے کہا کہ مصنف کا یہ کہنا کہ ان مخففہ کا دخول اس فعل پر ہوتا ہے جو مبتدا اور خبر کے افعال سے ہے اس کے لئے کوئی وجہ نہیں مصنف کے لئے اولیٰ یہ تھا کہ یہ کہنا واذا دخلت علی الفعل وجب کونہ من نواسخ المبتداء اور جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو فعل کا نواسخ المبتدا ہونا واجب ہوتا ہے غرضیکہ ان مخففہ صرف اس فعل پر داخل ہوتا ہے جو مبتدا و خبر کے داخل ہونے والوں میں سے ہے جیسے افعال قلوب اور افعال ناقصہ اور افعال مقاربہ اور ان کے علاوہ پر داخل ہونا جائز نہیں

قولہ لان الاصل الخ یہ دلیل اس کی کہ اس کا دخول صرف ان ہی افعال کے ساتھ کیوں

الخبر رعاية للاصل بحسب الامكان كقوله تعالى وان كانت لكبيرة
وان نظنك لمن الكاذبين خلافاً للكوفيين في التعميم اي في تعميم
الدخول وعدم تخصيصه بداخل المبتداء والخبر لا في اصل الدخول
على الفعل لانه متفق عليه فالكوفيين خالفوا البصريين في تجويز
دخولها على غيرهما داخلهما متمسكين بقول الشاعر . شعر
تالله ربك ان قتلت لمسلما ∴ وجبت عليك عقوبة المتعمد

ہوئے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے وان کانت لکبیرۃ اور وان نظنک لمن الکاذبین
تعمیم میں کوفیوں کا اختلاف ہے یعنی دخول کے عام ہونے اور اس کے ساتھ خاص نہ
ہونے میں مبتدا اور خبر کے دخول پر نہ کہ دخول علی الفعل کی اصل پر کیوں کہ وہ متفق علیہ
ہے پس کوفیوں نے بصریوں کا خلاف کیا اس کے دخول کے جائز قرار دینے میں ان کے
مدخولات کے علاوہ میں شاعر کے قول سے استدلال کرتے ہوئے۔ شعر اللہ
یعنی تیرے رب کی قسم اگر تو نے کسی مسلمان کو قتل کیا تو تیرے اوپر عمداً قتل کرنے

مخصوص ہے دوسرے افعال پر کیوں داخل
نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مکسورہ
کا مبتدا و خبر پر داخل ہونا اصل ہے جب
یہ اصل تخفیف کی وجہ سے فوت ہو گئی
تو یہ شرط کرنا کہ اس کا دخول اس پر فوت
نہ ہو جو مبتدا اور خبر کو مقتضی ہیں چوں کہ
تعدد امکان اصل کی رعایت واجب ہے
جیسے قولہ تعالیٰ وان کانت لکبیرۃ بصریوں
کے نزدیک اس میں ان مخففہ ان مکسورہ
سے ہے اور لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے
درمیان فرق کرنے والا ہے اور کوفیوں
کے نزدیک ان نافیہ ہے اور لام بمعنی
الا ہے یعنی تحویل قبلہ کبیرہ شدیدہ ہے
مگر ان پر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت
فرمائی یا اس کے معنی ہے نہیں وہ تحویل
قبلہ مگر کبیرہ اور جیسے وان نظنک لمن
الکاذبین یعنی فرعون نے ہامان سے کہا
میرے لئے ایک محل بنا تاکہ اس کے ذریعہ
موسیٰ علیہ السلام کے اللہ پر خبردار ہوں کیوں کہ
میں گمان کرتا ہوں کہ موسیٰ اپنے اس
قول میں جھوٹا ہے یاد رہے کہ اس وقت
میں بھی لام تاکید لانا لازم ہے تاکہ مخففہ
اور نافیہ کے درمیان فارق ہو جاوے۔
قولہ خلافاً للکوفیین الخ یہ حکم کوفیوں کے
برخلاف ہے ان کے نزدیک تمام
افعال پر دخول جائز ہے خواہ مبتدا
و خبر کے داخل سے ہوں یا نہیں یعنی مبتدا
و خبر کے داخل کے ساتھ تخصیص نہیں ہے
یہ کوفیوں کا اختلاف فعل پر اصل دخول
میں نہیں ہے چنانچہ وہ فعل پر اصل
دخول میں متفق ہیں پس کوفیین نے

بصریوں کی مخالفت اس میں کی ہے کہ وہ
کوفیوں اس کے دخول کو ان افعال پر جائز
رکھتے ہیں جو مبتدا و خبر پر داخل ہونے
والا نہیں معلوم ہو کہ جب کہ جمہور کے نزدیک
دخول کی تخصیص ہے اور کوفیوں کے
نزدیک دخول کی تعمیم پس نحاۃ کوفہ
جمہور کے تخصیص میں مخالف ہوئے نہ تعمیم
میں اس لئے کہ کسی شئی میں مخالفت کا
مطلب یہ ہے اس کی نقیض کا ارتکاب،
پس مصنف کو یہ کہنا چاہئے تھا خلافاً
للکوفیین فی التخصیص جواب یہ ہے کہ
مصنف کے کلام کے معنی ہے بخلاف
الکوفیین القول المذکور مخالفۃ کاملۃ فی
ضمن التعمیم فانہ نوع منہ قول مذکور کی

کوفی تعمیم کے ضمن میں کامل مخالفت کرتے
ہیں کیوں کہ وہ اس کی ایک نوع ہے
دوسرا جواب یہ ہے کہ کلمہ فی لام کے
معنی میں ہے یعنی کوفی قول مذکور کی مخالفت
کرتے ہیں تعمیم کی وجہ سے پس اس وقت میں
تعمیم خلاف کا ظرف نہیں ہے بلکہ خلاف کی
علت اور سبب ہے حضرت شیخ عبدالحکیم
فرماتے ہیں کہ کوفیوں کے نزدیک یہ ان
مخففہ مثقلہ نہیں بلکہ ان کے نزدیک ان
مخففہ نافیہ ہے اور لام الا کے معنی میں ہے
خواہ اس کے بعد جملہ اسمیہ ہو خواہ فعلیہ
پس اس کے معنی ہے کہ کوفی کہتے ہیں ان
مع اللام کی صورت میں تعمیم میں مخالفت
کرتے ہیں یا اس کی تعمیم میں مخالفت

وهو شاذ عند البصريين وتخفف المفتوحة كالمكسورة فتعمل
عند التخفيف على سبيل الوجوب فى ضمير شان مقدر والسبب فى
تقديره ان مشابهة المفتوحة بالفعل اكثر من مشابهة
المكسورة به كما سبق واعمال المكسورة بعد تخفيفها فى سعة
الكلام واقع كقوله تعالىٰ وان كلاً لما ليوفينهم واعمال المفتوحة

کی سزا لاگو ہوگی اور بصریوں کے نزدیک یہ شاذ ہے اور اَنّ مفتوحہ بھی مخفف کیا جاتا ہے مکسورہ کی طرح پس عمل کرے گا تخفیف کی صورت میں بطور وجوب کے ضمیر شان میں جو کہ مقدر ہو اور اس کے مقدر ہونے کا سبب یہ ہے کہ مفتوحہ کی مشابہت فعل کے ساتھ زائد ہے بمقابلہ مکسورہ کے مشابہت کے فعل کے ساتھ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور مکسورہ کو عمل دینا اس کو مخفف کرنے کے بعد کلام میں وسعت کی وجہ سے واقع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وان کلا لما لیوفینہم اور مفتوحہ کو

ہے کثرۃ استعمال اور ثقل تشدید کی وجہ سے اور یہ ان مفتوحہ تخفیف کے وقت ضمیر شان مقدر میں وجوب کے طریق پر عمل کرتا ہے اور ضمیر شان کے مقدر کئے جانے میں سبب یہ ہے کہ ان مفتوحہ کی مشابہت فعل کے ساتھ ان مکسورہ کی مشابہت سے بہت زیادہ ہے جیسا کہ گذرا اور ان مکسورہ کا اعمال اس کی تخفیف کے سعۃ کلام (نثر) میں واقع ہے جیسے قولہ تعالیٰ وان کلاً لما لیوفینہم اور مفتوحہ ان کا اعمال اس کی تخفیف کے بعد سعۃ الکلام (نثر) میں واقع نہیں ہے اور اس سے بحسب ظاہر اضعف کی ترجیح اقویٰ پر لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں اس وجہ سے انہوں نے ضمیر شان کو مقدر کیا تاکہ وہ ضمیر شان ان مفتوحہ کی تخفیف کے اس کے واسطے اسم ہو جاوے اور جملہ جو ضمیر شان کے واسطے مفسر ہے وہ اس کے واسطے خبر ہو جاوے پس یہ ان مفتوحہ مبتدا و خبر میں عامل ہو جاویگا جیسا کہ وہ اصل میں عامل ہے پس وہ ان مفتوحہ ہمیشہ عامل ہے بخلاف ان مکسورہ مخففہ کے کہ وہ کبھی عامل ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اور ظاہر میں عمل اگرچہ مقدر میں عمل سے اقویٰ ہے لیکن مقدر میں ہمیشہ عمل کرنا اس عمل فی الظاہر کے مقادم اور معادل ہوگا جو ظاہر میں کبھی عمل کرتا ہے اور کبھی نہیں۔

کرتے ہیں کہ جو ان مخففہ ہے ہمارے اعتقاد میں اول توجیہ کی طرف شرح تسہیل میں اشارہ کیا اور ثانی تشریح شیخ جمال الدین سے حواشی تسہیل میں منقول ہے۔

قولہ متمسکین الخ کوفی اس شعر سے دلیل پکڑتے ہیں تاللہ ربک الخ معلوم ہو کہ یہ شعر عاتکہ بنت زید العدویہ عمرؓ کی چچا کی بیٹی کا ہے قصیدہ کا مل سے اس سے وہ حضرت زبیر بن العوام کا مرثیہ کہتی ہیں، اور عمرو بن جرموز کو خطاب ہے یہ حضرت زبیرؓ کا قاتل ہے اور تا قسم کے لئے ہے اور باللہ واللہ بھی روایت کیا جاتا ہے اور ربک بالجر اللہ کی صفت ہے اور ان مخففہ من المثقلہ ہے قتلت پر داخل ہے اور یہ مبتدا کے افعال سے نہیں ہے اور وجبت علیک مستانفہ ہے قتل کے حکم کو بیان کرنے کے واسطے اور حلت بھی مروی ہے شعر کے معنی ہے اللہ تعالیٰ تیرے رب کی قسم بیشک قتل کیا تو نے مسلم کو تجھ پر متعمد کی سزا واجب ہوئی آیت آخری۔ دنیا میں قصاصاً قتل اور آخرت میں عذاب اور غضب اور لعنت۔

قولہ شاذ یعنی بصریوں کے نزدیک یہ شاذ ہے اس سے استدلال درست نہیں یعنی قواعد کے واسطے نقص نہیں ہے کیوں کہ قواعد سے مستثنیٰ کے درجہ میں ہے اور شاذ سے یہاں پر نادر مراد ہے۔

قولہ تخفف المفتوحۃ جیسے ان مکسورہ میں تخفیف کی جاتی ہے ایسے ان مفتوحہ میں بھی تخفیف کی جاتی ہے یعنی متحرک نون مع حرکت کے حذف کر دیا جاتا ہے

قولہ اکثر من مشابہۃ الخ یعنی ان مفتوحہ کی فعل کے ساتھ مشابہت ان مکسورہ سے بہت زیادہ ہے لفظاً اس وجہ

بعد تخفیفها لم یقع فی سعة الکلام ویلزم منه بحسب الظاهر ترجیح الاضعف علی الاقوی وذلك غیر جائز فقدروا ضمیر الشان حتی یکون اسما للمفتوحة بعد تخفیفها والجملة المفسرة لضمیر الشان خبراً لها فتکون عاملا فی المبتداء والخبر کما کانت فی الاصل فهی لا تزال عاملة بخلاف المکسورة فانها قد تکون عاملة

عمل دینا اس کو مخفف کرنے کے بعد سعتِ کلام میں واقع نہیں ہے اور اس سے بظاہر اقوی کی ترجیح اضعف پر لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے اسی لئے انہوں نے ضمیر شان کو مقدر مانا ہے تاکہ وہ ان مفتوحہ کے لئے اسم واقع اس کے مخفف کرنے کے بعد اور اس جملہ کو جو اس ضمیر شان کی تفسیر ہو اس کو اس کی خبر قرار دیا ہے پس وہ مبتدا و خبر دونوں میں عامل ہوگا جیسا کہ اصل میں عامل تھا پس وہ برابر عامل ہی رہے گا اس کے برخلاف ان مکسورہ ہے کہ وہ کبھی تو عامل ہوگا

سے ماضی کے مانند اس کا اول مفتوح ہے اور معنی اس وجہ سے کہ ان مکسورہ کے محل پر عطف درست ہے اور ان مفتوحہ کے اسم کے محل پر عطف درست نہیں جیسا کہ معمول فعل کے محل پر عطف درست نہیں ہے۔

قولہ فی سعة الکلام یعنی کلام واسع میں اور وہ کلام نثر ہے نہ کہ کلام نظم پس سعة الکلام میں اضافت صفت کی موصوف کی طرف ہو رہی ہے۔

قولہ ویلزم منہ یعنی سعة کلام میں مفتوحہ کے اعمال کے واقع نہ ہونے سے بظاہر اضعف (یعنی مکسورہ) کی ترجیح اقوی (ان مفتوحہ) پر لازم آتی ہے کیوں کہ معلوم ہوا کہ ان مفتوحہ کو فعل کے ساتھ مشابہت بہت زیادہ ہے اور بحسب الظاہر شارح نے اس وجہ سے کہا کہ ہو سکتا ہے سعة کلام میں مفتوحہ کے اعمال کا نہ ہونا تعادل اور برابری پیدا کر دینے کی وجہ سے ہو چوں کہ معلوم ہوا ہے کہ مفتوحہ کی مشابہت فعل کے ساتھ اکثر ہے پس اس وقت مکسورہ اپنی تخفیف کے بعد سعة کلام میں عمل کریگا نہ مفتوحہ تعادل کی وجہ سے پس اقوی پر اضعف کی ترجیح فی الحقیقة لازم نہیں آتی ہے کیونکہ وہ اس کی حقیقت معادل ہے دوسرے اس وجہ سے بحسب الظاہر کہا کہ بحسب الحقیقة اضعف کی ترجیح اقوی پر لازم نہیں آتی ہے کیوں کہ اقوی معنی کے واسطے متغیر ہے نہ اضعف۔

قولہ وذلک غیر جائز اور وہ جائز نہیں یعنی بحسب الظاہر جائز نہیں پس اب اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ قولہ ذلک کا مشار الیہ ترجیح الاضعف علی الاقوی نفس کلام میں ہے پس اس میں کلام نہیں ہے۔ قولہ فقدروا ضمیر الشان پس وہ ضمیر شان مقدر کرتے ہیں کیوں کہ معمول کی تقدیر واجب ہے جملہ اس کی تقدیر کے بعد اسی طرح رہیگا جیسا کہ پہلے سے تھا پس وہ ضمیر شان ہی صرف اور بعض نے کہا کہ اس کا اسم ضمیر شان ہونا لازم نہیں. سیبویہ نے انَّ یَا ابراہیم قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤیَا کی تقدیر انک سے کی ہے۔

قولہ کما کانت جیسا کہ اصل میں اس میں مفتوحہ عامل تھا یعنی تخفیف کے پہلے۔

قولہ فہی لا تزال الخ یعنی ان مفتوحہ مخففہ دائماً عامل ہے پس اس وقت ضمیر شان مقدر ہیں مفتوحہ مخففہ کے عمل سے ان مکسورہ اور مخففہ کے عمل سے ظاہر میں اضعف کی ترجیح اقوی پر لازم نہیں آتی ہے کیوں کہ ان مفتوحہ کا دوام عمل مرتجح ہے اور ان مکسورہ مخففہ وقت دون وقت (کبھی عمل کرتا ہے اور کبھی نہیں۔ پس اضعف کی ترجیح اقوی پر لازم نہیں

.....

قولہ والعمل فی الظاہر. ظاہر کے یہاں معنی عرفی مراد ہیں یعنی اسم ظاہر میں یا لغوی معنی مراد ہیں یعنی ملفوظ اول پر مقدر سے مراد ضمیر ہے اور ثانی پر مقدر سے مراد وہ ہے جو ملفوظ نہ ہو اس سے شارح ایک اعتراض دور کرنا چاہتے ہیں. تقریر اعتراض یہ ہے کہ اس کے باوجود اضعف کی ترجیح اقوی پر لازم آتی ہے کیوں کہ مکسورہ مخففہ ملفوظ میں اور اسم ظاہر میں عمل کرتا ہے۔

وقد لاتكون والعمل فى الظاهر وان كان اقوىٰ من العمل فى المقدر لكن دوام العمل فى المقدر يقاوم العمل فى الظاهر فى وقت دون وقت فلا يلزم ترجيح الاضعف على الاقوى فتدخل اى المفتوحة على الجمل الصالحة لان تكون مفسرة بضمير الشان مطلقاً سواء كانت اسمية اوفعلية ودخلا فعلُها على المبتدأ والخبر وغيره داخل وشذ اعمالها اى اعمال المفتوحة فى غيره اى غير ضمير الشان ولكنه قد حكى بعض اهل اللغة اعمالها فى المضمر فى السعة نحو قولهم اظن انك قائم واحسب انه ذاهب وهذه رواية شاذة غير معروفة واما فى الضرورة فجاء فى المضمر فقط قال الشاعر شعر فلو انك فى يوم الرخاء سالتنى ٭ فراقك

اور کبھی عامل نہ ہوگا اور عمل بھی اسم ظاہر پر کریگا اگرا قویٰ عمل اسم مقدر ہی میں ہوتا ہے لیکن عمل کا دوام محذوف میں ظاہر میں عمل کے مساوی ہے۔ کسی وقت میں ہوگا اور کسی وقت میں نہ ہوگا پس ضعیف کی ترجیح قوی پر لازم نہیں آتی، پس داخل ہوتا ہے یعنی مفتوحہ ایسے جملوں پر مفسرہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں ضمیر شان کے ذریعہ مطلقاً برابر ہے وہ اسمیہ ہوں یا فعلیہ ہوں اور ان کا فعل مبتدا و خبر پر داخل ہو یا نہ ہو۔ اور اس کا عمل دینا شاذ ہے یعنی ان مفتوحہ کا عمل دینا اس کے غیر میں یعنی ضمیر شان کے علاوہ میں لیکن بعض اہل لغت نے مضمر میں اس کے عمل دینے کو نقل کیا ہے وسعت کلام میں جیسے ان کا قول اظن انک قائم اور احسب انہ ذاہب اور یہ روایت شاذ ہے مشہور نہیں ہے اور بہر حال ضرورت کے موقع پر تو پس مضمر میں صرف ثابت ہے شاعر نے کہا ہے شعر۔ پس اگر تو نے وسعت کے ایام میں مجھ سے سوال کیا ہوتا

دونوں کی برابری ہو جاتی ہے منع ترجیح الاقویٰ بحسب الحقیقۃ۔

قولہ فتدخل الخ یعنی ان مفتوحہ مخففہ تمام ان جملوں خبریوں پر داخل ہو جاتا ہے جو ضمیر شان کے واسطے مفسر ہو سکتے ہیں جملہ کو خبریہ کے ساتھ اس وجہ سے مقید کیا کہ جملہ انشائیہ ضمیر شان کی خبر نہیں ہو سکتا ہے مصنفؒ کا الجمل بصیغہ جمع ذکر کرنا النواع کے اعتبار سے ہے اور اگر الجمل الخبریۃ کہتا ہے تو وہ زیادہ ظاہر تھا قولہ مطلقاً جمل اسمیہ یا فعلیہ کے ساتھ مقید نہیں اور نہ اس کے ساتھ کہ اس کا فعل مبتدا خبر پر داخل ہونے والا ہوں۔ تو ان مفتوحہ ہر جملہ خبریہ پر داخل ہوتا ہے خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ خواہ اس کا فعل مبتدا و خبر پر داخل ہونے والا ہو یا مبتدا و خبر پر داخل ہونے والا نہ ہو۔

قولہ ودخلا فعلہا الخ یعنی فعلیہ کا فعل یعنی جملہ فعلیہ اور وہ افعال ناقصہ اور افعال قلوب میں سے فعل ہوگا پس فعل کی نسبت فعلیہ کی طرف جزء کی نسبت سے کل کی طرف کیوں کہ فعل فعلیہ کی جزء ہے پھر ظاہر یہ ہے کہ شارح داخلۃ کہتا مگر یہ کہا جائے کہ داخلۃ اس وجہ سے مذکر لایا کہ یہ وصف بحال المتعلق ہے یعنی قولہ فعلہا۔ قولہ وشذ اعمالہا ضمیر شان کے غیر میں مفتوحہ کا اعمال شاذ ہے لیکن بعض اہل اللغۃ نے سعۃ کلام میں ضمیر شان کے علاوہ ضمیر میں اعمال کو جائز رکھا ہے جیسے ان کا قول اظن انک قائم واحسب انہ ذاہب اور یہ شاذ غیر معروف

اور مفتوحہ مقدر میں عمل کرتا ہے اور اول ثانی سے اقویٰ ہے جواب دوام عمل مقدر میں جیسا کہ مفتوحہ میں ہے اسم ظاہر میں عمل

کا مقام ہو جائے گا پس بحسب الظاہر ترجیح لازم نہیں آئے گی جیسا کہ نفس الامر میں لازم نہیں آتی ہے بلکہ بظاہر...

لما بخل وانت صدیق ⁂ ویلزمها ای المفتوحة المخففة حال کونها مقرونة مع الفعل ای الفعل المتصرف بخلاف غیر المتصرف مثل ان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان عسیٰ ان یکون قد اقترب اجلهم السین نحو علم ان سیکون منکم مرضیٰ او سوف کقول الشاعر شعر واعلم فعلم المرء ینفعه ان سوف یاتی کل ما قدرا ⁂ او قد نحو لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربهم

اپنی جدائی کا تو میں کنجوسی نہ کرتا اس حال میں کہ دوست تھا اور اس کو لازم ہے یعنی ان مفتوحہ مخففہ کو اس حال میں کہ وہ فعل کے ساتھ مقرون ہو یعنی اس فعل کیساتھ ملا ہوا ہو جو گردان والا ہو بخلاف غیر متصرف فعل کے جیسے ان لیس للانسان الا ما سعیٰ اور دوسری مثال ان عسیٰ ان یکون قد اقترب اجلهم، سین کا داخل ہونا جیسے علم ان سیکون منکم مرضیٰ یا سوف جیسے شاعر کا قول شعر اور جان تو کہ انسان کا علم اس کو نفع دیتا ہے کہ بیشک آئے گی بیشک ہر وہ چیز جو تقدیر میں لکھی ہوئی ہے یا قد کا داخل ہونا جیسے لیعلم ان قد ابلغوا رسالت ربهم (تاکہ وہ جان لے

روایت ہے بہرحال ضرورت یعنی نظم الکلام فقط شعر میں آیا ہے شاعر نے کہا فلوانک الخ یہ شعر بحر طویل سے ہے الرخاء بالفتح بمعنی وسیع عیش رخاء کو خاص کر اس وجہ سے ذکر کیا کہ انسان بسا اوقات یوم الشدة میں علیحدہ ہو جاتے ہیں الصدیق بمعنی دوست اس میں واحد اور غیر واحد مذکر اور غیر مذکر برابر ہیں عورت کے واسطے صدیقہ بار کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے گویا یہ شاعر اپنی عورت کو خطاب کرتا ہے اپنے کو جود کے ساتھ موصوف کرتے ہوئے اور اپنی محبت اس سے ظاہر کرنے والا ہے اس طور پر کہ جس کو اختیار کرلی اس کو ترجیح دیتا ہوں اور اس کی عورت جس کو وہ اختیار کر رہا ہے حریص ہے اپنی رضا پر پس شاعر کہتا ہے اگر تو وصال کے دن مجھ سے یہ سوال کرے کہ میں تیرے سے جدائی مانگتی ہوں تو میں بالکل نہیں کہوں گا باوجودیکہ تو بھی دوست ہے. فارسی شاعر کہتا ہے ؎ ہجر بکہ بود رضائی دلبر + از وصل ہزار بہتر است.

قولہ ویلزمها الخ یعنی مفتوحہ مخففہ کو جس وقت کہ وہ فعل کے ساتھ مقرون ہو. شارح نے فرمایا کہ فعل سے مراد فعل متصرف ہے کیوں کہ اگر یہ ان مفتوحہ مخففہ فعل غیر متصرف کے ساتھ مقرون ہو تو پھر سین یا سوف یا قد یا حرف نفی ان میں سے کوئی بھی نہیں لایا جاتا ہے جیسے ان لیس للانسان الا ما سعیٰ یعنی ثواب طاعت اور عذاب معصیت سے انسان کے وہ جس کی اس نے سعی کی یعنی کسی کو کسی کا ثواب نہیں

دیا جاویگا اور نہ کوئی کسی کے عذاب میں پکڑا جاویگا اور جیسے ان عسیٰ ان یکون قد اقترب اجلهم غرضکہ ان مفتوحہ مخففہ جب فعل متصرف کے ساتھ مقرون ہوگا تو اس وقت اس کے ساتھ سین کا یا سوف کا یا قد کا حرف نفی کا لانا لازم ہوگا سین کی مثال جیسے علم ان سیکون منکم مرضیٰ (جان لیا کہ بیشک شان یہ ہے کہ عنقریب ہوگے تم میں سے کوئی بیمار) اور سوف کی مثال جیسے شاعر کا قول واعلم فعلم المرء الخ (پس جان تو مرد کا علم نفع دیتا ہے اس کو بیشک شان یہ ہے کہ ضرور آویگا اس کے پاس جو اس کے

واسطے مقرر کیا گیا اور قد کی مثال جیسے لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربهم (تاکہ جان لے وہ (اللہ) بیشک شان یہ ہے کہ پہنچا دیا انہوں نے اپنے رب کے پیغامات کو) معلوم ہو کہ مصنف نے مع الفعل کہا اس وجہ سے کہ ان مفتوحہ اگر اسم سے مقرون ہو یعنی جملہ اسمیہ اس کی خبر ہو یا یہ ان فعل کے ساتھ مقرون ہو اور فعل اداۃ الشرط کے ساتھ مقرون ہو تو اس وقت ان مفتوحہ مخففہ اور نافیہ میں یہ فرق کرنے والی چیزیں لازم نہیں ہوں گی چوں کہ ان مصدریہ کا دخول ان پر ممنوع ہے چوں کہ ان کی تاویل مصدر کے

ولزوم هذه الامور الثلثة للفرق بين المخففة وبين ان المصدرية الناصبة وليكون كالعوض من النون المحذوفة او حرف النفي نحو اولا يرون ان لا يرجع اليهم وليس لزوم حروف النفي الا ليكون كالعوض من النون المحذوفة فانه لا يحصل بمجرده الفرق بين المخففة والمصدرية فانه يجتمع مع كل واحد منهما فالفارق بينهما اما من حيث المعنى لانه ان عنى به الاستقبال فهي المخففة والا فهي المصدرية واما من حيث اللفظ لانه

کہ انہوں نے اپنے رب کی رسالت اور پیغام کو کو پہنچا دیا ہے اور ان مذکورہ تینوں امور کا لازم ہونا درحقیقت فرق کرنے کے لئے ہے ان مخففہ اور ان مصدریہ ناصبہ کے درمیان اور اس لئے تاکہ نون محذوفہ کی عوض کی طرح ہو جائے یا حرف نفی کا داخل ہونا جیسے اولا یرون ان لا یرجع الیہم اور حروف نفی کا لزوم نہیں ہے لیکن اس لئے تاکہ نون محذوفہ کے عوض کی مانند ہو جائے اس لئے کہ یہ فرق مصدریہ اور مخففہ کے درمیان مجرد فرق سے حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ دونوں کے درمیان فرق کرنے والا داخل ہو جاتا ہے۔ یا بحیثیت معنیٰ کے کیوں کہ اگر اس سے استقبال کے معنی کا ارادہ کیا جائے تو وہ مخففہ بن جاتا ہے ورنہ مصدریہ رہتا ہے اور یا پھر بحیثیت لفظ کے اس لئے کہ

ساتھ ممتنع ہے۔

قولہ لزوم ہذہ الامور الخ یعنی مذکورہ صورت میں ان تینوں میں سے کسی ایک کا لانا لازم اس وجہ سے ہے کہ ان کے لانے کی وجہ سے ان مخففہ کے درمیان اور ان مصدریہ ناصبہ کے درمیان فرق ہو جاتا ہے چوں کہ ان دونوں کے درمیان لفظاً اور معنیً التباس ہے لفظاً التباس تو ظاہر ہے اور معنی کے اعتبار سے التباس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مصدر کے حرف ہیں دوسری وجہ شارح

ولیکون الخ سے بیان کی کہ ان مخففہ میں سے ایک نون حذف ہو گیا تو جب ان مذکورہ میں سے کوئی ایک لایا جاوے گا تو وہ اس نون محذوفہ سے عوض کے مانند ہو جاویگا۔

قولہ او حرف النفی اس کا عطف قولہ قد پر ہے یعنی ان مفتوحہ مخففہ جب فعل منصرف کے ساتھ مل کر آتا ہے تو حرف نفی فعل کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے جیسے اولا یرون ان لا یرجع الیہ (گوشالہ کی پوجا

کرنے والے کیا یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی بات کا جواب نہیں دیتا ہے) معلوم ہو کہ یہاں پر حرف نفی سے مراد حرف لا ہے اور لم اور لیس مراد نہیں ہے کیوں کہ یہ دونوں حروف نفی سے نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں معنی نفی میں مستعمل ہیں، پس ان دونوں حرف نفی کے قیاس کی وجہ سے چھوڑ دیا جیسے علم ان لا یقم زیدٌ اور علم ان لن یقوم زید پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے کہ ان دونوں کو بھی ذکر کرنا چاہیئے تھا کیوں کہ یہاں پر کوئی معہود نہیں پس مصنف کا اطلاق اس کو مقتضی ہے حرف کی اضافت نفی کی طرف عہد کے واسطے نہیں ہے۔

قولہ ولیس لزوم حرف النفی یعنی حرف کا لزوم صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ حرف نفی نون محذوفہ کے عوض کے مانند ہو جاوے کیوں کہ محض حرف نفی سے مخففہ اور مصدریہ کے درمیان فرق حاصل نہیں ہوتا ہے کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے معلوم ہو کہ شارحؒ کالعوض (عوض کے مانند) فرمانا جیسا کہ اس سے قبل کالعوض فرمایا کیوں کہ یہ مذکورہ امور نون محذوفہ کا فائدہ دیتے ہیں۔

قولہ فالفارق بینہما شارح اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں تقریر اعتراض یہ ہے کہ جب حرف نفی ان مفتوحہ مخففہ اور ان مصدر ناصبہ دونوں کے ساتھ جمع ہوتا ہے پس اس وقت ان دونوں کے درمیان کوئی

فارق نہیں ہے پس شارح نے جواب دیا کہ بیان لفظاً اور معناً فارق موجود ہے بہر حال معنی کے اعتبار سے فارق اس لئے موجود ہے اگر اس سے استقبال مراد لیا جاوے پس وہ ان مفتوحہ مخففہ ہے اور اگر استقبال مراد نہ لیا جاوے پس وہ ان مصدریہ ہے۔ شرح جامی کے نسخوں میں اسی طرح ہے اور صواب یہ ہے کہ اگر اس سے استقبال مراد لیا جاوے تو ان مصدریہ ہے ورنہ پس وہ ان مخففہ ہے کیوں کہ ان مصدریہ فعل مضارع کو استقبال کے ساتھ خاص کرتا ہے نہ ان مخففہ۔ رہا فرق من حیث اللفظ تو وہ اس لئے کہ اگر فعل منفی منصوب ہے تو پس وہ ان مصدریہ ہے اور اگر فعل منفی منصوب نہیں تو وہ ان مخففہ ہی پس فالفارق میں فاء فصیحہ ہے یعنی اذا کان الامر ہذا فالفارق موجود موجود الفارق کی خبر محذوف ہے۔

قولہ اے لانشائہ یعنی کانّ جو کہ حروف مشبہ بالفعل سے ہے انشاء تشبیہ کے لئے موضوع ہے اور یہی غالب اور متفق علیہ ہے۔ شارح قدس سرہٗ نے لانشائہ سے اشارہ کیا کہ للتشبیہ میں مضاف محذوف ہے اصل میں لانشاء تشبیہ تھا اور تشبیہ مرو بعد مراد ہے یعنی دونوں کو معاً شریک کرنا جیسا کہ کان تنبیہ میں ہے اور انشاء سے اظہار مراد ہے اور کلام خبری کو انشائی بنانا مراد نہیں جیسا کہ لیت اور لعل میں کہ یہ دونوں کلام خبری انشائی بنا دیتے ہیں کیوں کہ کان زیداً الاسد قول صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے معلوم ہو کہ بعض نحات کے نزدیک یہ لازم ہے کہ کان کی خبر جامد ہو اور اگر اس کی خبر اسم مشتق ہو تو یہ اس وقت تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ اس وقت یہ تشکیک اور ظن کے واسطے ہوتا ہے جیسے کان زیداً قائمٌ اور کان زیداً فی الدار اور کان زیداً عندک اور کان زیداً یقوم کیوں کہ اگر اس وقت یہ تشبیہ کے لئے ہو تو تشبیہ شئی بنفسہٖ لازم آئے گی اس لئے حقیقتِ خبر یہی اسم ہے اور رضی میں ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس وقت بھی یہ تشبیہ کے لئے ہے اور اس کے معنی ہے کانک شخص قائمٌ مگر جب کہ موصول کو حذف کر دیا اور اسم کو بعینہٖ خبر بنا دیا تو خبر میں ضمیر اسم کی طرف لوٹتی ہے نہ مقدر موصوف کی طرف پس اسی وجہ سے کانّ الشئی

ان کان الفعل المنفی منصوباً فهی المصدرية والا فهی المخففة وكانّ للتشبيه اى لانشائه وهی حرف براسها على الصحيح حملاً على اخواتها ولان الاصل عدم التركيب ومن هب الخليل انها مركبة من الكاف وان المكسورة واصل كان زيداً الاسد ان زيداً كالاسد قدمت الكاف ليعلم انشاء التشبيه

اگر فعل منفی منصوب ہو تو وہ مصدریہ ہوگا ورنہ پس وہ ان مخففہ ہے اور کانّ تشبیہ کے معنی دینے کے لئے آتا ہے یعنی تشبیہ کے معنی کا انشاء کرنے کے لئے اور وہ یعنی کانّ مستقل ایک حرف ہے صحیح قول کی بناء پر حمل کرتے ہوئے اسکے اخوات پر اور اس لئے کہ ان میں اصل عدم ترکیب ہے یعنی مرکب نہ ہونا اور خلیل کا مذہب یہ ہے کہ یہ کاف اور ان مکسورہ سے مرکب ہے اور کان زیداً الاسد کی اصل ان زیداً کالاسد ہے کاف کو مقدم اس وجہ سے کیا گیا تاکہ اول وھلہ میں تشبیہ کا انشاء معلوم ہو جائے اور اس کے ہمزہ کو بولا جاتا ہے۔

معلوم ہو کہ یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں اور اس کے باوجود جو آدمی کان زیداً قائمٌ کہتا ہے اس کا مقصود قیام کے ساتھ گمان کا فائدہ دیتا ہے اور اس کو رجلٌ قائمٌ کے ساتھ تشبیہ دینا نہیں ہے نیز معلوم ہو کہ کان تحقیق اور تقریب کے واسطے بھی آتا ہے۔

قولہ وہی حرف براسہا اور وہ کان مستقل حرف ہے صحیح مذہب پر۔ یہ سیبویہ کا مذہب ہے معلوم ہو کہ لفظ کان میں اختلاف ہو رہا ہے بعض کے نزدیک مستقل حرف ہے اور منصوب مذہب ہے کیوں کہ حرف میں اصل ترکیب نہیں ہے دوسرے اس وجہ سے بھی کہ اس کی دوسری نظائر مرکب نہیں پس اپنے

من اول الامر وفتحت الهمزة لان الكاف فی الاصل جارة وان خرجت عن حكم الجارة والجارة انما تدخل علی المفرد فراعوا الصورة وفتحت الهمزة وان كان المعنی علی الكسر وتخفف ای كانّ فتلغی عن العمل علی الاستعمال الافصح لخروجها عن المشابهة لفوات فتحة الاخر كقول الشاعر شعر وَنحرٍ

فتحہ اس لئے دیا گیا ہے کہ کاف تو اصل میں جارہ ہے گو وہ جارہ کے حکم سے خارج ہوگیا ہے اور جارہ چوں کہ مفرد پر داخل ہوتا ہے اس لئے نحویوں نے صورت کی رعایت کی اور ہمزہ کو فتحہ دیدیا اگرچہ معنیً وہ کسرہ پر ہے اور مخفف کر دیا جاتا ہے یعنی کانّ پس وہ عمل سے بیکار ہو جاتا ہے فصیح استعمال پر مشابہت سے اس کے خارج ہو جانے کی وجہ سے آخر کے فتحہ کے فوت ہو جانے کی بنا پر جیسے شاعر کا قول شعر

نظائر پر بھی محمول ہونے سے اعتبار مرکب نہ ہو اور خلیل کا مذہب یہ ہے کہ کان کاف تشبیہ اور ان مکسورہ سے مرکب ہے پس اس کے نزدیک یہ تشبیہ اور تاکید کے واسطے ہے کان زیداً اسد اس کے نزدیک اصل میں ان زیداً کالاسد تھا کاف کو اشارہ تشبیہ کے واسطے مقدم کیا تاکہ وہ اول امر سے معلوم ہو جائے اور ہمزہ کو فتحہ دیا اس وجہ سے اصل میں کاف جارہ ہے اگرچہ یہاں جارہ کے حکم سے خارج ہو گیا ہے اسلئے کہ کلمہ کا جزء ہو گیا ہے اور جارہ صرف مفرد پر داخل ہوتا ہے پس صورت کی رعایت کی وجہ سے فتح دیدیا اگر ان میں مکسور ہے چوں کہ ان اداہ میں مستقل ہے اور آخر کی طرف محتاج نہیں — قولہ لان الکاف فی الاصل ربع حاصل یہ ہے کہ اصل میں یہ کاف جارہ ہے مگر چہ جر کے عمل کرنے سے خارج ہو گیا اسکے واسطے اثر نہ ہونے کی وجہ سے .....

کیوں کہ جب اس کو ان کے ساتھ ملا یا گیا تو مستقل کلمہ ہو گیا پس اس کا اثر جاتا رہا اور جارہ مفرد کے ساتھ مختص ہے کیوں کہ جر اسم کے خواص سے ہے اس وجہ سے انہوں نے کاف کی صورت کی رعایت کی اس لئے کہ اس کی صورت حرف ہے پس ان کے ہمزہ کو فتحہ دیدیا تاکہ صورت کے اعتبار سے اسم پر داخل ہو اگرچہ معنیً کسرہ پر ہیں .

قولہ فتحت الہمزۃ الخ انہوں نے ہمزہ ان کو فتحہ دیدیا اگرچہ معنیً کسرہ پر ہیں اور فتحہ اس وجہ سے دیا کہ مفتوحہ جملہ کو مفرد کی تاویل میں کرتا ہے تو صورت کے اعتبار سے کاف اسم مفرد پر داخل ہو گیا .

قولہ اے کان الخ یعنی کان کی تخفیف جائز ہے اس طور پر متحرک نون مع حرکت

کے حذف کر دیا جوں کہ اس کا استعمال کثیر ہے اور کثرۃ استعمال میں تشدید تقلیل ہوتی ہے

قولہ فتلغی عن العمل یعنی کان جب مخفف کر لیا جاتا ہے تو وجوب پر اس کے عمل کو لغو کر دیا جاتا ہے یعنی اس عمل کا لغو کرنا واجب ہوتا ہے استعمال افصح پر پس

قولہ علی الافصح میں الافصح کا موصوف محذوف ہے اور وہ الاستعمال ہے نہ المذہب کیوں کہ ظاہر یہ ہے کہ مذہب کی صفت اصح ہوتی ہے نہ افصح البتہ اس کا احتمال ہے کہ الافصح میں الف ولام مضاف الیہ کے عوض میں ہو یعنی علی افصح اللغات .

قولہ لخروجہا عن المشابہۃ یعنی افصح استعمال پر کان عمل سے لغو اس وجہ سے کر دیا جاتا ہے کہ وہ آخر کے فتحہ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے فعل کی مشابہت سے نکل گیا — یعنی بعض مشابہت لفظیہ جو فعل کے ساتھ اس کو تھی اس سے نکل گیا اور وہ اس کے آخر کا فتحہ کیوں کہ یہ کان تخفیف کے بعد اگرچہ رباعیہ سے نکل گیا لیکن اس وقت وہ ثلاثیہ ہو گیا اس کے بعد معلوم ہو کہ یہ دلیل صرف صحت الغاء کے واسطے ہے علی الافصح وجوب الغاء کے لئے نہیں ہے بعض ناظرین نے کہا ہے کہ میں کہتا ہوں یہ دلیل علی الافصح کان کے الغاء پر دلالت نہیں کرتی ہے جیسا کہ ان مخففہ میں کیوں کہ مشابہت لفظیہ کا فوت ہونا اس کے الغاء کے جواز کے واسطے سبب نہیں بلکہ وہ علی الافصح اس کے اعمال کا سبب ہے چونکہ بعض مشابہت لفظیہ باقی ہے مشابہت معنویہ کے بقاء کے مانند لیکن اس کا

مشرق اللون کان ثدیاہ حقان وان اعملتها قلت کان ثدییه لکنه علی الاستعمال الغیر الافصح لما عرفت واذا لم تعملها لفظاً ففیها ضمیر شان مقدر عندهم کما فی ان المخففة ویجوز ان یقال غیر مقدر بعدها الضمیر لعدم الداعی الیه کما کان فی ان المخففة ولکن وهی عند البصریین مفردة وقال الکوفیون هی مرکبة من لا وان المکسورة المصدریة بالکاف الزائدة واصله لا کان فنقلت کسرة الهمزة الی الکاف وحذفت الهمزة فکلمة لا

اور اگر تو اس کو عمل دے تو اس طرح کہے گا کان ثدییہ لیکن استعمال غیر فصیح کی بنیاد پر جیسا کہ تو نے پہچانا اور جب اس نے لفظاً عمل نہیں کیا تو اس میں ان کے نزدیک ضمیر شان مقدر ہوگی جس طرح ان مخففہ میں اور جائز ہے کہ کہا جائے کہ اس کے بعد ضمیر مقدر نہیں ہوتی اس کی طرف کوئی داعیہ نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح ان مخففہ میں تھا اور لکن اور وہ بصریوں کے نزدیک مفرد ہے اور کوفیوں نے کہا ہے کہ وہ مرکب ہے لا اور ان مکسورہ سے جو کہ کاف زائدہ سے شروع کیا گیا ہو اور اصل اس کی لا کان تھی پس ہمزہ کسرہ کاف کی جانب نقل کیا گیا اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا پس کلمۂ لا فائدہ دیتا ہے کہ بیشک اس

یہ قول کچھ نہیں چوں کہ معلوم ہو چکا کہ وہ صرف علت مصحح ہے۔

قولہ ونحر مشرق یہ بحر ہزج سے ہے اور واؤ اس میں رب کے معنی میں ہے النحر سینہ کا وہ حصہ جو کہ ہار کی جگہ ہوتا ہے اور وجہ بمعنی چہرہ روایت کیا جاتا ہے الاشراق روشن ہونا، چمکانا، روشن کرنا، الثدی بالفتح عورت کی پستان الحقان الحقہ کی تثنیہ یہ ضم کے ساتھ ہے ضرورۃً تثنیہ بناتے وقت اس سے تاء کو حذف کر دیا معنی شعر یہ ہے بہت سی ہنسلیاں روشن ہونے والا ہے اس کا رنگ اور سینہ والوں کی دونوں پستان گولائی اور اٹھاؤ میں دو ڈبوں کے مانند ہیں اس میں موضع استشہاد کان ثدیاہ ہے چنانچہ کان کو مخفف کر کے عمل سے لغو کر دیا اور ابن مالک کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب کان کو مخفف کر لیا جاتا ہے تو لغو نہیں کیا جاتا بلکہ ضمیر شان وغیرہ میں عمل کرتا ہے پس عمل کی تقدیر پر بیت کی تقریر یہ ہے کان الشان ثدیاہ حقان شاعر نے محبوبہ کے دونوں پستانوں کو دو ڈبوں سے تشبیہ دی ہے۔

قولہ وان اعملتها اگر اس شعر میں کان مخففہ کو عمل دو تو کَاَنْ ثدییہ کہے گا کیوں کہ تثنیہ کا نصب یاء کے ساتھ نہ الف کے ساتھ ہے لیکن اس کا اعمال غیر فصیح استعمال پر ہے چوں کہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ مشابہت سے نکل گیا۔

قولہ اذا لم تعملها لفظاً الخ جب تم لفظ کا اعتبار کان مخففہ عامل نہ قرار دو بلکہ تقدیراً اس کو عامل قرار دو اس سے شارح رح قدس سرہٗ کی یہ مراد ہے جب تم کان مخففہ اس جملہ میں عامل قرار نہ دو جو جملہ کہ اس کے بعد ہے تو اس کے بعد ضمیر شان مقدر ہوگی پس تم اس کو اس وقت ضمیر میں عمل کرنے والا بنا دو اس کی صورت کی رعایت کی وجہ سے چوں کہ ان مخففہ مفتوحہ ضمیر شان مقدر میں عمل کرتا ہے اور جائز ہے کہ یہ کہا جاوے کان مخففہ کے بعد ضمیر مقدر نہیں چوں کہ کان میں تخفیف کے بعد ضمیر شان کی طرف کوئی داعی اور سبب نہیں۔ جیسا کہ ان مفتوحہ مخففہ میں ضمیر شان مقدر کی طرف داعی موجود ہے اور وہ اضعف کو اقوی پر ترجیح دینا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل معلوم ہو چکی۔

قولہ مفردۃ یعنی لکن بصریوں کے نزدیک مفرد ہے جیسا کہ اس کی اخوات مفرد ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ اصل ترکیب کا نہ ہونا شارح نے یہاں دلیلوں کا ذکر نہیں کیا ماسبق پر کفایت کرتے ہوئے

تفید ان ما بعدھا لیس کما قبلھا بل ھو مخالف لہ نفیاً واثباتاً
وکلمۃ انّ تحقق مضمون ما بعدھا للاستدراک ومعنی الاستدراک
رفع توھم یتولد من الکلام المتقدم فاذا قلت جاءنی زید
فکانہ توھم ان عمراً ایضاً جاءک لما بینھما من الالفۃ فرفعت
ذلک الوھم بقولک لکن عمراً لم یجئ تتوسط ای لکن بین کلامین
متغایرین نفیاً واثباتاً معنیً ای تغایراً معنویاً والضروری

اس کا مابعد اس کے ماقبل جیسا نہیں ہے بلکہ وہ اس کا نفیاً واثباتاً مخالف ہے
اور کلمہ ان مابعد کے مضمون کی تحقیق کرتا ہے استدراک کے لئے آتا ہے اور استدراک
کے معنی اس وہم کو دور کرنا ہے جو کلام سابق سے پیدا ہوتا ہے پس جب تونے
جاءنی زید کہا تو گویا گمان کیا گیا کہ گویا عمر بھی تیرے پاس آتا ہے کیوں کہ ان
دونوں کے درمیان دوستی ہے تو تونے اس وہم کو اپنے اس قول سے دور کیا
کہ لکن عمراً لم یجئ اور درمیان میں آتا ہے یعنی لکن دو کلاموں کے جو دونوں کلام
نفی واثبات میں ایک دوسرے کے مغایر ہوتے ہیں باعتبار معنی کے یعنی دونوں

شارح ؒ نے یہاں حرف براسہا نہیں کہا
چوں کہ مفرد اخمل ہے دوسرے اس وجہ
سے مفرد کہا تاکہ مرکب کے ساتھ تعدیل
ہوجاوے۔
قولہ وقال الکوفیون الخ نحاۃ کوفی
کہتے ہیں کہ لکن لا اور ان مکسورہ جس کے
شروع میں کاف زائد لگا دیا سے مرکب
ہے اور اس کی اصل لاکان ہے اس کے
بعد ہمزہ کا کسرہ کاف کی طرف نقل کر دیا
گیا کاف کی حرکت ساقط کرنے کے بعد
تاکہ ایک حرف کا دو حرکتوں کے ساتھ
متحرک ہونا لازم نہ آوے اور ہمزہ کو
حذف کر دیا پس کلمہ لا اس کا فائدہ دینا
ہے کہ لکن کا مابعد ویسا نہیں جیسا کہ اس
کا ماقبل ہے بلکہ لکن کا مابعد لکن ماقبل
کے نفیاً اور اثباتاً مخالف ہے اور کلمہ
ان اس کے مضمون کی تحقیق کرتا ہے جو لکن
کے بعد میں ہے۔
قولہ للاستدراک یعنی لکن جو کہ حروف
مشبہ بالفعل سے ہے استدراک کے
واسطے موضوع ہے لغت میں استدراک
کے معنی کسی شی کا جاننا اور صراح میں استدراک
کے معنی تدارک مافات اس شئ کا پانا
جو فوت ہوگئی پس باب استفعال کا سین
طلب کے لئے نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ
الاستدراک کے معنی ہے سامع کا جاننے کو
طلب کرنا۔ ہر تقدیر پر اس کو معنی اصطلاحی
کی طرف نقل کرنا معنی عام سے شئ کو نقل
کرنا ہے خاص کی طرف اور اصطلاح
میں استدراک کے معنی شارح نے یہ بیان
کئے رفع توہم یتولد من الکلام المتقدم
یعنی ایسے توہم کا دور کردینا جو متقدم کلام
سے پیدا ہوا ہے معنی لغوی اور اصطلاحی
میں یہ مناسبت ہے توہم سابق کا
اٹھانا توہم کے ادراک کی فرع ہے۔
ورنہ رفع متصور نہیں ہوگا مثلاً جب تونے
کہا جاءنی زید (میرے پاس زید آیا)
تو گویا اس سے یہ وہم ہوا کہ عمر بھی متکلم
کے پاس آیا ہوگا چوں کہ زید اور عمر میں
باہم الفت اور محبت ہے تو متکلم لکن
عمراً لم یجئ کہکر اس وہم کو دور کردیا کہ
عمر نہیں آیا۔
قولہ تتوسط اے لکن یعنی لکن ایسے
دو کلاموں کے درمیان واقع ہوتا ہے
کہ وہ دونوں کلام نفیاً اور اثباتاً
متغائر ہوں معنی کے اعتبار سے اس طور
سے کہ اول کے معنی ثانی کلام کی نقیض
کے واسطے موہم ہو یعنی ضروری تغایر
بالنفی والاثبات تغایر معنوی ہے
اسی وجہ سے تغایر معنوی کے ذکر پر
مصنف اقتصار سے کام لیا اور تغائر
لفظی کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں لیکن
معنوی تغایر ضروری ہے تغایر معنوی
کے ساتھ تغائر لفظی اس مثال میں
ہے جاءنی زید لکن عمراً لم یجئ اور صرف
تغایر معنوی ہو نہ لفظی جیسے زید حاضر
لکن عمراً غائب، العالم حادث اور العدم لم

والمعنوی ولذا اقتصر علیہ واللفظی قد یکون نحو جاءنی زیدٌ لکن عمرًا لم یجیئ وقد لایکون نحو زید حاضر لکن عمرًا غائب و تخفف ای لکن فتلغیٰ عن العمل لخروجہا عن المشابہۃ واشبہت العاطفۃ لفظاً ومعنیً فاجریت مجراہا بخلاف اِن واَن المخففتین

میں تغایر معنوی ہوتا ہے اور ضروری و معنوی ہوتا ہے اسی لیے اس پر اکتفا کیا ہے اور تغایر لفظی کبھی ہوتا ہے جیسے جاءنی زید ولکن عمرًا لم یجئ اور کبھی نہیں ہوتا جیسے زید حاضر لکن عمرًا غائب اور تخفیف کر دیا جاتا ہے یعنی لکن کو پس وہ عمل سے بیکار ہو جاتا ہے اس کے خارج ہو جانے کی وجہ سے مشابہت سے اور وہ عاطفہ کے مشابہ ہو جاتا ہے لفظاً اور معنیً پس اس کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے بخلاف ان اور ان مخففہ کے کیوں کہ

قدیم یہ دونوں کلام نفیاً اور اثباتاً متغایر ہیں کیوں کہ العالم حادث العالم لیس بقدیم کی قوت میں ایسے ہی العالم قدیم العالم لیس بحادث کی قوت میں ہے۔ معلوم ہو کہ مصنف نے تو سط کے بعد لفظ بین کلامین ذکر کیا اب یہ بین کا ذکر یا تو تاکید کے لئے ہے اس وقت تو سط اپنے معنی پر ہے یا توسط میں تجرید کر لی گئی اور تقع کے معنی میں کر لیا گیا اور معنی کی تفسیر شارحؒ تغایراً معنویاً کے ساتھ کر کے اس سے اشارہ کیا کہ معنیً مصدر محذوف تغایراً کی صفت ہو کر متغایرین کا مفعول مطلق ہے۔

قولہ وتخفف الخ یعنی لکن میں اس طور پر تخفیف کر لی جاتی ہے اس کے نون مشددہ میں سے ایک نون متحرک مع حرکت کے حذف کر دیا اب لکن میں ایک نون ساکن رہ گیا اور یہ تخفیف اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ اس کا استعمال کثیر اور تشدید ثقیل ہے کثرت استعمال کا تقاضا ہے کہ اس میں تخفیف کی جائے شارحؒ چوں کہ اس کے ذیل میں اس کو بیان کر دیا اس وجہ سے یہاں پر اس کو بیان سے چھوڑ دیا۔

فتلغی الخ یعنی لکن جب تخفیف کر لیا جاتا ہے تو اس کو عمل سے لغو اور بیکار کر دیا جاتا ہے یعنی اس وقت عامل نہیں رہتا چوں کہ اس کی مشابہت فعل کے ساتھ اس اعتبار سے تھی کہ اس کا آخر مفتوح ہے اور یہ اس وقت تام تھی جب تخفیف کر لیا گیا اگر چہ فعل کے ساتھ جو مشابہت بالکلیہ تو نہیں کی گئی لیکن اس کی مشابہت میں نقصان آ گیا اور اس وقت لکن چوں کہ حروف عاطفہ سے ہے اس کے ساتھ لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ہو گی اور وہ عمل نہیں کرتا ہے پس اس وجہ سے اس لکن کو لکن حرف عطف پر جاری کر دیا۔

بخلاف ان مکسورہ مخففہ اور ان مفتوحہ مخففہ دوسرا کلمہ ان کے مماثل نہیں پایا گیا کہ اس پر ان کو جاری کیا جاوے پس بعض مشابہت لفظی کا فوت ہونا یہ الغاء کی علت منحصر ہے جیسا کہ معلوم ہوا پس اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا خواہ قولہ لخروجہا کو مع قولہ اشبہت کے ایک علت بتائی جاوے یا ہر ایک الگ الگ علت بتائی جاوے۔

قولہ لفظاً ومعنیً لکن مخففہ کی مشابہت لکن عاطفہ کے ساتھ لفظاً تو وہ ظاہر ہے کیوں کہ تخفیف کے بعد لکن لفظاً عطف کے لکن کے مانند ہے اور لکن مخففہ کی مشابہت لکن عاطفہ کے ساتھ معنیً پس یہ اس لیے ہے کہ لکن عاطفہ بھی اس توہم کو دور کرنے کے لیے جو سابق کلام سے پیدا ہوتا ہے پس جب عاطفہ عامل نہیں تو لکن مخففہ کو بھی عامل قرار نہیں دیا اس مذکورہ مشابہت کی وجہ سے۔

قولہ ان وان المخففتین فانہ لیس الخ یعنی ان مکسورہ مخففہ اور ان مفتوحہ مخففہ لکن مخففہ کے برخلاف ہیں یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے ان مکسورہ مخففہ اور ان مفتوحہ مخففہ یہ دونوں ان نافیہ کے مشابہ ہو گئے لفظی مشابہت کے اعتبار سے باوجود اس کے ان کو نافیہ کے جگہ جاری کر کے غیر عامل قرار نہیں دیتے ہیں کیوں کہ ان نافیہ غیر عامل ہے تقریر جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے واسطے ایسی چیز نہیں ہے جس پر ان دونوں کو جاری کیا جاوے یہاں ان دونوں کو الگ کے

فانه ليس لهما ما اجرتيا عليه وفي بعض النسخ على الاكثر وكانه اشارة الى ما جاء عن يونس والاخفش انه يجوز اعمالها قياسًا على اخواتها المخففة وقال الشارح الرضي ولا اعرف له شاهدًا ويجوز معها مشددة او مخففة الواو وهي اما العطف الجملة على الجملة واما اعتراضية وجعل الشارح الرضي الاخير اظهرهما، وليت

یہ جس کے قائم مقام کئے جاتے ہیں اس کے معنی میں نہیں ہوتے اور بعض نسخوں میں علی الاکثر کی قید ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے اس قول کی جانب جو یونس اور اخفش سے منقول ہے کہ اس کو عمل دینا جائز ہے اس مخففہ اخوات پر قیاس کرتے ہوئے اور شارح رضی نے کہا ہے کہ میں اس کی کوئی مثال شہادت میں نہیں پاتا اور جائز ہے اس کے ساتھ مشددہ اور مخففہ ہونے کی صورت میں واد کا لانا اور یہ واو یا جملہ کو جملہ پر عطف کرنے کیلئے ہوتا ہے اور یا معترضہ ہوتا ہے اور اور شارح رضی نے آخر کو اظہر کہا ہے اور حرف لیت تمنی کے لئے

لفظاً اور معنیً مشابہ قرار دیا جائے پھر ان دونوں کو غیر عامل قرار دیں چوں کہ مشابہت معنو یہ منتفی ہے کیوں کہ ان مکسورہ مخففہ اثبات کے لئے آتا ہے بخلاف ان نافیہ کے کہ وہ نفی کے لئے آتا ہے پس ان مفتوحہ مخففہ ان مصدریہ کے ساتھ لفظی مشابہت ہے اور ایسے ان مکسورہ مخففہ کو ان نافیہ کے ساتھ لفظی مشابہت ہے معنوی مشابہت نہیں ہے۔

قولہ فی بعض النسخ علی الاکثر یعنی کافیہ کے بعض نسخوں میں علی الاکثر کا لفظ ہے اس کا یہ مطلب ہوا لکن تخفیف کے بعد اکثر مقامات پر عمل نہیں کرتا البتہ بعض لغات پر عمل کرتا ہے اس سے مصنف نے اس کی طرف اشارہ کر دیا جو یونس اور اخفش سے منقول ہو کر آیا ہے یہ کہتے ہیں لکن کو تخفیف کا عامل بنانا جائز ہوتا ہے یہ اس لکن مخففہ اس کی نظائر مخففہ پر قیاس کرتے ہیں قیاسًا یجوز کا مفعول لہٗ ہے اور قیاسًا سے مراد مقیسًا ہے پس اس وقت فعل کا فاعل اور مفعول لہٗ کا فاعل متحد ہو جاویگا اور وہ اعمال اور یہ کہنا کہ فعل معلل تجویز ہے جو یجوز سے مفہوم ہوتا ہے پس اس وقت دونوں کا فاعل ایک ہوگا یعنی متکلم پس یہ قول بُعد سے خالی نہیں ہے۔

قولہ وقال الشارح الرضی الخ شارح رضیؒ نے فرمایا میں لکن عامل ہونے کے واسطے کوئی شاہد نہیں جانتا ہوں اس سے شارحؒ پہلے نسخہ کے ترجیح کی طرف اشارہ کر دیا یعنی لکن تخفیف کے بعد عامل ہو اس کے واسطے کوئی شاہد نہیں، پس اخفش اور یونس کہتے ہیں یہ ان کا محض قیاس ہے جب کہ ان کے واسطے شاہد اور سند نہیں ہے۔

قولہ ویجوز معہا الخ یعنی لکن خواہ مشددہ ہو یا مخففہ ہو اس کے ساتھ واد کا لانا جائز ہوتا ہے۔ شارحؒ لکن میں مشددہ اور مخففہ کہکر ان پر رد کر دیا جو کہتے ہیں کہ واد مشددہ کے ساتھ مختص ہے اور مخففہ میں جائز نہیں ہوتا کیوں کہ مخففہ لکن حرف عطف ہے لہٰذا حرف عطف کا لانا اس سے پہلے درست نہیں پس شارح نے اس کی طرف التفات نہیں کیا کیوں کہ اس وقت لکن مخففہ عطف کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی عطف صرف واد نہیں ہے علاوہ اس کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت یہ واو اعتراضیہ ہے غرضیکہ یہ واو یا تو عطف الجملہ علی الجملہ کے لئے ہے یا یہ واو اعتراضیہ ہے شارح رضیؒ نے اخیر یعنی واد کے اعتراضیہ ہونے کو اظہر قرار دیا ہے غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ واد عاطفہ جمع کے واسطے آتا ہے اور متکلم کا مقصود جاءنی زید ولکن عمرًا لم یجیٔ سے صرف دو متغائر حکموں کا فائدہ دینا نہیں ہے بلکہ سامع کو خبر دینا ہے یہ دونوں متغائر حکم نفس الامر میں متحقق ہیں پس اگر اس کا مقصود یہ ہوتا تو جاءنی زید لم یجیٔ عمرو کہتا بلکہ محض مقصود متکلم کا اس توہم کو دور کرنا ہے جو کلام سابق سے پیدا ہونے والا ہے پس قولہ لکن عمرًا لم یجیٔ اول کلام کے اتمام کے واسطے ہے۔ اور واد اعتراض کے واسطے ہوگا۔ اعتراض

للتمنی ای لانشائه فتدخل علی الممکن نحو لیت زید أقائم و علی المستحیل نحو لیت الشباب یعود واجاز الفراء لیت زیداً قائماً بنصب المعمولین بناء علی ان لیت للتمنی فکانه قیل اتمنی زیداً قائماً ای اتمناه کائنا علی صفة القیام فالجزان منصوبان علی المفعولیة بمعنی لیت واجاز الکسائی نصب الجزء الثانی

آتا ہے یعنی اس کے انشاء کے لئے پس ممکن پر داخل ہوتا ہے جیسے لیت زیدٌ قائمٌ اور محال پر بھی جیسے لیت الشباب یعود اور فراء نحوی نے لیت زیداً قائماً کو جائز کہا ہے یعنی اس کے دونوں معمولوں کو نصب اس بنا پر کہ لیت تمنی کے لئے آتا ہے پس گویا کہ کہا گیا۔ اتمنی زیداً قائماً یعنی میں تمنا کرتا ہوں اس کو کہ صفتِ قیام پر متصف ہونا۔ پس دونوں جزء مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہوتے ہیں اور لیت کے معنی میں ہوتے ہیں اور کسائی نحوی نے جزء ثانی کے نصب

توہم کے دور کرنے کے واسطے اعتراض کلام کے آخر میں نہیں ہوتا ہے جواب توہم کا دفع لکن سے مستفاد ہے ذکر واو سے معلوم ہو کہ شیخ رضیؒ کا مختار یہ ہے کہ اعتراض کلام کے آخر میں ہوتا ہے اسی وجہ سے اس نے یہ کہا کہ واو ان وصلیہ میں اعتراض کے لئے ہے اور اسی پر محققین ہیں۔

قولہ ولیت للتمنی الخ یعنی لیت انشاء تمنی کے لئے آتا ہے انشائیہ کہکر شارح نے اشارہ کر دیا کہ مضاف محذوف ہے پس یہ لیت چونکہ انشاء تمنی کے واسطے آتا ہے اس وجہ سے ممکن پر بھی داخل ہوگا جیسے لیت زیداً قائم اور مستحیل اور ناممکن پر بھی داخل ہوگا جیسے لیت الشباب یعود معلوم ہو کہ تمنی اور ترجی میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ترجی صرف ممکنات میں ہوتی ہے اور تمنی ممکنات اور مستحیلات (ناممکنات) دونوں میں ہوتی ہے۔

قولہ لیت الشباب یعود کاش کہ جوانی وہ لوٹ آوے جوانی کا لوٹ آنا محال عادی ہے اور محال عقلی نہیں لہذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا حضرت زلیخا کی جوانی لوٹ آئی اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ یہ مضاف کے حذف پر ہے یعنی لیت زمان الشباب یعود۔

قولہ واجاز الفراء الخ فراء نے لیت زیداً قائماً کو جائز رکھا یعنی دونوں معمولوں کے نصب کے ساتھ یعنی فراء لیت کے بعد قیاس مطرد کے اعتبار سے دونوں جزؤں کے نصب کو جائز رکھتا ہے اور اس امر پر لفظ اجاز دلالت کرتا ہے پس اب یہ اعتراض نہیں پڑیگا کہ اس ترکیب کے جائز ہونے میں اختلاف نہیں بلکہ خلاف صرف اس کی توجیہ میں ہے جیسا کہ شارح کا بیان اس پر دلالت کرتا ہے اور یہ صرف اس میں ہے جو استعمال میں واقع ہوا فراء کا دونوں معمولوں کو نصب کے ساتھ جائز رکھنا اس پر مبنی ہے کہ لیت تمنی کے لئے ہو پس گویا کہ اتمنی زیداً قائماً کہا یعنی میں یہ آرزو کرتا ہوں کہ زید صفتِ قیام پر ہونے والا ہو اور تمنی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے پس دونوں جزء لیت کے معنی (اتمنی) کے ساتھ مفعولیت پر منصوب ہیں پس جو لیت زیداً قائماً کہتا ہے تو گویا کہ اتمنی زیداً قائماً کہتا ہے

قولہ واجاز الکسائی الخ کسائی کہتا ہے کہ لیت زیداً قائماً میں دوسرا جزو کان مقدر کی وجہ سے ہے کسائی کی یہ توجیہ نکرہ اور معرفہ دونوں میں جاری ہوتی ہے۔

قولہ وتمسکہما الخ یعنی یہ دونوں جس سے دلیل پکڑتے ہیں وہ شاعر کا یہ قول ہے ع یالیت ایام الصبا رواجعا پس فراء کہتا ہے کہ لیت کے معنی اتمنی پس ایام الصبا اور رواجعا دونوں معنی لیت جو اتمنی ہے اس کی وجہ سے منصوب ہے اور کسائیؒ اس کی تقدیر لیت ایام الصبا کانت رواجعاً اس بنا پر منصوب ہے رواجعاً کانت مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور محققین کہتے ہیں قولہ رواجعاً اس بنا پر منصوب ہے کہ یہ اس ضمیر سے حال ہے جو لیت خبر محذوف

بتقدیر کان و متمسکھما قول الشاعر ع یالیت ایام الصباء رواجعاً فالفراء یقول معناہ اتمنی ایام الصباء رواجعا والکسائی یقول لیت ایام الصباء کانت رواجعاً والمحققون علی ان رواجعاً منصوبٌ علی انہ حال من الضمیر المستکن فی خبرھا المحذوف ای لیت ایام الصباء لنا کائنۃ حال کونھا راجعۃ ولعل

کو جائز کہا ہے کان کی تقدیر کے ساتھ شاعر کے قول سے استدلال کرتے ہوئے شعر اے قوم کاش صبار کے ایام واپس آجاتے پس فرار نحوی کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اتمنی ایام الصبار رواجعاً اور کسائی کہتا ہے کہ اس کے معنی ہیں لیت ایام الصبار کانت رواجعاً کے ہیں اور محققین نحوی اس بات پر ہیں رواجعاً منصوب ہے اس بنار پر کہ وہ ضمیر مستتر سے حال واقع ہے جو اس کی خبر محذوف میں پوشیدہ ہے یعنی معنی یہ ہیں کہ لیت ایام الصبار لنا کائنۃ حال کونہا راجعۃ

میں پوشیدہ ہے لیت ایام الصبا لنا کائنۃ حال کونہا راجعۃ شیخ عبدالحکیم رح فرماتے ہیں کہ کائنۃ لنا سے بدل ہے شیخ مذکور نے اس سے اس طرف اشارہ کیا جار مجرور حال محذوف کا نائب بن کر اس کی ضمیر کی تحمیل کرسکتا ہے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیت کے بعد دونوں جزؤں کے منصوب ہونے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ سب کا اتفاق ہے۔ اختلاف صرف توجیہ میں ہے۔ سوال مصنف رح نے اجاز الفراء کیوں کہا و یجوز نصب الجزئین بعد ہا کیوں نہیں کہا جواب محققین کے نزدیک لیت کے بعد دونوں جزؤں کا نصب مورد سماع پر محصور ہے اور فرار اس کو قاعدہ کلیہ کی طریق پر جائز رکھتا ہے اس وجہ سے شعر مذکور پر قیاس کرکے لیت زیداً قائماً کو جائز کہا ہے پس

قولہ اجاز الفراء الخ کا مطلب یہ ہے فرار لیت کے بعد دونوں جزؤں کے نصب کو قیاساً مطرداً جائز رکھتا ہے۔

قولہ یالیت ایام الصبار یہ بیت بحر رجز سے ہے یا حرف ندا اور منادی محذوف الصبار بالفتح ممدود بچپن اور جوانی اور بچپن اور جوانی کی طرف رغبت کرنا نصر سے رواجعاً راجع کی جمع کیوں کہ یہ یوم کی صفت اور وہ مالا یعقل سے ہے اور واو بمعنی بل ہے انتقال کے واسطے جملہ کی اور لیت پر معطوف کیوں کہ لیت المتمنی کے معنی میں ہے اور العقیق بفتح العین مدینہ طیبہ میں ایک وادی کا نام ہے رواتع مراتع کی جمع ہے رفعت الماشیۃ رتوعاً سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہے چرنا اور کھانا شعر کے معنی یہ ہیں

اے قوم میں آرزو کرتا ہوں جوانی کے دنوں کے لوٹنے کی ملکہ میں وادی عقیق میں کھانے والا تھا جو چاہتا تھا ہد اس میں یہ ہے کہ لیت کو المتمنی کی جگہ میں جاری کیا پس اس نے دونوں جزؤں جو کہ ایام الصبا اور رواجعاً نصب دیا یہ فرار کے نزدیک ہے قولہ حال کونہا راجعۃ یعنی وقت ہونے ان ایام کے پس خبر محذوف ہے اور قولہ کائنۃ اسمیں ایام کی طرف لوٹتی ہے شارح رح لنا کائنۃ کہا اور کائنۃ لنا نہیں کہا تاکہ متعلق ظرف خبر پر مقدم ہو جاوے کیوں کہ النسب یہ ہے کہ خبر اس کا اسم متصل ہو اور متعلق ظرف اس سے متاخر ہوسکتا ہے کیوں کہ ظروف میں التساع جوان کے غیر میں ہے پس اب یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ اولی کائنۃ لنا کہنا چاہیے تھا اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ محذوف خبر لنا ہے اور کائنۃ متعلق ہے۔

قولہ ولعل للترجی اور لعل ترجی یعنی انشاء ترجی کے لئے ہے ترجی ترجیٰ یترجیٰ کا مصدر ہے اور یہ لعل اس پر داخل ہوتا ہے جو امر کہ ممکن ہو اور اس کے واقع ہونے کا انتظار کیا گیا ہو چنانچہ شارح رح نے فرمایا کہ لعل مستحیل یعنی امر ناممکن پر داخل نہیں ہوتا اور اس کے معنی ہیں ایسے امر کی توقع اور انتظار جو امید کیا ہو یا اس سے خوف کیا ہوا ہو اوّل کی مثال لعلکم تفلحون یہ مثال امر مرجو کے توقع کی ہے کیوں کہ نجاۃ امر مرجو ہے۔ یعنی توبہ کرو امید ہے کہ نجاۃ اور فلاح پالو اور لعل الساعۃ قریب ساعت کے

للترجی ای لانشائه ولا ندخل علی المستحیل ومعناه توقع امر مرجوّ او مخوف کقوله تعالیٰ لعلکم تفلحون ولعل الساعة قریب والغالب هو الاوّل وشذ الجر بها ای بکلمة لعل کما جاء فی اللغة العقیلیة وانشد السیرا فی فی ذلك شعر وداع دعانا من یجیب الی الندیٰ فلو یستجبه عند ذاك مجیب فقلت ادع اخریٰ وارفع الصوت دعوة

اور حرف لعل ترجی کے لئے آتا ہے یعنی اس کی انشاء کے لئے اور یہ محال پر داخل نہیں ہوتا اور اس کے معنی ہیں کسی وابستہ امید کی آرزو کرنا توقع کرنا یا کسی خوف زدہ امر کی توقع کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول لعلکم تفلحون ولعل الساعۃ قریب اور اول غالب ہے اور اس کے ذریعہ جر دینا شاذ ہے یعنی کلمہ لعل کے ذریعہ جیسا کہ لغت عقیلیہ میں آیا ہے اور اس پر سیرافی نے شعر کہا ہے شعر اور بلانے والے نے ہم کو بلایا جو قبول کرے سخاوت کی طرف پس اس کو جواب نہیں دیا اس پکار کے وقت کسی جواب دینے والے نے تو میں نے کہا دوسرے کو پکار اور پکار نے

معنی قیامت ہے یہ امر مخوف کی مثال ہے کیوں کہ قرب ساعت میں خوف ہے یعنی کونسی چیز ہے کہ تجھکو بتاوے. شاید کہ وزن کا دن یا قیامت کا دن قریب یعنی نزدیکی والا ہے .

قولہ والغالب ہو الاول یعنی لعل زیادہ تر اول معنی میں مستعمل ہے یعنی امر مرجو کی توقع میں .

قولہ وشذ الجر بہا اس کے ساتھ یعنی کلمہ لعل کے ساتھ جر کا آنا شاذ ہے. مصنف کی عبارت میں ضمیر جو بہا میں ہے لعل کی طرف لوٹتی ہے اور لعل حروف معانی میں سے مذکر ہے پھر ضمیر مؤنث ہا اس کی طرف لوٹنا کیسے جائز ہو تو شارح نے کلمہ لفظ کی تقدیر کرکے جو مضاف ہے بتا یا کہ کلمہ کی تاویل کے اعتبار سے ضمیر مؤنث اس کی طرف لوٹ گئی اور یہ جو کہا جاتا ہے ہر حرف مؤنث ہے اس سے مراد حرف تہجی ہے اور حروف معانی نہیں حروف معانی مذکر بولے جاتے ہیں غرضکہ لعل کا جر دینا شاذ ہے جیسا کہ لغت عقیلیہ میں آیا ہے العقیلیہ عقیل کی طرف منسوب ہے عقیل عقل کی تصغیر ہے عقلیہ عرب کا ایک قبیلہ ہے .

قولہ انشد الخ یعنی لعل سے جر کے آنے میں سیرافی استشہاد میں یہ شعر پڑھا. انشاد کے معنی شعر پڑھنا ہے یہ شعر کعب غنوی کا اس کے اپنے بھائی ابی المغوار کے مرثیہ میں کہا یہ بحر طویل سے ہے وداع میں واو بمعنی داع اصل میں داعی تھا ماخوذ عاد یعود دعودا بمعنی پکار بلانا یجیب اجابۃ سے جواب دینا الندیٰ بفتح النون بمعنی عطا ابی المغوار بکسر المیم وسکون العین المعجمۃ ایک مرد کی کنیت ہے اور یہ لعل کا اسم ہے اور اصل پر ابا المغوار بھی روایت کیا جاتا ہے اور قریب دونوں روایتوں پر خبر ہے. ترجمۂ شعر یہ ہے بہت پکارنے والے کو پکارا انہوں نے

ہم کو کون اجابت کرتا ہے بخشش کی طرف پس نہ جواب دیا کسی جواب دینے والے نے اس وقت پس میں نے کہا پکار تو دوسری مرتبہ اور بلند کر تو آواز کو باعتبار پکارنے کے شاید کہ ابی المغوار تیرے سے قریب ہے تیری آواز کو وہ سنے اور تجھ کو کچھ دے. تمثیل سے مقصود ابی المغوار ہے کہ اس کو جر کے ساتھ پڑھا گیا اور شاعر نے ابا المغوار نصب کے ساتھ نہیں

کہا قولہ اجیب عنہ الخ یعنی ابی المغوار لعل کی وجہ سے بالاصالۃ مجرور نہیں بلکہ یہ حکایت کے طریقہ پر ہو سکتا ہے ایسے ہی مصنف نے اپنی شرح میں کہا اور حکایت کا بیان یہ ہے ابی المغوار کسی دوسری جگہ میں مجرور تھا شاعر نے اس کو اسی طریقے پر بول دیا یہ لعل سے جر بالاصالۃ نہیں اور لعل سے جر کا آنا بالاصالہ ممنوع ہے اور بطریق حکایت ممنوع نہیں ہے .

قولہ او کان الخ یہ دوسرا جواب ہے اس کا عطف اجیب یا قولہ یحتمل پر ہے

لعل ابی المغوار منك قريب» واجيب عنه بانه يحتمل ان يكون على سبيل الحكاية كذا قال المصنف فی شرحه يعنی انه وقع مجروراً فی موضع اٰخر فالشاعر حكاه على ما كان عليه او كان اشتهر ذلك الرجل بابی المغوار بالياء فيجب ان يحكی فی الاحوال الثلٰث بالياء ولعل مراد المصنف بما ذكر من التاويل ان هٰذا البيت يحتمل ان لا يكون من قبيل هٰذه اللغة الشاذة والا فلا حاجة الى التاويل بعد ما جزم لوجود الجر بها وحكم بشذوذه الحروف العاطفة العطف فی اللغة الامالة ولما كانت هٰذه الحروف تميل المعطوف الى المعطوف عليه سُميت عاطفة وهی الواو والفاء وثم وحتی واو واما بكسر الهمزة وام ولا وبل ولكن وعد

میں آواز کو بلند کر، شاید ابی مغوار تیرے قریب میں ہو اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے یہ مثال بطور حکایت لائی گئی ہو مصنف نے بھی اپنی شرح میں یہی کہا ہے یعنی وہ دوسری جگہ مجرور واقع ہوا ہے پس شاعر نے اس کی حکایت کی ہے جس پر وہ تھا یا پھر وہ شخص ابی المغوار کے نام سے مشہور ہو گیا تھا یعنی یاء کے ساتھ لہٰذا پس تینوں حالتوں میں واجب ہے کہ اس کی حکایت یاء کے ساتھ کی جائے اور شاید مصنف کی مذکورہ تاویل کہ بیشک یہ شعر احتمال رکھتا ہے کہ یہ لغتِ شاذہ کی قبیل سے نہ ہو ورنہ پس تاویل کی حالت نہ تھی بعد اس کے کہ اس نے اس کے ذریعہ جر کے پائے جانے کا یقین کر لیا تھا اس کو شاذ کہنے کی۔ **حروف عاطفہ** عطف کے معنی لغت میں امالہ کے ہیں اور جب کہ یہ حروف عاطفہ معطوف کو معطوف علیہ کی جانب مائل کرتے ہیں تو ان کا نام عاطفہ رکھدیا گیا اور وہ واو، فاء، ثم، حتی، او اور اما ہیں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اور اَم، لا، بل، اور لکن ہیں اور بعض نحویوں

یہ مرد ابی المغوار کے ساتھ مشہور ہو گیا جو کہ یاء کے ساتھ ہے پس اس وجہ سے	یہ ضروری ہو گیا کہ تینوں حالتوں میں یاء کی حکایت کیا جاوے

قولہ لعل مراد المصنف اس عبارت سے شارحؒ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مصنفؒ نے اس کتاب میں یہ کہا کہ لعل کے مدخول کو لعل کی وجہ سے جر کا آنا شاذ ہے اور یہ لغتِ عقیلیہ سے ہے اور مصنف نے اپنی شرح میں بتایا کہ یہاں پر جر بطریق حکایت کے ہے اور بالاصالۃ نہیں ہے اور حکایت کے درمیان اور اس حکم کے درمیان کہ جر لعل نے دیا ہے تنافی ہے کیوں کہ حکایت دلالت کرتی ہے کہ مدخول لعل کا مجرور ہونا لعل کی وجہ سے نہیں باوجود اس کے کہ لعل کے ساتھ جر کے آنے کا یقینی حکم کیا کہ یہ جر کا اس کے ساتھ آنا شاذ ہے یعنی جر لعل سے آیا اور یہ شذوذ کے طریقہ پر ہوا جواب یہ ہے کہ لعل کے ساتھ جر کے آنے پر حکایت کے ساتھ حکم نہیں بلکہ حکایت کے ساتھ حکم اس کے مقابلہ میں کیا کیوں کہ لعل سے جر کے ہونے کا حکم لگا تا کہ وہ شاذ ہے لغتِ عقیلیہ کے اعتبار سے اور تاویل اس لغت کے غیر کے اعتبار سے ہے۔

قولہ للعطف الخ یعنی الحروف کی صفت العاطفۃ العطف سے مشتق ہے لغت میں عطف کے معنی امالہ یعنی جھکا دینا کے اور چوں کہ یہ حروف معطوف کو معطوف علیہ کی طرف مائل کرتے ہیں اس وجہ سے ان حروف کا نام حروف عاطفہ رکھدیا گیا اور وہ حروف عاطفہ یہ ہیں واو اور فاء اور ثم اور حتی اور او اور اِمّا جو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اَما جو

بعضهم اي المفسّرة منها وعند الاكثرين انّ مابعدها عطف بيان لما قبلها كما ذهب بعض أخر الى ان بل التي بعدها مفرد نحو جاءني زيد بل عمرو وماجاءني زيد بل عمرو ليست منها لان مابعدها بدل غلطٍ مما قبلها وبدل الغلط بل ونها غير فصيح واما معها ففصيح مطرد في كلامهم لانها موضوعة لتدارك مثل هذا الغلط فالاربعة الاول

نے ای مفسرہ کو بھی انہیں میں شمار کیا ہے اور اکثر کے نزدیک اس کے بعد عطف ہوتا ہے جو ماقبل کا بیان واقع ہوتا ہے جیسا کہ بعض دوسرے نحوی اس طرف گئے ہیں بل جس کے بعد مفرد واقع ہو جیسے جاءنی زید بل عمرو اور ماجاءنی زید بل عمرو میں ان میں سے نہیں ہے کیوں کہ اس کا مابعد بدل الغلط ہے ماقبل سے۔ اور اس کے بغیر بدل غلط غیر فصیح ہے اور بہر حال اس کے ساتھ تو پس فصیح بھی ہے۔ اور مطرد شائع بھی ہے ان کے کلام میں کیوں کہ وہ اس قسم کی غلطی کے تدارک کیلئے وضع کیا گیا ہے پس اول چار

ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے حرف شرط ہے اور ام اور لا اور بل اور لکن معلوم ہو کہ اس میں بھی مبتدا ہے اور ان حروف کا مجموعہ خبر ہے ہر واحد حرف خبر نہیں یعنی ربط پر عطف مقدم ہے۔

قولہ ثم اور ثم حروف عاطفہ میں سے اور کبھی اس کے ساتھ تاء لگا دی جاتی ہے اس وقت جملوں کے عطف کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے جیسے قلت لا یعنینی اس میں قلت لا یعنینی جملہ کا عطف مضیت جملہ پر ہو رہا ہے۔

قولہ بعضہم ای الخ یعنی ای مفسرہ کو بعض نحاۃ نے حروف عاطفہ سے شمار کیا چنانچہ سکاکی اور صاحب المستوی اور ابو العباس ان سب نے ای مفسرہ کو حرف عطف قرار دیا اور کوفی بھی اسی طرف گئے ہیں اور اکثر نحاۃ یہ کہتے ہیں اس کا مابعد اپنے ماقبل کے لئے عطف بیان ہوتا ہے اور ای کا ضمیر مجرور کے لئے بلا اعادہ جار کے مفسر ہوتا ہے اور ایسے ہی ضمیر مرفوع کے واسطے ای مفسر ہوتا ہے منفصل سے تاکید کے بغیر یہ اکثر نحاۃ کے مذہب کو قوی کرتا ہے اس وجہ سے اسے حرف عطف نہیں ابن ہشام کہتا ہے کہ حرف عطف کبھی ساقط ہونے یعنی حذف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اور ای ہمیشہ حذف ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس وجہ سے ای کو حرف عطف نہیں کہا جا سکتا ہے۔

قولہ کما ذہب بعض الخ بعض نحوی کہتے ہیں وہ بل جس کے بعد مفرد واقع جیسے جاءنی زید بل عمرو اور ماجاءنی زید بل عمرو حرف نہیں ہے بلکہ اس بل کا مابعد بل کے ماقبل سے بدل الغلط ہوتا ہے پس جس طرح ای کو حرف عطف شمار کرنے سے حروف دس پر زیادہ ہو جاتے ہیں اسی طرح بل کو کلمہ بل کے اعتبار سے حروف عطف میں نقصان بھی متحقق ہوتا ہے، پس یہ تشبیہ اصل تحقق میں ہے۔ یعنی جیسا کہ ای مفسرہ کے اعتبار حروف عاطفہ میں زیادہ متحقق ہوئی اسی طرح کلمہ بل کے اعتبار سے حروف عاطفہ میں نقصان اور کمی متحقق ہوتی ہے۔

قولہ فالاربعۃ الخ پس اول چار جمع کے واسطے ہیں فالاربعۃ میں فاء تفصیل کے لئے ہے یعنی دس حروف عاطفہ اس کے بعد کہ یہ تشریک نہیں (شریک کرنا) میں مشترک ہیں لیکن حصول حکم کے اعتبار سے یہ تین قسم پر ہیں ایک قسم ایسی ہے کہ اس کے ساتھ حکم تابع اور متبوع دونوں میں ثابت ہوتا ہے اور ان میں وہ اول چار حروف ہیں اور ایک قسم ایسی ہے کہ تابع اور متبوع دونوں میں سے کسی ایک غیر معین کیلئے حکم ثابت ہوتا ہے اور یہ او اور اما اور ام ہیں اور ایک قسم حروف عطف کی ایسی ہے تابع اور متبوع دونوں میں سے ایک معین کیلئے حکم ثابت ہوتا ہے اور وہ لا اور بل اور لکن ہے پھر ان تینوں قسموں میں

للجمع ام من ان یکون مطلقا او مع ترتیب مراد النحاۃ بالجمع ھٰھنا ان لا یکون لاحد الشیئین او الاشیاء کما کانت او واما ولیس المراد اجتماع المعطوف والمعطوف علیہ فی الفعل فی زمان او مکان فقولک جاءنی زید وعمرو او فعمرو او ثم عمرو ای حصل الفعل من لا من احدھما دون الآخر فالواو للجمع مطلقا لا ترتیب فیھا

جمع کے لئے ہیں برابر ہے کہ مطلق جمع کے لئے یا مع ترتیب کے لئے اور اس جگہ جمع سے نحویوں کی مراد یہ ہے کہ احد الشیئین یا احد الاشیاء کے لئے نہ ہو جیسا کہ او اور اما اس معنی کے لئے آتے ہیں اور معطوف اور معطوف علیہ کا اجتماع فی الفعل کسی زمان یا مکان میں مراد نہیں ہے پس تیرا قول جاءنی زید وعمرو یا فعمرو یا ثم عمرو یعنی فعل دونوں سے حاصل ہوا نہ کہ دونوں میں سے کسی ایک سے حاصل ہوا دوسرے سے نہیں حاصل ہوا پس واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے اس سے ہر واحد الگ الگ حکم کے ساتھ مختص ہو جاتا ہے کہ وہ حکم ایک میں پایا جاتا ہے دوسرے میں نہیں ۔

قولہ للجمع اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ یہ اول کے چار حروف جمع کا فائدہ دینے کے واسطے ہیں یا یہ معنی ہے کہ یہ چار حروف جمع کے واسطے استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ چار حروف جمع کے لئے موضوع ہیں کیوں کہ جمع کے لئے موضوع ہونا صرف واو میں ہے اور جمع باقی تینوں جس کے لئے وضع کئے گئے ہیں اس کا جزء ہے کیوں کہ واو میں واقع میں ترتیب نہیں ہے

قولہ فالواو للجمع مطلقاً سے مصنف نے اس کی تفصیل کر دی ۔ شارحؒ نے اس کی طرف قولہ ام ان یکون مطلقاً جمع سے اشارہ کر دیا او دو مفرد کے درمیان جمع کے لئے ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ دو مسندوں میں یا دو مسند الیہ میں یا دو مفعول میں یا دو حال میں یا ان کے علاوہ میں جمع کرتے اور ان کے دو جملوں کے درمیان جمع کے لئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں جملوں کا مضمون حاصل ہوتا ہے ۔

قولہ مطلقاً الخ یعنی ان سے ترتیب مفہوم نہیں یا ترتیب مفہوم ہوتی ہے پس اول چار مطلق جمع میں شریک ہیں ۔

قولہ مراد النحاۃ الخ یعنی یہاں پر جمع سے نحاۃ کی مراد یہ ہے کہ دو چیزوں یا چند چیزوں میں سے کسی ایک کے لئے حکم نہیں ہے جیسا کہ او اور اما میں اور جمع سے یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ فعل میں ایک زمانہ یا ایک مکان کے اندر جمع ہوں شارح نے یہاں یعنی اس مقام میں جمع سے یہ مراد بیان کیا ہے کہ یہ اس وجہ سے کہا کہ جمع ایک دوسرے معنی میں آتی ہے جیسا کہ بحث فصل میں ، چنانچہ بحث فصل میں کہا یقدر بعد ان الواو اذا کان الواو للجمع اس عبارت میں جمع سے مصاحبت مراد ہے یعنی معطوف کا معطوف علیہ کے ساتھ ایک زمانہ میں مجتمع ہونا بخلاف وہ جمع جو یہاں پر مذکور ہے اعم ہے خواہ معطوف اور معطوف علیہ ایک زمانہ میں جمع ہوں یا دو زمانہ میں جمع ہوں پس جاءنی زید وعمرو یا جاءنی زید فعمرو یا جاءنی زید ثم عمرو ان قولوں کا مطلب یہ ہے کہ دونوں سے فعل حاصل نہ کسی ایک سے معلوم ہو کر فقولک شارح کی عبارت میں ایسی مبتدا ہے جس کے لئے خبر نہیں کیوں کہ قولہ ای حصل یہ جاءنی زید الخ کی تفسیر ہے یہ عطف بیان کے درجہ میں ہے نہ خبر کے درجہ میں اس میں شارح سے رضی کا کلام غیر تام منقول ہوا ہے چنانچہ رضیؒ نے یہ کہا فقولک جاءنی زید وعمرو او فعمرو او ثم عمرو ای حصل الفعل من کلیھما بخلاف جاءنی زید او عمرو ای حصل الفعل من احدھما دون الآخر پس رضی کے قول میں خبر قولہ بخلاف الخ ہے پس شارحؒ اس سے نقل کیا اور یہ خیال فرمایا قولہ بخلاف سے پہلے ہی کلام تام ہو گیا اور اسی پر اقتصار کر لیا ۔

فقوله لا ترتیب فیہما بیان لاطلاقہما ای لا ترتیب فیہما بین المعطوف والمعطوف علیہ بمعنی انہ لا یفہم ھذا الترتیب منہما وجوداً او عدماً والفاء للترتیب ای للجمع مع الترتیب بغیر مہملۃ وثم مثلہا ای مثل الفاء فی مطلق الترتیب مقرونہ بمہملۃ وتراخ وحتی مثلہا ای مثل ثم فی الترتیب بمہملۃ غیر ان المہملۃ فی حتی اقل منہا فی ثم فہی متوسطۃ بین الفاء التی لا مہملۃ فیہا وبین ثم المفیدۃ للمہملۃ ومعطوفہا ای المعطوف بحتی بحسب ما اقتضاہ وضعہا جزء قوی او ضعیف من حیث انہ قوی او

میں ترتیب نہیں پائی جاتی پس اس کا قول لا ترتیب فیہ اس کے مطلق ہونے کا بیان ہے یعنی اس میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ترتیب نہیں ہوتی بایں معنی یہ ترتیب وجود و عدم کے لحاظ سے اس سے مفہوم نہیں ہوتی اور فاء ترتیب کے لئے آتا ہے یعنی جمع مع ترتیب کے لئے بغیر مہلت اور تاخیر کے اور حرف ثم اسی کی مثال ہے یعنی فاء کی طرح ہے یعنی ترتیب مطلق میں فاء کی طرح ہے جو کہ مہلت کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور تراخی کے ساتھ اور حرف حتی بھی اسی کی مثل ہے یعنی ثم کے مثل ہے مہلت کے ساتھ ترتیب کے معنی دینے میں علاوہ اس کے کہ حتی میں مہلت بمقابلہ ثم کے کم ہے پس وہ یعنی حتی متوسط ہے اس فاء کے درمیان کہ جس میں مہلت نہیں ہوتی۔ اور ثم کے درمیان جو مہلت کے لئے مفید ہے اور اس کا معطوف یعنی وہ اسم جو حتی کے ذریعہ معطوف ہوتا ہے اپنی وضع کے تقاضا کے اعتبار سے جزء قوی ہوتا ہے یا ضعیف ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ قوی ہے یا ضعیف

قولہ فالواو الخ یعنی واو مطلق جمع کے لئے ہے مطلقاً اس میں ترتیب نہیں پس مصنف کا قول لا ترتیب فیہما یہ اس کے اطلاق کا بیان ہے یعنی واو کے اندر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ترتیب نہیں اس معنی کرکے کہ یہ ترتیب واو سے نہ وجوداً سمجھی جاتی ہے اور نہ عدماً سمجھی جاتی ہے مبرد اور کسائی اور بعض فقہاء سے واو میں ترتیب کا ہونا منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ترتیب نہیں ہوتی بلکہ واو معیت کے واسطے ہے جیسا کہ بعض حنفیہ کہتے ہیں ابن مالک کہتے ہیں کہ واو کا معیت کے واسطے ہونا راجح ہے اور ترتیب کے واسطے ہونا اکثر ہے اور ترتیب کا نہ ہونا قلیل ہے

قولہ الفاء للترتیب الخ یعنی فاء ترتیب کے واسطے یعنی معطوف کے ساتھ حکم معطوف علیہ کے بعد لگتا ہے شارح نے کہا للجمع مع الترتیب بغیر مہلۃ یعنی فاء اس ترتیب جمع کے لئے جو ترتیب کے بلا مہلت ہو شارح نے جمع کا اعتبار کیا اس اعتبار جمع پر قرینہ مصنف کا قول فالاربعۃ الاول للجمع اس وجہ سے جمع کا اعتبار ضروری اور بغیر مہلۃ کی تقدیر بھی ضروری ہے اور قرینہ اس کی تقدیر پر مصنف کا قول ثم مثلہا بمہلۃ ہے ثم کو مہلت کے ساتھ مقید کرنا دلالت کرتا ہے کہ فاء میں مہلت معتبر نہیں مطلب یہ ہے کہ فاء میں مہلت کی شرط نہیں اور یہ مہلت کی شرط نہ ہونا مطلق رکھنے کی وجہ سے متبادر ہے کیونکہ ترتیب کامل یہی ہے کہ وہ مہلت کے ساتھ نہ ہو۔

قولہ ای مثل الفاء یعنی ثم فاء کی مانند مطلق ترتیب میں درانحالیکہ وہ ترتیب مہلت اور تراخی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

قولہ وحتی مثلہا الخ یعنی حتی ترتیب بمہلۃ ثم کے مانند ہے البتہ حتی میں مہلت اس سے کم ہوتی ہے جو ثم میں ہوتی ہے پس یہ حتی فاء اور ثم کے درمیان ہے فاء میں مہلت نہیں ہوتی اور ثم میں مہلت ہوتی ہے اور مہلت کا فائدہ دینے والا ہے معلوم ہو کہ حتی کے ساتھ عطف کرنا یعنی حتی کا عطف کے لئے آنا کم ہے چنانچہ کوفیوں نے حتی کے

ضعیف من متبوعہ ای متبوع معطوفہا لیفید ای العطف بہا قوۃ فی المعطوف او ضعفاً فیہ ای لیدل علیہما حتی یتمیز الجزء بالقوۃ والضعف عن الکل فصار کانہ غیرہ فصلح لان یجعل غایۃً وانتہاءً للفعل المتعلق بالکل ودل انتہاء الفعل الیہ علی شمولہ جمیع اجزاء الکل نحو مات الناس حتی الانبیاء وقدم الحاج حتی المشاۃ والفرق بین ثم

ہے اپنے متبوع سے یعنی اپنے معطوف کے متبوع سے تاکہ فائدہ دے اس کے ذریعہ سے عطف کرنا قوت معطوف میں یا ضعف کا اس میں یعنی تاکہ ان دونوں پر دلالت کرے تاکہ جزء قوت اور ضعف کے لحاظ سے کل سے ممتاز ہو جائے پس وہ ایسا ہی ہوگیا کہ گویا وہ اس کا غیر ہے پس وہ فعل کے لئے غایت اور انتہا بننے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ فعل جو کل کے متعلق ہے اور تاکہ دلالت کرے اس کی جانب فعل کی انتہاء اس کے شمول پر کل کے جمیع اجزاء کے لئے جیسے مات الناس حتی الانبیاء اور دوسری مثال قدم الحاج حتی المشاۃ اور حتی اور ثم

عاطفہ ہونے کا انکار کر دیا۔

قولہ المعطوف بحتی الخ یعنی حتی کی وضع کے تقاضا کے موافق یہ ضروری ہے کہ حتی کے ساتھ جس کا عطف کیا گیا وہ اپنی متبوع یعنی معطوف علیہ کا قوی یا ضعیف جزء ہو شارح نے جزء کی صفت قوی اور ضعیف مقدر لایا اس پر قرینہ مصنف کا قول لیفید قوۃ او ضعفاً ہے اور جزء سے اعم مراد ہے کہ یہ معطوف بحتی یا اپنے متبوع کا جزء ہو یا اپنے متبوع کے واسطے جزء کے مانند ہو حکم سابق میں داخل ہونے کے اندر جیسے اعجبتنی الجاریہ حتی حدیثہا اور اعجبتنی الجاریہ حتی

ولدہا بولنا ممتنع ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حتی وہاں پر داخل ہوگا جہاں استثناء متصل کا دخول درست ہوتا ہے اور جہاں استثناء متصل کا دخول ممتنع ہے وہاں پر حتی کے ساتھ عطف نہیں کیا جاوے گا اسی وجہ سے حتی کے ساتھ جملوں کا عطف نہیں کیا اور شارح نے من حیث قوی یا ضعیف کی قید اس وجہ سے لگائی تاکہ قولہ لیفید قوۃ او ضعفاً کا اس پر ترتیب ہو جاوے قولہ معطوفہا کی ضمیر حتی کی طرف راجع اور متبوعہ کی ضمیر معطوفہا کی طرف اور لیفید کلام کے مفہوم کے متعلق ہے اور فیہا کی ضمیر

معطوفہا کی طرف راجع یعنی حتی کا معطوف اپنے کا متبوع (معطوف علیہ) کا جزء ہوتا ہے قوی یا ضعیف اس اعتبار سے کہ قوی یا ضعیف ہے تاکہ وہ عطف جو کہ حتی کے ساتھ ہوا قوۃ یا ضعف کا فائدہ دے یعنی معطوف میں قوۃ یا ضعف پر دلالت کرے تاکہ جزء کل سے قوۃ اور ضعف کے ساتھ متمیز ہو جاوے لیدل سے شارح نے بتایا ہے افادہ سے مراد خارج میں فائدہ نہیں بلکہ ذہن میں امر مذکور کا فائدہ دینا ہے پس جب جزء قوت اور ضعف کے ساتھ کل سے متمیز ہو جاویگا تو اس وقت جزء گویا کل کا غیر ہے پس حتی کا معطوف اس فعل کے واسطے جو کل کے ساتھ متعلق ہے غایت اور انتہاء بنائے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور فعل کی انتہاء اس جزء کی طرف دلالت کرے گی کہ فعل کل سے سب اجزاء کو شامل ہے پس اس وقت کلام شمول میں نص ہوگا اور صریح بخلاف اس وقت جب کہ حتی مع معطوف کے نہ ذکر کیا جاوے بغیر صراحۃ یہ معلوم نہ ہوگا کہ فعل کل اجزاء کو شامل ہے شارح کے اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ حتی عاطفہ میں حتی جارہ کے معنی موجود ہیں کیوں کہ حتی عاطفہ حتی جارہ کی فرع ہے اور اس میں واو عاطفہ کے معنی بھی موجود ہوگئے پس دونوں معنی کی رعایت کی وجہ سے یہ امر شرط کرلیا گیا کہ حتی عاطفہ کا مدخول متبوع کا جزء ہو ... تاکہ یہ حاصل ہو کہ حکم میں اشتراک قوی ہے یا ضعیف اور اس وقت غایت کے معنی حاصل ہو جاویں گے۔

قولہ غایۃ الخ شارح نے غایت اور انتہاء اسی وجہ سے کہا کہ حتی اصل میں انتہاء

وحتی بعد اشتراکہما فی الترتیب مع المہملة المعتبرة فی ثم انما ھی بحسب الخارج نحو جاء نی زید ثم عمرو وفی حتی بحسب ذلك فی ثم وثانیہما ان المہملة المعتبرة فی ثم انما ھی بحسب الخارج نحو جاء نی زید ثم عمرو وفی حتی بحسب الذھن فان المناسب بحسب الذھن ان یتعلق الموت اولا بغیر الانبیاء ویتعلق بعد التعلق بھم بالانبیاء وان کان موت الانبیاء بحسب الخارج فی

کے درمیان فرق ان دونوں کے ترتیب میں مہلت کے ساتھ شریک ہونے کے بعد دو طرح سے ہے اول ان میں سے حتی کے معطوف کا اپنے متبوع کے جزء واقع ہونے کی شرط اور یہ شرط ثم میں نہیں ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ وہ مہلت جو ثم میں معتبر ہے وہ باعتبار خارج کے ہے جیسے جاءنی زید ثم عمرو اور حتی میں باعتبار ذہن کے ہے کیونکہ ذہن کے لحاظ سے مناسب یہ ہے کہ موت اولاً غیر انبیاء کے ساتھ متعلق ہو اور ان کے ساتھ متعلق ہونے کے بعد پھر انبیاء سے متعلق ہوئی اگرچہ انبیاء کی موت

الغایۃ کے واسطے آتا ہے حروف جارہ سے ہے اور حتی جارہ اور حتی عاطفہ کے درمیان بہت سے احکام میں شرکت ہے۔

قولہ نحو مات الناس الخ (مرے آدمی یہاں تک انبیاء علیہم السلام) اس میں فعل موت ہے جو کل کے ساتھ متعلق ہے یعنی تمام آدمیوں کے ساتھ اس طریقہ پر کہ انبیاء جمیع الناس میں داخل ہیں پس اس مثال معطوف یعنی الانبیاء ناس کا جزء قوی ہے بخلاف المشاۃ (ماشی کی جمع پیادہ پا) جو کہ دوسری مثال میں ہے یہ خارج میں جزء ضعیف ہے اور اس کا جزء ضعیف ہونا صرف ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ سوار حاجی مالدار ہوتا ہے اور پیادہ حاجیوں کے پاس مال نہیں ہوتا اگرچہ بعض پیادہ راکب سے افضل ہوتے ہیں اللہ کے نزدیک پس ان کا ضعف ظاہر کے اعتبار سے ہے۔

قولہ والفرق بین ثم وحتی یعنی ثم اور حتی دونوں ترتیب مع المہلۃ میں مشترک ہیں ان کے اس اشتراک کے ان میں فرق کیا ہے تو شارح نے ان میں دو وجہ سے فرق بیان کیا ثم اور حتی میں اشتراک اس وجہ سے مانا اگر یہ دونوں کسی شئے میں مشترک نہیں تو اس وقت ان دونوں کے درمیان فرق بیان کرنے کے کوئی معنی نہیں چونکہ فاء اور ثم ان ما بہ الاشتراک کوئی چیز نہیں ہے یعنی کسی چیز میں یہ مشترک نہیں ہیں اس وجہ سے ان میں فرق بیان کرنا جائز نہیں ہوا۔

قولہ احدہما الخ یعنی ایک فرق یہ ہے کہ معطوف بحتی میں یہ شرط ہے کہ یہ معطوف بحتی اپنے متبوع کا جزء ہو اور ثم میں یہ شرط نہیں ہے کہ معطوف بثم اپنے متبوع کا جزء ہو۔ قولہ ثانیہما الخ دوسرا فرق یہ ہے کہ وہ جو ثم میں معتبر ہے وہ صرف خارج میں ہوئی ہے جیسے جاءنی زید ثم عمرو اور حتی جو مہلت معتبر ہے وہ ذہن کے اعتبار سے اس سے شارح اس بات کے دفع کی طرف اشارہ کیا جس کو پہلے رضی سے نقل کی کہ جز دلی کی مراد اس قول سے کہ حتی میں مہلت بحسب الذہن اقل ہے نہ بحسب الخارج بلاشک حتی میں معتبر فعل کے تعلق میں متبوع کے اجزاء کے ساتھ تدرج ذہنی ہے یہ امر اس کو مقتضی ہے فعل کا حتی کے مدخول کے ساتھ مہلت کے اعتبار پر ہو۔

قولہ فان المناسب الخ حتی میں مہلت بحسب الذہن اس وجہ سے ہے کہ ذہن کے اعتبار سے مناسب یہ ہے کہ موت اولاً انبیاء کے غیر کے ساتھ متعلق ہو اور غیر انبیاء کے ساتھ متعلق ہونے کے بعد انبیاء کے ساتھ متعلق ہو اگرچہ خارج کے اعتبار سے انبیاء کی موت تمام آدمیوں کے درمیان میں ہے کیونکہ موت امر عدمی ہے پس ذہن اور عقل کے ملاحظہ میں مناسب یہ ہے کہ موت انبیاء کے ساتھ بالکل متعلق نہ ہو اور اگر موت ان کے ساتھ متعلق ہو تو ملاحظہ ذہن کے اعتبار سے ان کے ساتھ موت تمام آدمیوں کے ساتھ متعلق ہو جانے کے بعد متعلق ہو باوجودیکہ موت انبیاء کے ساتھ خارج

اثناء سائر الناس وھکذا المناسب فی الذھن تقدم قدوم رکبان الحاج علی رجالھم وان کان فی بعض الاوقات علی عکس ذلك ومع ھذا یصح ان یقع تقدم الحاج حتی المشاۃ واعلم ان الانتھاء بالجزء الاقوی اوالاضعف کما یفید عموم الفعل جمیع اجزاء الشئ کذلك الانتھاء بالملاقی للجزء الاخیر یفید ذلك العموم کقولك نمت البارحة حتی الصباح فانه یفید شمول النوم لجمیع اجزاء اللیلة ولذلك استعملت حتی الجارۃ فی المعنیین

خارج کے اعتبار سے تمام لوگوں کے اثناء میں واقع ہے ایسے ہی مناسب تھا ذہن میں تقدم سوار ہوکر آنے والے حاجیوں کا قدوم پیدل چل کر آنے والے حاجیوں پر اگرچہ بسا اوقات اس کا عکس بھی ہو جاتا ہے اس کے باوجود یہ کہا جانا درست ہے کہ قدم الحاج حتی المشاۃ اور جان تو کہ جزء قوی یا ضعیف کی انتہاء جس طرح عموم فعل کا فائدہ دیتی ہے شئ کے جمیع اجزاء کے، اسی طرح جزء اخیر سے ملنے والی انتہاء اس عموم کا فائدہ دیتی ہے جیسے تمہارا قول نمت البارحۃ حتی الصباح پس اس مثال میں حتی فائدہ دیتا ہے نوم کے شامل ہونے کو لیل کے جمیع اجزاء کے لیے اسی لئے حتی جارہ دونوں معانی کا فائدہ دیتا ہے البتہ ثابت نہیں

آدمیوں کے درمیان ہی ہوتی ہے اسی کی طرف شارح نے قول فی اثناء سائر الناس سے اشارہ کیا اثناء بمعنی بیں یعنی درمیان کے معنی میں ہے اور سائر جمیع کے معنی میں اور بمعنی باقی بھی ہو سکتا ہے یعنی باقی آدمیوں کی موت کے درمیان میں۔

قولہ وہکذا المناسب فی الذہن اور اسی طرح ذہن میں مناسب حاجی سواروں کا پہلے آنا ہے پیادہ پا حاجیوں سے اگرچہ بعض اوقات میں اس کے عکس پر ہوتا ہے اور اس کے باوجود قدم الحاج حتی المشاۃ بولنا درست ہوتا ہے یعنی باوجود اس کے کہ پیادہ حاجی پہلے آ گئے سوار حاجیوں سے تب قدم الحاج حتی المشاۃ بولنا درست ہوتا کیوں کہ وہ تقدم (پہلے آنا) جو اس ترکیب سے حاصل ہو رہا ہے وہ صرف ذہن کے اعتبار سے ہے اور سواروں سے پیادوں کا پہلے آنا وہ صرف خارج میں ہے پس ان دونوں تقدم ذہنی اور تقدم خارجی کے درمیان منافات نہیں ہے رجالۃ بفتح الراء و تخفیف الجیم راجل کی جمع ہے بمعنی پیادہ اور الرکبان بضم الراء راکب کی جمع ہے

اس بیان سے معلوم ہوا کہ ایک فرق ثم اور حتی کے درمیان یہ بھی ہے کہ حتی میں معطوف کا معطوف علیہ جزء ہونا شرط ہے اور ثم میں یہ مشروط نہیں ہے۔

قولہ واعلم ان الانتہاء معلوم ہو کہ جس طرح جزء اقوی یا جزء اضعف کے ساتھ انتہاء اس کا فائدہ دیتی ہے کہ فعل شئ کے تمام اجزاء کو شامل ہے اسی طرح ان کے ساتھ انتہاء ہے جو جزء آخر کے ساتھ ملاقی ہے اس عموم کا فائدہ دیتی یعنی فعل شئ کے تمام اجزاء کو شامل ہے اسی طرح اس کے ساتھ البارحۃ حتی الصباح اس مثال میں حتی پر داخل ہو رہا ہے اور یہ صباح بارحہ کے جزء اخیر کے ساتھ ملاقی ہے اسی کے ساتھ انتہاء کا اس نے فائدہ دیا کہ نوم رات کے تمام اجزاء کو شامل ہے یعنی قوت اور ضعف کے اعتبار کرنے سے مقصود صرف یہ ہے کہ اس کو غایت بنانا درست ہو اور یہ مقصود حاصل ہو جاوے جو کہ فعل کا متبوع کا جمیع اجزاء کو شامل ہوتا ہے اور انتہاء بملاقی اس شمول مذکور کا فائدہ دیتی ہے اور قوت اور ضعف کے اعتبار سے ضرورت نہیں رہتی ہے کیوں کہ وہ فی نفسہ غایت ہے اس بیان سے یہ اعتراض دور ہو گیا کہ شارح نے حتی عاطفہ کے ملاقی پر داخل نہ ہونے کی جو وجہ ذکر کی یہ تکلف بلاضرورت ہے لیکن شارح پر یہ اعتراض اس وجہ سے وارد نہیں ہوتا کہ جب کہ اس کا دخول جزء اضعف یا اقوی پر ہو تو یہ دخول عطف الجزء علی الکل کا فائدہ دیگا اس کی قوت اور ضعف مغایرہ کو مستغنی ہوگی

اس طور سے کہ وہ جزء کل کے باقی اجزاء کے مغائر ہو جاویگا تو غیر جزء پر اس کا دخول درست نہیں ہوگا کیوں کہ عطف غیر الجزء علی الکل قوۃ یا ضعف کا فائدہ نہیں دیگا۔

قولہ ولذلک استعملت الخ اور اسی وجہ سے یعنی جزء آخر کے ملاقی کی وجہ سے شمول مذکور کا فائدہ دیتا ہے اس وجہ سے حتی جارہ دو معنی میں استعمال کیا گیا مگر حتی عاطفہ میں وہ موجود انتہاء جزء آخر کے ساتھ ملاقی بالجزء الاخر ان دونوں میں استعمال کیا گیا صرف یہ معنی کہ انتہاء بالجزء الآخر آئے پس گذشتہ سے جو یہ وہم کیا جاتا ہے کہ جب حتی جارہ دونوں معنی میں استعمال ہوتا تو حتی عاطفہ کا استعمال بھی دونوں معنی میں ہو پس اس توہم کو شارح الا انہ لم یات الخ سے دفع کر دیا اس میں الا لکن کے معنی میں ہے رہا یہ امر حتی جارہ دونوں معنی میں مستعمل اور حتی عاطفہ میں مایلاقی الجزء الاخر معنی حاصل نہیں ہوتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حتی کی اصل جارہ ہونا اس کے استعمال کی کثرۃ کی وجہ سے ہے پس اس وجہ سے عاطفہ ان کے نزدیک جارہ پر محمول ہوگا اور جب کہ حتی عاطفہ حتی جارہ پر محمول ہے تو انہوں نے اس کو یعنی حتی عاطفہ کو دونوں میں استعمال نہیں کیا تاکہ فرع پر اصل کے واسطے ایک قسم کی مزیۃ باقی رہے۔

قولہ وانما استعملوہا فی اظہر الخ یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ اس کے برعکس میں بھی فرع کی اصل کے ساتھ مساواۃ اور برابری نہ ہوتی اس طور پر کہ حتی عاطفہ مایلاقی بالجزء الاخیر کے ساتھ مختص ہوتا اور حتی جارہ دونوں معنی میں عام رہتا جواب

جميعا الا انه لم يات في العاطفة ما يلاقي الجزء الاخير فان اصل حتى ان تكون جارة لكثرة استعمالها فتكون العاطفة محمولة عندهم على الجارة واذا كانت محمولة عليها لم يستعملوها في معنيها جميعا ليبقى للاصل والفرع مزية وانما استعملوها في اظهر معنيها وهو كون مدخولها جزءا لان اتحاد الاجزاء في تعلق الحكم اعرف في العقل في الوجود من اتحاد المجاورين هكذا في بعض الشروح ومن هذا اظهر

ہے عاطفہ میں وہ جو جزء اخیر سے ملاقی ہو کیوں کہ حتی کی اصل یہ ہے کہ وہ جارہ ہو۔ اس کے کثرۃ استعمال کی وجہ سے پس ہوگا حتی کا عاطفہ ہونا محمول ان کے نزدیک جارہ پر اور جب کہ یہ اس پر محمول ہے تو انہوں نے اس کو دونوں معانی پر استعمال نہیں کیا تاکہ اصل اور فرع کا فرق اور امتیاز باقی رہے اور انہوں نے اس کے دو معانی میں سے اظہر معنی میں اس کو استعمال کیا ہے اور وہ اس کے مدخول کا جزء ہونا ہے کیوں کہ حکم کے ساتھ متعلق ہونے میں اجزاء کا باہم متحد ہونا عقل میں یا وجود میں مشہور ہے بمقابلہ مجاورین کے اتحاد سے بعض شروح میں اسی طرح مذکور ہے

ان دونوں معنوں میں اظہر معنی حتی مدخول کا جزء ہونا ہے اس وجہ سے حتی عاطفہ کو اس معنی کے ساتھ مختص کیا گیا کیوں کہ اجزاء کا اتحاد عقل میں اعرف ہے اور وجود میں اکثر ہے دو متجاوروں کے اتحاد سے بعض شروح یعنی شرح رضی میں اسی طرح ہے۔

قولہ من ہذا اظہر الخ یعنی اس ایسی تحقیق سے جو بعض شروح یعنی شرح رضی میں اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ مصنف نے حتی کے معطوف اپنے متبوع کے جزء ہونے کے ساتھ کیوں خاص کیا اور

حتی عاطفہ مایلاقی الجزء میں کیوں نہیں آتا، اور یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں رہی کہ یہ کہا جائے جزء اعلم حقیقۃ ہو یا حکما ہو تاکہ مجاوری کو شامل ہو جاوے جیسا کہ بعض حواشی میں واقع ہو۔ شارح اس عبارت سے صاحب ہندی کے کلام کو رد کرتے ہیں چنانچہ اس نے مصنف پر اعتراض کیا تھا کہ مصنف کا قول ومعطوفہا جزء من متبوعہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ مصنف کا یہ قول کہ نمت البارحۃ حتی الصباح ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ اس میں حتی کا معطوف اپنے متبوع کا جزء نہیں ہے اعتراض کرنے کے

وجه اختصاص معطوفها بكونه جزءً من متبوعه وعدم الحاجة
الى ان يقال الجزء اعم من ان يكون حقيقة اوحكما ليشمل المجاور
ايضا كما وقع في بعض الحواشي واو واما وام كل من هذا الحروف
الثلثة لاحد الامرين اى للدلالة على احد الامرين او الامور
حال كون ذلك الاحد مبهما اى غير معين عند المتكلم

اس سے ظاہر ہو گئی اس کے معطوف کے مختص ہونے کی وجہ اپنے متبوع کے جزء ہونے کی اور حاجت نہ ہونے کی اس بات کی طرف کہ کہا جائے کہ جزء اعم ہے خواہ حقیقۃً جزء ہو یا حکماً تاکہ مجاور کو بھی شامل ہو جائے جیسا کہ واقع ہوا ہے بعض حواشی میں اور واو، اما اور ام ان تینوں حروف میں سے ہر ایک احد الامرین کیلئے آتا ہے یعنی دلالت کرنے کیلئے دو امور میں سے کسی ایک پر یا چند امور میں سے کسی ایک پر اس حال میں کہ وہ واحد اور ایک مبہم ہو یعنی متکلم کے

بعد صاحب ہندی اس اعتراض کا جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں جزء سے اعم مراد ہے حقیقۃً جزء ہو یا حکماً جزء ہو اور البارحۃ کا صباح حکماً جزء ہے چوں کہ بارحہ سے قریب ہے اور جو شئی شئے سے قریب ہو اس کے لئے اسی کا حکم ہوتا ہے اس وجہ سے صباح بارحہ کا جزء ہے اور شارح جو تحقیق بیان کی اس پر یہ شبہ بالکل وارد نہیں ہوتا کیوں کہ مثال مذکور میں حتیٰ عاطفہ نہیں ہے۔

قولہ واو واما وام الخ پس جب مصنف حروف عاطفہ کی قسم اول کے بیان سے فارغ ہوا تو اب قسم ثانی یعنی ان حروف عاطفہ کے بیان میں شروع کرتے ہیں کہ دو چیزوں یا چند چیزوں میں سے ایک کے واسطے موضوع ہے پس مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تین حرفوں (واو اور اما اور ام) میں سے ہر ایک حرف دو امروں میں سے ایک کیلئے ہے یعنی ان تینوں حرفوں (واو اور اما اور ام) اس پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہے کہ حکم کی نسبت معطوف علیہ اور معطوف میں صرف ایک کے لئے ہے ابہام کے طریقہ پر اور شارح قدس سرہٗ نے اپنے قول او الامور سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ مصنف کی عبارت امرین سے مراد اقل مرتبہ ہے لہذا الامرین کا ذکر تمثیل کے طریقہ پر ہے۔

قولہ حال کون ذلک الخ وقت ہونے اس ایک کے مبہم یعنی غیر معین حال کون سے شارح اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ مبہما احد الامرین سے حال واقع ہو رہا ہے اور اس مبہما کی تفسیر غیر معین عند المتکلم یعنی وہ ایک متکلم کے نزدیک غیر معین ہو خواہ متکلم کے نزدیک غیر معین ہوتا بحسب الواقع ہو یا متکلم کے کلام کے ظاہر سے متوہم واقع سے قطع نظر کرنے کے ساتھ اب یہ اعتراض نہیں پڑیگا کہ شارح کے لیے صواب یہ تھا کہ عند المتکلم او المخاطب کہتا تاکہ شک اور تشکیک دونوں کو شامل ہو جاتا معلوم ہو کہ بعض شارحین کہتے ہیں کہ قولہ لاحد الامرین میں جو لام ہے یہ وضع کے متعلق ہے یعنی ان میں سے ہر ایک دو امرین میں سے ہر ایک کے لئے وضع کیا گیا لیکن یہ اس کا قول صواب یہ ہے کہ لام وضع کا صلہ نہیں بلکہ استعمال کا صلہ ہے یعنی ان میں سے ہر ایک دو امروں میں سے ایک کے واسطے مستقل ہے کیوں کہ کلمہ او دو امروں میں سے ایک کے واسطے موضوع نہیں ہے کہ وہ ایک امر متکلم کے نزدیک مبہم یعنی غیر معین ہو یعنی شک کے واسطے موضوع نہیں ہے بلکہ دو امروں میں سے ایک کے واسطے مستعمل ہے کہ وہ ایک متکلم کے نزدیک مبہم ہو پس اس وقت میں شک کے واسطے ہوگا یا وہ ایک متکلم کیلئے معلوم لیکن اس سامعین پر مبہم رکھنے کا قصد کیا ہو یا تفصیل کا قصد کیا ہو یا اباحت کا یا تخییر کا یا تسویہ کا جیسا کہ علم المعانی میں مذکور ہے پس او کا مدلول دو امروں میں سے ایک ہے اور خصوصیات قرائن سے مستفاد ہیں اور چوں کہ او کا استعمال شک میں بہت ہوتا تھا اس وجہ سے مصنف نے اس کو بیان کر دیا اور کلمہ او کا دو امروں سے ایک کے واسطے ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ کلمہ او دو مذکور امروں میں واحد جزئی

ولا يتوهم ان او في مثل ولا تطع منهم آثماً او كفوراً لكل من الامرين
لانها مستعملة لاحد الامرين على ما هو الاصل فيها والعموم
مستفاد من وقوع الاحد المبهم في سياق النفي لا من كلمة او
وام المتصلة لازمة لهمزة الاستفهام اى غير مستعملة بدونها
يليها اى مذكر بعدها بلا فاصلة احد المستويين والمستوى

نزدیک متعین نہ ہو اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ ولا تطع منہم آثماً او کفوراً میں حرف او امرین میں سے ہر ایک کے لئے ہے اس لئے کہ وہ مستعمل ہے احد الامرین کے لئے جیسا کہ اس میں یہی اصل بھی ہے اور عموم تو احد کے مبہم ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے سیاق نفی میں نہ کہ کلمہ او کی وجہ سے اور حرف ام متصلہ ہمزۂ استفہام کو مستلزم ہوتا ہے یعنی بغیر اس کے وہ استعمال نہیں کیا جاتا اور اس سے ملا ہوا ہوتا ہے جو بغیر فصل کے اس کے بعد مذکور ہوتا ہے احد المستوین دو مساوی

پر دلالت کرتا ہے گویا کہ کلمہ او دو مذکور جگہ میں قائم ہے مگر فرق یہ ہے کہ کلمہ او کے معنی جزئی ہیں دو مخصوص امروں کے ذکر کی طرف محتاج ہے اور لفظ احد اس کا محتاج نہیں اور بعض نے یہ کہا کہ کلمہ او کا دو امروں میں سے ایک کے واسطے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کلمہ او دو نسبتوں میں سے ایک نسبت کے افادہ کے واسطے ہے ایک نسبت متبوع کی طرف ہے اور ایک نسبت تابع کی طرف یا دو امروں میں ایک کے واسطے حکم کے ثابت ہونے کے لئے ہے اور وہ دو امر معطوف اور معطوف علیہ ہے لیکن ان کا یہ قول درست نہیں کیونکہ نسبت یا ثبوت حکم کلمہ او کا مدلول نہیں بلکہ اس کلام سے مستفاد ہوتا ہے جو کلمہ او پر مشتمل ہوتا ہے ۔

قولہ ولا یتوہم الخ شارح کا یہ قول ایک سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ او جب کہ دو امروں میں سے ایک کے لئے ہے پس اس پر اللہ تعالیٰ کے قول لا تطع منہم آثماً او کفوراً سے اشکال ہوتا کہ اس آیت احد الامرین کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ تو ان میں سے کفور یا آثم کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس آیت میں کلمہ او دونوں امروں کے لئے مجموع کیلئے نہ ان میں سے ایک کیلئے جواب یہ ہے کہ اس آیت میں او جیسا کہ او کی اصل ہے دو امروں میں سے ایک کے واسطے ہی مستعمل ہے پس شارح کا قول لانہا مستعملۃ اعتراض مذکور کے جواب کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ

کلمہ بحسب الوضع دو امروں میں سے صرف ایک کیلئے ہے اور عموم دو امروں میں سے ایک کیلئے عارض کے سبب سے اور نکرہ یعنی احد کا سیاق نفی میں واقع ہونا اور نکرہ کا سیاق نفی میں واقع ہونا عموم کا فائدہ دیتا ہے اس وجہ سے یہاں پر عدم کا فائدہ حاصل ہو گیا یعنی دونوں کی اکٹھی اطاعت نہ کرنا پس شارح کا قول والعموم مستفاد یہ مجاز کے قرینہ کا بیان ہے یعنی احد کا سیاق نفی میں واقع ہونا پس معنی ہے کہ دونوں کی اطاعت اور یہ عموم خود کلمہ او سے مستفاد نہیں ہے ۔

قولہ وام المتصلۃ الخ مصنف جب اس امر کے بیان سے فارغ ہو گئے کہ یہ تینوں حروف اس میں مشترک ہیں امرین یا امورین میں سے ایک مبہم کیلئے ہیں تو اب اس کو بیان کرتے ہیں جو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے ہے

اور ان میں سے قریب ام تھا اس وجہ سے اس ام سے شروع کر دیا چنانچہ فرماتے ہیں کہ ام متصلہ ہمزہ استفہام کو لازم ہے یعنی کلمہ ام دو قسم پر ہے ایک متصلہ اور ایک منقطعہ اس کو ام منفصلہ بھی کہتے ہیں اس کا نام ام متصلہ اس وجہ سے رکھتے ہیں کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل سے متصل ہے یعنی اس ام کا مابعد اور ماقبل دو مستقل کلام نہیں ہیں بلکہ مجموع ایک مستقل کلام ہے بخلاف ام منقطعہ جس کو ام منفصلہ بھی کہتے ہیں چنانچہ اس ام کا مابعد ام کے ماقبل سے منفصل یعنی جو ام کے ماقبل ہے اور جو ام کے مابعد ہے اس ام میں ہر ایک مستقل کلام ہے معلوم ہو کہ لازمہ ہمزہ استفہام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ام لازم ہے اور ہمزہ ملزوم پس اس سے یہ ضروری ہوا کہ ہمزہ ام کے بغیر موجود نہ ہو

الاخر يلي الهمزة اى همزة الاستفهام بعد ثبوت احدهما اى احد المستويين عند المتكلم لطلب التعيين من المخاطب ومن ثم اى ولاجل ان ام المتصلة يليها احد المستويين والاخر الهمزة بعد ثبوت احدهما لطلب التعيين لم يجز تركيب رأيت زيداً ام عمراً فان المستويين فيه زيد وعمرو واحدهما وان ولى ام لكن الاخر لم يل الهمزة هذا ما اختاره المصنف والمنقول من سيبويه ان هذا جائز حسن فصيح وازيداً رايت ام عمراً احسن وافصح وح يكون تركيب ارايت زيداً ام عمراً احسناً

میں سے کوئی ایک اور مساوی آخر ہمزہ سے ملا ہوا ہوتا ہے یعنی ہمزۂ استفہام سے. دونوں میں سے کسی ایک ثبوت کے بعد یعنی متساوین میں ایک متکلم کے نزدیک تعین کی طلب کیلئے مخاطب سے اور اسی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ احد المتساوین ام متصلہ سے ملا ہوا ہوتا ہے اور دوسرا ہمزہ سے دونوں میں سے ہر ایک کے ثابت ہونے کے بعد تعیین کی طلب کیلئے جائز نہیں ہے ارایت زیداً ام عمراً کی ترکیب کیوں کہ اس مثال میں متساوین زید اور عمرو ہیں اور دونوں میں سے ایک اگرچہ ام سے ملا ہوا ہے لیکن دوسرا ہمزہ سے ملا ہوا نہیں ہے اس کو مصنف نے اختیار کیا ہے اور سیبویہ سے منقول ہے کہ یہ جائز ہے حسن اور فصیح ہے اور ازیداً رایت ام عمراً احسن اور زیادہ فصیح ہے اور اس صورت میں ارایت زیداً ام عمراً کی ترکیب حسن اور فصیح ہے

جیسا کہ لازم و ملزوم کا مقتضی ہے اور یہ باطل ہے پس شارح نے غیر مستعملۃ الخ اس کی توجیہ کی طرف اشارہ فرمادیا کہ لزوم سے یہاں پر لغوی معنی ہے اور منطقیوں نے اصطلاحی معنی مراد نہیں لئے ہیں اور لغت میں لازمۃ کے معنی تم یفارقہ یعنی ام ہمزۂ استفہام سے جدا نہیں ہوتا اور اس معنی لازم بہت استعمال ہوتا ہے پس مصنف کا یہ کلام بطلان سے محفوظ ہو گیا غرضیکہ ام متصلہ ہمزہ کے بغیر مستعمل نہیں ہوتا قولہ یلیہا الخ دو مستوی میں سے ایک ام سے متصل ہوتا ہے اور دوسرا مستوی ہمزۂ استفہام سے متصل ہوتا ہے یلی ولی سے مشتق ہے اس لئے معنی ہے ایک شئی سے دوسری شئی کا بالکل لگا ہوا ہونا پس اس کا مطلب دو مستوی میں ایک مستوی ام کے بعد بلا فاصلہ کے مذکور ہوتا ہے دو ام جب کہ اعراب واسناد وغیرہ میں ایک ان تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے برابر ہوگا یہاں پر معطوف علیہ اور معطوف مراد ہے چونکہ یہ اعراب وغیرہ میں برابر ہیں اس وجہ سے ان کو مستوی کہا گیا چنانچہ معطوف ام کے بعد بلا فاصلہ کے مذکور ہوگا اور معطوف علیہ ہمزہ کے بعد بلا فاصلہ کے مذکور ہوگا ان دو مستوی میں سے ایک متکلم کے نزدیک ثابت ہونے کے بعد مخاطب سے تعیین طلب کے واسطے ہوگا . پس بعد ثبوت احدہما یلی کا ظرف ہے اور طلب التعیین یلی کے متعلق ہے شارح کے ہمزۃ الاستفہام کہنے سے وہ ہمزہ خارج ہو گیا جو شک کے واسطے ہو یا انکار کے واسطے ہو یعنی استفہام انکاری کے واسطے ہو .

قولہ من ثم یعنی اس وجہ سے کہ ام متصلہ اس سے دو مستویوں میں سے ایک مستوی ملا ہوا آتا ہے اور دوسرا مستوی ہمزہ سے ملا ہوا آتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک متکلم کے نزدیک ہے اس کے بعد یہ ام تعیین کی طلب کے واسطے آتا ہے تو اس وجہ مذکور کی بنا پر ترکیب ارأیت زیداً ام عمراً جائز نہیں ہوئی کیوں کہ اس مثال میں دو مستوی زید اور عمر ہے ان میں سے اگرچہ ام سے متصل ہے یعنی ام کے بعد فوراً مذکور ہے لیکن دوسرا مستوی ہمزہ سے متصل اور ملا ہوا نہیں ہے شارح نے لم یجز کے بعد لفظ ترکیب مقدر کیا کیوں کہ فاعل مفرد ہوتا ہے اور قولہ ارایت مفرد نہیں ہے لیکن لفظ ترکیب تنوین کے ساتھ پڑھا جائے اور قولہ ارأیت اس کے واسطے بیان ہے اور اضافت کی تقدیر غیر ظرف کی اضافت جملہ کی طرف لازم آئے گی.

قولہ ہذا ما اختارہ المصنف الخ اس ترکیب مذکور کا امر اول شرط کے جانے کی وجہ جائز

فصیحاً وان لم یکن احسن وافصح وفی الترجمۃ الشریفۃ وجد فی بعض نسخ الکافیۃ المقروۃ علی المصنف وعلیہ خطہ ھکذا یلیہا احد المستویین والاخر الھمزۃ علی الافصح ومن ثم ضعف ارأیت زیداً ام عمراً ولا یخفی ان الحکم بضعفہ لتنزلہ عن مرتبۃ "الافصحیۃ" الی الفصیحیۃ "غیر مناسب لان ما کان حسناً فصیحاً لا یعد ضعیفاً وبالجملۃ فکلام المصنف ھٰھنا لا یخلو عن اضطراب والحق مانقل عن سیبویہ وایضاً من ثم ای من اجل ما ذکر بعینہ کان جوابہا ای جواب ام المتصلۃ بالتعیین ای

اگرچہ وہ احسن اور زیادہ فصیح نہیں ہے اور ترجمہ شریفہ میں مذکور ہے کہ کافیہ کے بعض ان نسخوں میں جو خود مصنف کے سامنے پڑھے گئے موجود ہے اور اس میں اسی طرح یلیہا احد المتساویین الخ پر خط کشید کیا ہوا ہے اور مخفی نہ رہے کہ اس کے ضعیف ہونے کا حکم اس کو اتارنے کیلئے اس کے افصح ہونے کے مقام سے مقام فصیح کی طرف غیر مناسب ہے کیوں کہ جو حسن اور فصیح ہو اس کو ضعیف شمار نہیں کیا جاتا خلاصہ یہ کہ یہاں پر مصنف کا کلام اضطراب سے خالی نہیں ہے اور حق وہی ہے جو سیبویہ سے منقول ہے اور نیز اسی وجہ سے یعنی بعینہ مذکورہ بالا کی وجہ سے ہے اس کا جواب یعنی ام متصلہ کا جواب تعیین کے ساتھ یعنی احد الامرین کی تعیین کے ساتھ کیوں

نہ ہونے کو مصنف نے اختیار کیا اور سیبویہ سے یہ منقول ہے کہ یہ ترکیب ورایت زیداً ام عمراً جائز نہیں بلکہ حسن فصیح ہے اور ازیداً رایت ام عمراً احسن افصح ہے اور اس وقت یہ ترکیب ارایت زیداً ام عمراً حسن فصیح اگرچہ احسن اور افصح نہ ہوگی۔ معلوم ہو کہ شارح کا قول وحینئذ یکون ترکیب ارأیت زیداً ام عمراً حسناً فصیحاً وان لم احسن وافصح محض تکرار ہے اور شئی کی تفریع خود اس کے نفس پر ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ منقول سیبویہ سے صرف کلیہ ہے جیسا کہ رضی میں ہے پس قولہ ہذا کا مشار الیہ کلام سابق سے سمجھا جاتا ہے یعنی اس کے درمیان جو ان دونوں سے متصل ہے

اور قولہ ازیداً رأیت ام عمراً یہ اس معادلہ سے کنایہ ہے جو کہ اس چیز کے درمیان جو ان دونوں سے متصل ہے اور اس وقت کلی پر جزئی کی تفریع ہوگی۔

"قولہ وفی الترجمۃ" الشریفۃ الخ

اور ترجمہ شریفہ میں یہ ہے کہ کافیہ کے ان بعض نسخوں میں جو کہ خود مصنف پر پڑھا گیا اور اس پر اس کا خط ہے اس طرح پایا گیا کہ دو مستویوں میں سے ایک ام سے متصل ہوتا اور دوسرا ہمزہ سے افصح پر اور اسی وجہ سے ارأیت زیداً ام عمراً ضعیف یعنی اسی نسخہ میں صیغہ لم یجز کی جگہ میں صیغہ ضعف ہے اور ضعف جواز کے منافی نہیں پس اس نسخہ پر یہ ترکیب ارایت زیداً ام عمراً جائز ہے مگر ضعیف اور ازیداً رایت ام عمراً ترکیب افصح ہے شارح اس نسخہ پر لا یخفی ان الحکم سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس ترکیب ارأیت زیداً ام عمراً پر ضعف کا حکم غیر مناسب ہے چوں کہ مرتبہ افصحیہ سے مرتبہ فصیحیہ کی طرف اترنا ہے کیوں کہ جو حسن فصیح ہوتا وہ ضعیف شمار نہیں کیا جاتا یعنی عرف میں اس کو ضعیف نہیں کہتے ہیں اگرچہ اس پر یہ صادق آتا ہے کہ افصح کے اعتبار سے اس میں ضعف ہے اور مصنف کے کلام سے اس کا مطلقاً ضعیف ہونا سمجھ میں نہیں آتا حالاں کہ احسن افصح سے نیچے مرتبہ حسن فصیح کا ہے۔

قولہ ای من اجل ما ذکر بعینہ یعنی بعینہ مذکورامر کی وجہ سے یعنی اس مجموع کی وجہ سے کہ دو مستوی میں سے ایک ام سے متصل ہوتا ہے اور دوسرا ہمزہ سے متصل ہو کر طلب تعیین کے واسطے ہے اس کے بعد کہ ان دونوں مستویوں میں کوئی ایک متکلم کے نزدیک متعین وہ ایک متعین کرنا ہے اس سے سوال کرتا ہے تو ام متصلہ کا جواب تعیین کے ساتھ ہوگا یعنی جواب میں دونوں

بتعيين احد الامرين لان السوال عنه دون نعم او لا لانهما لا يفيدان التعيين بخلاف او و اما مع الهمزة كما اذا قلت اجاءك زيد ام عمرو و اجاءك اما زيد و اما عمرو فانه يصح جوابهما بلا و نعم لان المقصود بالسوال ان احدهما لا على التعيين جاءك او لا وقد يجاب بنفي كليهما لاحتمال الخطأ في اعتقاد المتكلم بوجود

اسی کا سوال تھا نہ کہ جواب نعم یا لا سے کیوں کہ یہ دونوں تعیین کا فائدہ نہیں دیتے بخلاف او اور اما کے جو ہمزہ کے ساتھ مستعمل ہو جیسے تو نے جب کہا اجاءک زید او عمرو یا تو نے اجاءک اما زید و اما عمرو کہا تو ان دونوں کا جواب لا اور نعم سے دینا صحیح ہے اسلئے کہ سوال سے مقصد یہ کہ بلا تعیین دونوں میں سے کوئی ایک آیا ہے یا نہیں اور کبھی جواب دونوں کی نفی سے بھی دیا جاتا ہے متکلم کے اعتقاد اور خیال میں غلطی

امروں میں سے ایک کو معین کرنا پڑے گا کیوں کہ سوال تعیین کیوں کہ متکلم جانتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک موجود ہے مگر مخاطب سے تعیین کا سوال کرتا ہے پس اگر مخاطب نے اس کے غیر کے ساتھ جواب دیا تو وہ جواب سوال کے مطابق نہ ہوگا مخاطب دونوں میں سے ایک معین کرکے جواب دے تو جواب سوال کے مطابق ہوگا لہذا ازیدا رأیت ام عمرا کا جواب مخاطب کو نعم یا لا کے ساتھ دینا درست ہوگا یعنی ام متصلہ کا جواب اس مثال میں نعم یا لا کے ساتھ دینا درست نہ ہوگا کیوں کہ یہ نعم اور لا تعیین کا فائدہ نہیں دیتے ہیں کیوں کہ نعم ماسبق کی تقریر کیلئے آتا ہے اور لا ماسبق کے رد کے واسطے آتا ہے اور یہاں پر ماسبق دو میں سے ایک غیر معین کا ثبوت ہے پس ان سے تعیین میں مستفاد نہیں ہوتی۔

قولہ فانہ یصح جوابہما بلا و نعم یعنی جب او یا اما ہمزہ کے ساتھ ملایا جائے اور یہ کہا جائے اجاءک زید او عمرو یا یہ کہا جائے اجاءک اما زید و اما عمرو تو ان دونوں کا جواب نعم اور لا کے ساتھ دینا درست ہے کیوں کہ یہاں پر سوال سے مقصود اصل النسبۃ ہے یعنی سوال سے مقصود یہ ہے کہ دونوں مستوی میں کسی کے لئے لا علی التعیین حکم ثابت ہے یا نہیں اس وجہ سے نعم یا لا کے ساتھ جواب دینا درست ہے کیوں کہ ان دونوں کی دلالت ثبوت نسبت یا نفی نسبت پر ہے شارح کے قول فانہ یصح الخ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تعیین کے ساتھ ان دونوں او اور اما میں جواب دینا درست ہے مصنف نے کافیہ کی شرح میں کہا کہ او اور اما میں اگر تعیین کے ساتھ جواب دیا جاویگا تو یہ سوال پر زیادتی ہوگی کیوں کہ دونوں مستوی میں سے ایک کو معین کرنا لازم آویگا کہ متکلم کے نزدیک دونوں مستوی میں سے ایک ثابت ہے اس وجہ سے جواب مع زیادہ کے حاصل ہوگا۔

قولہ وقد یجاب بنفی کلیہما یعنی کبھی دونوں مستویوں کی نفی کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے۔ اس احتمال پر کہ متکلم دونوں مستوی میں سے جو ایک وجود کا اعتقاد کر رکھا ہے اس میں وہ خطا کرنے والا ہے شارح اس عبارت سے یا تو مصنف پر اعتراض کرتے ہیں کہ مصنف نے تعیین میں جو جواب محصور کر رکھا ہے درست نہیں ہے کیوں کہ کبھی دونوں کی نفی کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے یا اس بات پر تنبیہ ہے کہ یہ حصر جواب بنعم یا لا کے اعتبار سے حصر ہے اس لئے کہ کبھی دونوں مستوی کی نفی کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ مسئول کا جواب دینا ہے اور سائل کا رد کرنا اجابت نہیں پس جواب وہ جس کو سائل طلب کر رہا ہے اور دونوں کی نفی تو متکلم کے اعتقاد کا تخطیہ ہے اور اس کے سوال کی اجابت نہیں ہے پس جواب تعیین کے ساتھ دینا ہے اور دونوں مستوی کی نفی کرنا جواب نہیں ہے اور اس وقت یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اولیٰ یہ تھا کہ قولہ کان الجواب بالتعیین پر اکتفاء کرتا اور نعم اور لا کو نفی کے ساتھ خاص نہ کرتا البتہ یہ کہ کہا جائے کہ لا دونوں کی نفی کو شامل ہے۔

قولہ فالمسئول عنہ ثم الخ دونوں جگہ میں ثم سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ایک امر ہے یعنی اس کا یہ قول یلیہا احد الامرین بعد ثبوت احدہما لطلب التعیین لیکن مصنف کا یہ قول ام متصلہ کے واقع ہونے کی صحت کے واسطے دو شرطوں پر شامل ہے ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ دو مستوی امروں میں سے ایک ام کے ساتھ متصل ہو اور دوسرا ہمزہ کیساتھ اور دوسری شرط دونوں مستوی میں سے ایک کے ثبوت کے بعد تعیین کے طلب کیواسطے

احدهما فالمشار الیه بثم فی الموضعین امر واحد لکنه لما کان مشتملا علی شرطین لصحة وقوع ام المتصلة فرع علیه باعتبار کل واحد منهما حکما اٰخر وجعلها اشارةً فی کل موضع الی شرطٍ اٰخر لا یخلو عن سماحة ولو اقتصر علی قوله ومن ثم لم یجز فی اول الکلام و عطف قوله کان جوابها بالتعیین علی قوله لم یجز وتعلق کل حکم بشرط علی طریق اللف والنشر لکان اخصر واحسن کما لا یخفی وام المنقطعة کبل فی الاضراب عن الاول ومثل الهمزة للشك فی الثانی والواقع

کے احتمال کی وجہ سے دونوں کے وجود کا پس دونوں مقام میں ثم کے ذریعہ مشار الیہ امر واحد تھا لیکن وہ (امر واحد) دو شرطوں پر مشتمل تھا ام متصلہ کے صحت کے پائے جانے کے لئے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کی اس پر حکم آخر کی تفریع کر دی اور اس کو ہر موقع پر شرط آخر کی طرف اشارہ کر دیا اور ایسا کرنا تسامح سے خالی نہیں ہے اور اگر مصنف اپنے قول ومن ثم لم یجز فی اول الکلام پر اکتفا فرماتے اور عطف کر دیتے اپنے قول کان جوابہا بالتعیین کو اپنے قول لم یجز پر اور معلق ہو جاتا ہر حکم شرط کے ساتھ بطور لف ونشر مرتب کے تو عبارت مختصر بھی ہو جاتی اور عمدہ بھی جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور ام منقطعہ بل کی طرح ہے اول کلام سے اعراض کرنے میں اور ہمزہ کی طرح ہے ثانی

ہو یعنی ام کی وقوع کی صحت کے واسطے یہ ایک امر ان مذکورہ دو شرطوں پر شامل ہے تو دونوں شرطوں میں سے ہر ایک کے اعتبار سے اس ایک امر پر الگ الگ حکم کی تفریع کر دی۔

قولہ وجعلہا الخ من ثم سے ہر جگہ میں الگ الگ شرط کی طرف بالاستقلال اشارہ قرار دینا سماجت اور ضعف سے خالی نہیں ہے شارح اس کلام فاضل ہندی قاضی شہاب الدین پر رد کرتے ہیں قاضی شہاب الدین نے یہ فرمایا کہ ثم اول سے قولہ یلیہا احد المستویین والآخر الہمزة کی طرف اشارہ ہے اور ثم ثانی سے قولہ بعد ثبوت احدہما لطلب التعیین کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ کہنا ضعیف ہے کیوں کہ ماسبق میں مذکور ایک حکم ہے دو حکم نہیں یہاں تک کہ ہر ایک کی طرف بالاستقلال اشارہ کیا جاوے اس وجہ سے حضرت شارح جامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دونوں جگہ میں مشار الیہ ایک امر رکھنا چاہئے یعنی یلیہا احد المستویین والاخر الہمزة بعد ثبوت احدہما لطلب التعیین اور جب یہ مشار الیہ دو شرطوں پر مشتمل تھا ایک شرط یلیہا احد المستویین والاخر الہمزة بعد ثبوت احدہما اس شرط پر ارایت زیداً ام عمروا ترکیب کے جائز نہ ہونے کو متفرع کر دیا دوسری شرط لطلب التعیین ہے اس شرط پر کان جوابہا بالتعیین دون نعم ولا کو متفرع کر دیا لیکن اس پر یہ لازم آتا ہے جب کہ مشار الیہ ایک امر ہے تو یہ تقاضا کرتا ہے اسم اشارہ نہ لوٹایا جائے پس اسم اشارہ کا لوٹانا تقاضا کرتا ہے کہ مشار الیہ دوسری جگہ میں اول کا غیر ہو تاکہ تکرار لازم نہ آوے پس حاصل یہ ہے کہ مصنف کا کلام اس مقام تکلف اور اضطراب سے خالی

نہیں اس وجہ سے حضرت شارح "اگر قولہ ومن ثم لم یجز پر مصنفؒ کے اول کلام میں اقتصار فرماتا اور قولہ کان جوابہا بالتعیین کو قولہ لم یجز پر معطوف کرتا اور ہر حکم لف نشر کے طریق پر شرط کے ساتھ متعلق ہو جاتا تو یہ اخصر اور احسن ہوتا جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے معلوم ہو کہ اس طرح پر مصنف کے بیان کا اخصر ہونا تو ظاہر ہے اور احسن ہونا اس لئے ہے کہ من ثم کا تکرار اس کا وہم ڈالتا ہے کہ دونوں شرطوں میں سے ہر ایک کے لئے دونوں حکموں میں سے ہر حکم کی تفریع میں دخل

ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری شرط کو پہلے حکم کے تفریع میں کچھ دخل نہیں ہے اور شرط اول کو دوسرے حکم کے تفریع میں کچھ دخل نہیں۔

ام المنقطعة کبل الخ جب مصنفؒ ام کی پہلی نوع کے بیان سے فارغ ہو گئے تو ام کی دوسری قسم کو بیان کرتے ہیں اس ام منقطعہ کا دوسرا نام ام منفصلہ بھی ہے چوں کہ اس ام کا مابعد اس ام کے ماقبل سے منفصل اور منقطع ہے اس لئے اس ام کا ماقبل اس مابعد کے واسطے مستقل کلام ہوگا پس مصنفؒ کہتے ہیں کہ ام منقطعہ بل اور ہمزہ کے مانند ہے یعنی اس سبب سے

قبلها اما خبر مثل قولك انها لا بل ام شاءٌ اى ان القطعية التى اراها لا بل وهى جملة خبرية فلما علمت انها ليست بابل عرضت عن هذا الاخبار ثم شككت فى انها شاء او شئ اخر فاستفهمت عنها بقولك ام شاء بل بل اهى شاء واما استفهام كما تقول ازيد عندك ام عمروٌ اى بل عمرو حين تقصد الاضراب عن الاستفهام الاول

میں شک کا فائدہ دینے کیلئے اور اس کے ماقبل میں یا تو خبر واقع ہوگی جیسے تیرا قول انہا لابل ام شاء یعنی وہ قطعیت جس کا میں خیال کرتا ہوں وہ لابل ہے اور یہ جملہ خبریہ ہے اور جب تو نے جان لیا کہ وہ بل نہیں ہے تو تو نے اس کی خبر دینے سے اعراض کر لیا پھر تو نے شک کیا اس میں کہ وہ شاء ہے یا شئ آخر ہے تو تو نے اس کے بارہ میں استفہام کیا (دریافت کیا) اپنے قول ام شاء سے یعنی بلکہ اہی شاء ہے اور بہرحال استفہام جیسے تیرا قول ازید عندک ام عمرو یعنی بل عمرو جس وقت تو استفہام اول سے پھر جانے کا ارادہ

کرے بل اول کلام سے اضراب اور اعراض کیلئے ہے تو اس بنا پر یہ ام کلمہ بل کے مانند ہے اور اس سبب سے کہ دوسرے کلام میں شک کے واسطے ہے ہمزۂ استفہام کے مانند ہے قولہ اما خبر الخ یعنی وہ کلام جو ام منقطعہ کے پہلے ہوتا ہے یا تو خبر ہوتا ہے یعنی جملہ خبریہ ہوتا ہے جیسے انہا لابل ام شاء وہ ریوڑ جس کو میں دیکھ رہا ہوں البتہ وہ اونٹ ہیں انہا لابل جملہ خبریہ ہے پس جانا کہ اونٹ نہیں ہیں تو اس اخبار سے اعراض کیا پھر اس میں شک کیا کہ وہ ریوڑ بکریاں ہیں یا کوئی اور چیز پس اس وجہ تو نے دریافت کیا ام شاء یعنی بل اہی شاء بلکہ کیا وہ ریوڑ بکریاں ہیں یا ام منقطعہ کے پہلے استفہام ہوگا جیسے ازید عندک ام عمروٌ اور اس وقت متکلم کا مقصود پہلے استفہام سے دوسرے استفہام کی طرف

اعراض ہوتا ہے معلوم ہو کہ اول سے اضراب (اعراض) کبھی غلطی کی تدارک کے واسطے ہوتا ہے جیسے انہا لابل ام شاء انہا میں ضمیر منصوب قطعیہ کی طرف قطعیہ اونٹ بکری وغیرہ کی جماعت کو کہتے ہیں یعنی گلہ (ریوڑ، دھن) کو کہتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جب متکلم نے ریوڑ کو دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ ریوڑ اونٹوں کا ریوڑ ہے اس لئے متکلم نے کہا انہا لابل جب وہ ریوڑ نزدیک پہونچا تو جانا کہ اونٹوں کا ریوڑ نہیں ہے اس لئے اس اخبار سے اعراض کیا اور اس میں شک کیا وہ ریوڑ بکریوں کا ریوڑ ہے یا کوئی شئ اس سے دریافت کیا کہ ام شاء بل اہی شاء اور کبھی اضراب محض انتقال کے واسطے ہوتا ہے یعنی ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف جیسے قولہ تعالیٰ ام یقولون

افتراہ نیز معلوم ہو کہ ام منقطعہ کے بعد جملہ کا واقع ہونا ضروری پھر کبھی اس کے ہر دو جزء ظاہر ملفوظ ہوتے ہیں جیسے ازید عندک ام عمرو اور کبھی اس جملہ کے دو جزؤں میں سے ایک جزء مقدر ہوتا ہے جیسے لابل ام شاء یعنی بل ہی شاء جیسا کہ گذرا شاء شاۃ کی جمع ہے من غیر لفظہ یعنی اس کا واحد غنم ہے بھیڑ اور بکری کو کہتے ہیں۔

قولہ ای بل اہی شاء اس میں صرف مبتدا مقدر کی کیوں کہ ام منقطعہ صرف جملوں پر داخل ہوتا ہے معلوم ہو کہ اس قول انہا لابل ام شاء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں انشاء کا اخبار پر عطف ہو رہا ہے اور وہ جائز نہیں ہے فاضل ہندی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ استفہام مستانفہ ہے انشاء کا عطف اخبار پر لازم نہیں آرہا ہے اور انہا بل کے ساتھ ہے کیوں کہ جب اول سے اضراب کیا اور ثانی میں شک کیا تو گویا کہ قولہ لا انہا لابل کے لعیت کذلک کہا اور ام شاء یعنی اہی غیر شاء پس اس طریقہ پر معنی کے اعتبار سے متصلہ کیطرف لوٹ جاتا ہے، قولہ ازید عندک ام عمروٌ شرح جامی کے نسخوں میں دیکھنے میں اسی طرح صواب ام عمرو عندک ہے خبر کے ذکر کے ساتھ غالباً لکھنے والے کے قلم سے ساقط ہو گیا چوں کہ لباب اور رضی میں ہے ام منقطعہ کے بعد ہمزہ کے ساتھ استفہام میں لفظ جملہ کا آنا لازم ہے التباس کے خوف کی وجہ سے اور جس وقت خبر ذکر کی جاوے گی تو ام کا منقطعہ میں ہونا ظاہر ہوگا۔

قولہ بالاستفہام الثانی یعنی جب اولاً

بالاستفهام الثانی واما قبل المعطوف علیہ لازمۃ مع إمّا ای غیر مستعملۃ الامعہا یعنی اذا عطف شئ علی اٰخر باما یلزم ان یصدر المعطوف علیہ اولاً باما ثم عطف علیہ المعطوف باما نحو جاء نی اما زید واما عمرو لیعلم من اول الامر ان الکلام مبنی علی الشک

جائزۃ مع او یعنی اذا عطف شئ علی اٰخر باو یجوز ان یصدر المعطوف علیہ باما نحو جاء نی اما زید او عمرو ولکن لا یجب نحو جاء نی زید او عمرو وذہب بعض النحاۃ الی ان اما لیست من الحروف العاطفۃ والا لم تقع قبل المعطوف علیہ وایضا یدخل علیہا الواو العاطفۃ فلو کانت ہی ایضاً للعطف یلزم ایراد عاطفین معاً ویکون احدہما

کرے ثانی استفہام کے ذریعہ اور بہر حال معطوف علیہ سے پہلے اما کے ساتھ لازم ہوتا ہے یعنی استعمال نہیں ہوا کرتا مگر اسی کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ جب ایک شئی اما کے ذریعہ شئی آخر پر عطف کی جائے تو لازم ہے کہ معطوف علیہ کو اما سے شروع کیا جائے پھر اس پر معطوف کو اما سے عطف کیا جائے جیسے جاء نی اما زید واما عمرو تاکہ اول وہلہ پر جان لیا جائے کہ کلام شک پر مبنی ہے اور جائز ہے او کے ساتھ یعنی جب ایک شئی کو دوسری پر او کے ذریعہ عطف کی جائے تو جائز ہے کہ معطوف علیہ کو اما سے شروع کیا جائے جیسے جاء نی اما زید او عمرو لیکن واجب نہیں ہے جیسے جاء نی زید او عمرو اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ اما حروف عاطفہ میں سے نہیں ہے ورنہ معطوف علیہ سے پہلے مذکور نہ ہوتی اور نیز اس پر واو عاطفہ داخل ہوتا ہے پس اگر یہ بھی عطف کے لئے ہوتی تو دو حروف عاطفہ کا لانا لازم آتا اور ان میں سے ایک لغو ہوتا اور پہلے اعتراض

تو نے اعتقاد کیا کہ زید تیرے پاس ہے تو نے کہا از ید عندک جب جانا کہ مخاطب کے پاس نہیں ہے تو اس سے بل اضرابیہ کے مقتضی کے موافق اس سے اعراض کیا پس کہا ام عمرو پس استفہام عمر کے ساتھ متعلق ہو گیا ۔

قولہ اما قبل المعطوف علیہ الخ یعنی اما کے ساتھ عطف کیا جاوے تو معطوف علیہ کے قبل ایک اما کا لانا ضروری ہے یعنی اما صرف اما کے ساتھ ہی مستعمل ہوتا ہے یعنی جب ایک شئی کا اما کے ساتھ عطف کیا جاوے تو معطوف کے شروع میں اولاً اما لانا ضروری ہوتا ہے پھر اما کے ساتھ معطوف کا اس پر عطف کیا جاتا ہے جیسے جاء نی اما زید واما عمرو تاکہ شروع ہی سے یہ معلوم ہو جاوے کہ کلام شک پر مبنی ہے پس اما کے ساتھ عطف میں معطوف علیہ اول میں اما لانا ضروری ہوتا ہے ۔

قولہ جائزۃ مع او یعنی ایک شئی کا عطف دوسری شئی پر او کے ذریعہ سے کیا تو معطوف علیہ کو اما کے ساتھ صادر کرنا یعنی معطوف علیہ کے اول میں اما لانا جائز ہوتا ہے واجب نہیں پس اما کے ساتھ کلام کا مبنی دو چیزوں میں سے ایک پر ہے اور اگر اما پہلے ساتھ ہے کلام کا مبنی پس اگر اس کے پہلے اما ہے تو اس وقت بھی کلام کا مبنی دو چیزوں میں سے ایک پر ہے اور اگر اما پہلے نہیں آیا تو یہ سمجھ ہو سکتا ہے کہ متکلم کو شک کے معنی عارض ہوئے ہوں یا ابہام کے معنی معطوف علیہ کے ذکر کے بعد اس میں شک یا ابہام اثناء کلام میں پیدا ہوا اس وجہ سے اس میں اما کا شروع کلام میں لانا واجب نہیں ہوا ۔ جیسے جاء نی اما زید او عمرو لیکن او کے ساتھ اما کا لانا واجب نہیں ہوتا ہے جیسے جاء نی زید او عمرو ۔ قولہ ولکن لا یجب الخ یعنی او کے ساتھ اما کا لانا واجب نہیں ہوتا شارح کی اس عبارت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہاں پر کلام لکن بے محل اور بے موقع واقع ہو رہا ہے کیونکہ مصنف کے جائزۃ مع او سے وجوب متوہم نہیں ہوتا ہے کہ لکن لا یجب لا کر وہم کو دفع کیا جاوے جواب یہ دیا جاتا ہے قولہ جائزۃ مع او سے وجوب متوہم ہو سکتا ہے اس طور سے کہ جواز سے امکان عام مراد لیا جاوے جو وجوب کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے ۔

قولہ ذہب بعض النحاۃ الخ یعنی بعض نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ اما حروف عاطفہ سے نہیں ہے اور اگر یہ حروف عاطفہ سے ہوتا تو معطوف

لغوا والجواب عن الاول اما السابقة على المعطوف عليه ليست للعطف بل للتنبيه على الشك فى اول الكلام كما عرفت وعن الثانى ان الواو الداخلة على اما الثانية لعطفها على اما الاولى واما الثانية لعطف ما بعدها على ما بعد اما الاولى فلكل منهما فائدة اخرى فلا لغو ولا وبل ولكن هذه الحروف الثلاثة لاحدهما معيّناً

کا جواب وہ اما جو معطوف علیہ سے پہلے مذکور ہے وہ عطف کیلئے نہیں ہے بلکہ شک پر اول کلام میں آگاہ کرنے کیلئے ہے جیسا کہ تم پہچان چکے ہو اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اما ثانیہ پر داخل ہونے والا واو عطف کے لئے ہے اما اولیٰ پر اور بہرحال ثانیہ اپنے مابعد کو عطف کرنے کے لئے ہے اما اولیٰ کے مابعد پر لہذا دونوں میں سے ہر ایک کیلئے دوسرا فائدہ ہے پس لغو نہیں ہے اور لا، بل، لکن یہ تینوں حروف دو میں سے ایک کیلئے ہیں متعین طور پر یعنی حکم کی نسبت بیان کرنے کیلئے امرین میں سے

علیہ کے اول میں واقع نہ ہوتا یعنی اگر عطف کے لئے ہوتا تو اس کا معطوف علیہ بعد میں ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے ایک شئی کا عطف معطوف علیہ پر کیا جاتا شارح کا قول والالم تقع قبل المعطوف قیاس استثنائی پر دلیل ہے دوسرے اس وجہ سے بھی عطف کے لئے نہ ہو کہ واو عاطفہ اس پر داخل ہوتا ہے جیسے جارنی اما زید و اما عمرو پس اگر اما بھی عطف کیلئے ہو تو اس وقت دو عاطف کا ایک ساتھ لانا لازم آئے گا اور ان میں سے ایک لغو ہوگا ان دو وجہ سے ابو علی فارسی کے نزدیک اما عاطفہ نہیں ہے۔

قولہ والجواب عن الاول پہلی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ معطوف علیہ سے پہلے جو اما ہے وہ عطف کے لئے نہیں بلکہ اس کو کلام کے اول میں شک خبردار کرنے اور متنبہ کرنے کے لئے ہے معلوم ہو کہ یہ جواب سند کا منع کرنا ہے قولہ والالم تقع کا منع واقع ہوگا۔

قولہ وعن الثانی یعنی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ دو حرف عطف کا جمع ہونا اس وقت باطل ہے کہ ان میں سے ایک لغو ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ جو واو کہ کلمہ اما ثانی پر داخل ہے اس کے ذریعہ سے اس اما ثانی کا اول اما پر عطف ہو رہا ہے اور اما ثانی سے اس کا عطف ہو رہا ہے جو اس کے بعد ہے اس پر عطف ہو رہا ہے جو پہلے اما کے بعد ہے پس واو اور اما دونوں کا فائدہ الگ الگ ہے اس وجہ سے دو عاطف کا اجتماع لازم نہیں آتا ہے کہ ایک ان میں سے لغو اور بے فائدہ ہو۔

مصنفؒ نے شرح مفصل میں کہا کہ واما میں واو حرف عطف ہے اما پر داخل ہو رہا ہے اس غرض سے اس اما ثانی اور پہلے اما کے درمیان جمع کرے اور خود اما اس غرض کے لئے ہے جس پر اما ثانی داخل ہو رہا ہے اور جس پر پہلا اما داخل ہو رہا ہے ان کے درمیان جمع کرے یہ صحیح مصنف کے اس کلام سے ظاہر ہوا کہ جو شارح نے کہا وہ شارح کے مخترعات سے نہیں یہ دوسری دلیل کا جواب بھی منع کے طریقہ پر ہے لیکن یہ منع قولہ احدہما لغوا کا منع ہے کیونکہ واو العطف ہے لیکن اس واو سے عطف ثانی اما کا ہے پہلے اما پر اور دوسرا اما اس شئی کے عطف کے لئے جو اس کے بعد ہے اس شئی پر جو اما اولیٰ کے بعد ہے پس اس واو اور اما دونوں میں سے کسی کا لغو ہونا لازم نہیں آتا ہے لغو ہونا اس وقت لازم آئیگا جب کہ دونوں ایک امر پر عطف کیلئے ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے لیکن رضیؒ شرح کافیہ میں فرمایا کہ حرف کا عطف حرف پر عرب کے کلام میں موجود نہیں ہے لہذا اصواب یہ ہے کہ واو عطف کی تاکید کے واسطے زائدہ ہے چونکہ اما غیر عاطفہ بھی آتا ہے۔

قولہ ای النسبۃ الحکم الخ یعنی لا اور بل اور لکن یہ تینوں حروف معطوف اور معطوف علیہ دونوں میں سے ایک معین کے واسطے آتے ہیں یعنی اس واسطے آتے ہیں کہ معطوف اور معطوف علیہ ان امروں میں سے حکم کی نسبت ایک امر کی طرف علی التعیین ہو رہی ہے حکم سے یہاں مراد محکوم بہ ہے کی نسبت دو امروں میں سے ایک کی طرف ہو رہی ہے اور حکم کے معنی ادراک یعنی وقوع نہیں بلکہ یعنی ادراک یعنی وقوع کی نسبت ایک کی طرف ہو رہی ہے مراد نہیں یہاں تک کہ یہ اعتراض وارد ہو کہ نسبت کی اضافت جو حکم کی طرف ہے اس کے کچھ معنی نہیں چونکہ

ای لنسبة الحکم الی احد من الامرین المعطوف والمعطوف علیه علی التعیین فکلمة لا لنفی الحکم الثابت للمعطوف علیه عن المعطوف فالحکم ههنا للمعطوف علیه لا للمعطوف نحو جاءنی زید لا عمرو فحکم المجیئ فیه لزید لا لعمرو وکلمة بل بعد الاثبات لصرف الحکم عن المعطوف علیه الی المعطوف نحو جاءنی زید بل عمرو ای بل جاءنی عمرو فحکم المجیئ فیه للمعطوف دون المعطوف علیه علی عکس لا والمعطوف علیه فی المسکوت عنه فکانه لم یحکم علیه بشیئ لا بالمجیئ ولا بعدمه والاخبار الذی وقع منه لم یکن بطریق القصد و

ایک کی جانب معطوف اور معطوف علیہ میں سے متعین طور پر پس کلمہ لا اس حکم کی نفی کرنے کیلئے آتا ہے جو معطوف علیہ کے لئے ثابت ہے معطوف سے پس اس جگہ حکم معطوف علیہ کے لئے ثابت ہے نہ کہ معطوف کے لئے جیسے جاءنی زید لا عمرو پس اس مثال میں مجیئت کا حکم زید کے لئے ہے نہ کہ عمرو کیلئے اور کلمہ بل اثبات کے بعد حکم کو معطوف علیہ سے معطوف کی جانب پھیرنے کیلئے آتا ہے جیسے جاءنی زید بل عمرو یعنی بل جاءنی عمرو بلکہ عمرو آیا پس مجیئت کا حکم اس مثال میں معطوف کیلئے ثابت ہے نہ کہ معطوف علیہ کے لئے لا کے برعکس اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے پس گویا اس پر کسی چیز کا حکم نہیں کیا گیا نہ مجیئت کا نہ عدم مجیئت کا اور وہ خبر جو اسکے ذریعہ ثابت ہو گی

حکم کے واسطے نسبت نہیں ہوتی

قولہ فکلمة لا الخ پس کلمہ لا اس حکم کی معطوف سے نفی کے لئے جو حکم کہ معطوف کیلئے ثابت ہے اسی وجہ سے لا صرف اثبات کے بعد آتا ہے اور اس کے ساتھ صرف اسم کا عطف کیا ہے اس وجہ سے یہاں پر حکم صرف معطوف علیہ کے لئے اور معطوف کے لئے نہیں بلکہ معطوف سے حکم کی نفی ہو گی اس لکن کے خلاف پر جو منفی پر عاطف ہے کیوں کہ حکم اس کے لئے ثابت ہے جو لا سے پہلے اور اس کے لئے ثابت جو لا کے بعد ذکر کیا جاوے جیسے جاءنی زید لا عمرو پس اس میں مجی کا حکم زید کے لئے ہے اور عمرو کیواسطے نہیں ہے اس بیان سے ثابت ہوا کہ لا کے ماقبل اثبات لازم ہے خواہ لفظاً اثبات ہو جیسے جاءنی زید لا عمرو یا معنیً اثبات ہو جیسے انما زید قائمٌ لا نائمٌ اور لا کے ساتھ صرف اسم ہی کا عطف کیا جاوے گا اور مضارع کا عطف اس کے ساتھ نادر قلیل ہے اور سہیل سے یہ منقول ہے کہ معطوف بلا معطوف پر صادق نہ ہوتا ہو لہذا قام رجل لا زید نہیں بولا جائے گا ایسے ہی قامت امرأة لا ہند نہیں بولا جائے گا۔

قولہ وکلمة بل کلمہ بل اثبات یعنی کلام مثبت کے بعد معطوف علیہ سے معطوف کی طرف حکم کے پھیرنے کیلئے ہے جیسے جاءنی زید بل عمرو یعنی بل جاءنی عمرو پس اس میں بھی آنے کا حکم عمرو کیلئے جو کہ معطوف ہے زید جو کہ معطوف علیہ ہے اس کے لئے نہیں ہے یہ بل لا کے برعکس ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے یعنی حکم ثبوت اور

حکم کی نفی دونوں سے سکوت ہے کیوں کہ معطوف علیہ کے عقل کے اعتبار سے تین احتمال ہیں اول حکم کا اس کے لئے ثبوت ہو دوسرے اس سے حکم کی نفی ہو تیسرے یہ اس سے سکوت ہو پس گویا کہ اس پر کسی شئی کے ساتھ حکم نہیں کیا گیا نہ مجی کے ساتھ اور نہ عدم مجی کے ساتھ اور نہ کسی اور کے ساتھ چونکہ شارح شیئ نکرہ لایا ہے جو تحت النفی اس لئے اس سے مراد سلب کل ہے یعنی اس پر کسی

شی کے ساتھ حکم نہیں کیا معلوم ہو کہ شارح نے کانہ بطریق الظن کہا چوں کہ بحسب الظاہر اس میں حکم ہے کہ جاءنی زید پس یہ حکم ثبوتی پر مشتمل ہے معنی کے اعتبار سے اس میں حکم نہیں ہے کیوں کہ کلمہ بل حکم کو معطوف علیہ سے معطوف کی طرف پھیر دیتا ہے نیز معلوم ہو کہ شارح کی عبارت بعد الاثبات میں اثبات مصدر بمعنی اسم مفعول مثبت کے معنی میں ہے

قولہ الاخبار الذی وقع اور وہ اخبار جو

لہذا اصرف عنہ بکلمۃ بل واما کلمۃ بل بعد النفی نحو ماجاء نی زید بل عمرو ففیہ خلاف فذہب بعضہم الیٰ ان کلمۃ بل لصرف الحکم المنفی من المعطوف علیہ الی المعطوف ای بل ماجاء نی عمرو والمعطوف علیہ فی حکم المسکوت عنہ وبعضہم الیٰ انہا تثبت الحکم المنفی عن المعطوف علیہ للمعطوف والمعطوف علیہ فی حکم المسکوت عنہ او الحکم منفی وعنہ فمعنی ماجاء نی زید بل عمرو بل جاء نی عمرو وزید ما فی حکم المسکوت عنہ او المجئ منفی عنہ ولکن لازمۃ للنفی ای غیر مستعملۃ بدونہ فان

بطریق قصد نہ ہوگی اسی لئے کلمہ بل کے ذریعہ اس سے انصراف کیا گیا ہے اور بہر حال کلمہ بل نفی کے بعد جیسے ماجاء نی زید بل عمرو تو اس میں اختلاف ہے بعض اس طرف گئے ہیں کہ کلمہ بل حکم منفی کو پھیرنے کے لئے ہے معطوف علیہ سے معطوف کی جانب یعنی بل ماجاء نی عمرو اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ وہ حکم منفی کو معطوف علیہ سے معطوف کی جانب ثابت کرتا ہے ۔ اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے یا پھر حکم کی اس سے نفی کی گئی ہے پس ماجاء نی زید بل عمرو کے معنی جاء نی عمرو کے ہیں اور زید یا مسکوت عنہ کے حکم میں ہے یا مجیئت کی اس سے نفی کی گئی ہے اور لکن نفی کے لئے لازم ہے یعنی اسکے بغیر استعمال نہیں کیا جاتا

اس کلام سے واقع ہوری ہے قصد کے طریق پر نہیں اسی وجہ سے اس اخبار کو کلمہ بل سے پھیر دی گئی ہے شارح اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ تم کیسے کہتے ہو کہ معطوف علیہ میں حکم نہیں چنانچہ متکلم نے مجیٔ زید سے خبر دی ہے اور جاء نی زید کہا ہے جواب کی تقریر یہ ہے کہ یہ اخبار متکلم سے قصد کے طریق پر نہیں ہے بلکہ یہ اخبار متکلم سے غفلت کے طور پر

واقع ہوئی ہے اسی وجہ سے زید معطوف علیہ سے حکم کو کلمہ بل کے ساتھ معطوف کی طرف پھیر دیا معلوم ہو کہ وقع منہ میں منہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ متکلم کی طرف راجع ہو یعنی وہ اخبار جو متکلم سے واقع ہوئی دوسرا احتمال یہ ہے کہ منہ کی ضمیر معطوف علیہ کی طرف راجع نہ متکلم کی طرف یعنی وہ اخبار جو متکلم کے واسطے معطوف علیہ کی جانب سے واقع ہوئی ۔

قولہ اما کلمۃ بل بعد النفی الخ نفی کے یعنی منفی کلام کے بعد جب کلمہ بل واقع ہو جیسے ماجاء نی زید بل عمرو تو اس میں خلاف ہے پس بعض تو اس طرف گئے ہیں کہ کلمہ بل معطوف علیہ سے معطوف کی طرف حکم کے پھیرنے کے لئے ہے یعنی بلکہ عمرو میرے پاس نہیں آیا اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے اور یہ مبرد کا مذہب ہے اور وہ ظاہر ہے کیوں کہ بل اضراب کے واسطے اور اضراب کے معنی معطوف کی طرف معطوف علیہ سے سابق حکم کے پھیر دینے کے معنی ہے اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ منفی حکم معطوف کیلئے ثابت ہے معطوف علیہ سے تجاوز کرکے اور معطوف علیہ یا تو مسکوت عنہ کے حکم میں ہے یا معطوف علیہ جس کے واسطے بحسب العقل تین احتمال ہیں مسکوت عنہ کے حکم میں ہے یا معطوف علیہ سے علیٰ سبیل القطع والجزم حکم منفی ہے تاکہ وہ درست ہو جاوے جو اس کے مقابل ہے یعنی قولہ فی حکم المسکوت عنہ کیونکہ منفی حکم ہو سکتا ہے کہ وہ احتمال کے ساتھ ہو اور جزم کے طریق پر نہ ہو پس اس پر ماجاء نی زید بل عمرو کے معنی ہے بل جاء نی عمرو اور زید یا مسکوت عنہ کے حکم میں ہے یا اس سے مجی منفی ہے قولہ ولکن لازمۃ لکن نفی کے واسطے لازم ہے شارح اس کی تفسیر ای غیر مستعملۃ بدونہ سے کی اس وجہ سے کہ مصنف کا ظاہر کے اعتبار سے اس کو مقتضی ہے کہ نفی کلمہ لکن لغیرہ پائی جائے اور یہ باطل ہے پس اس اعتراض کے دفع کے لئے شارح غیر مستعملۃ بدونہ کہا یعنی کلمہ لکن نفی کے بغیر

كانت لعطف المفرد على المفرد فهي نقيضة لا فتكون لايجاب ما انتفى
عن الاول فتكون لازمة لنفي الحكم عن الاول نحو ما قام زيد لكن
عمرو اي قام عمرو وان كانت لعطف الجملة على الجملة فهي نظيرة بل في
مجيئها بعد النفي والاثبات فبعد النفي لاثبات ما بعدها وبعد
الاثبات لنفي ما بعدها نحو جاءني زيد لكن عمرو لم يجئ وما جاءني
زيد لكن عمرو قد جاء فعلى كل تقدير غير مستعملة بدون النفي حروف

پس اگر عطف مفرد علی المفرد ہے پس وہ لا کے نقیض ہے پس وہ ایجاب کے معنی دیتا ہے جو اول سے منتفی ہو گیا ہے پس وہ اول سے حکم کی نفی کرنے کیلئے لازم ہے جیسے ما قام زید لکن عمرو یعنی قام عمرو اور اگر وہ عطف جملہ علی الجملہ پر مستعمل ہو تو یہ بل کی نظیر ہے اس کے آنے میں نفی اور اثبات کے بعد پس نفی کے بعد ما بعد کے اثبات کیلئے آتا ہے۔ اور اثبات کے بعد ما بعد کی نفی کے لئے جیسے جاءنی زید لکن عمرو لم یجئ اور ماجاءنی زید لکن عمرو قد جاء پس ہر صورت میں وہ بغیر نفی کے وہ استعمال نہیں کیا جاتا حروف

استعمال نہیں کیا جاتا ہے اس سے شارح رح اشارہ کر دیا کہ یہاں لازم غیر الفارق کے معنی میں ہے لغت کے مقتضی کے موافق بولا جاتا ہے لازم یعنی جدا نہیں ہوا پس مصنف پر یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مصنف رح کو صواب یہ تھا کہ یہ کہتا ولکن ملزومۃ للنفی اور اس کی تفصیل قولہ دام المنفصلۃ لازمۃ ہمزۃ الاستفہام میں گذر چکی ہے۔ قولہ فان کانت لعطف المفرد الخ پس اگر اس لکن سے مفرد کا عطف مفرد پر کیا جا رہا ہو تو یہ لکن کی نقیض ہوگی یعنی لکن کے ماقبل کا منفی ہونا واجب ہوتا ہے اور لا کا ماقبل مثبت پس اس وقت لکن اس شئی کے ایجاب اور اثبات کے لئے ہوگا جو اول سے منتفی ہے پس یہ لکن لازم ہوگا کہ اول سے حکم کی نفی ہو یعنی اول سے انتفاء بحالہ باقی ہے اس کے ساتھ حکم غلط واقع نہیں ہوا اور لکن کو صرف توہم کے دور کرنے کے واسطے لایا گیا ہے جیسے ما قام زید لکن عمرو یعنی زید کے قیام کی نفی بحالہ باقی ہے لیکن اس سے عمرو کے قائم نہ ہونے کا وہم ہوتا ہے اس کو لکن سے دفع کر دیا کہ عمرو کے لئے قیام کا ثبوت ہے یعنی تابع کیواسطے اس خبر کا اثبات جو متبوع سے منتفی ہے اور متبوع سے حکم کی نفی اپنے حال پر باقی ہے غلط واقع نہیں ہوئی اور لکن صرف توہم کے دور کرنے کے واسطے ہے۔

قولہ فان کانت لعطف الجملۃ الخ اور اگر لکن جملہ پر جملہ کے عطف کے لئے ہو تو اس وقت بل کی نظیر ہے جیسے بل نفی اور اثبات کے بعد آتا ہے ایسے لکن نفی کے بعد بھی آتا ہے اور اثبات کے بعد بھی اس سے شارح رح اشارہ کر دیا کہ لکن جو جملہ پر داخل ہوتا ہے وہ عاطفہ ہوتا ہے زمخشری کا بھی مختار ہے لہذا لکن کے ماقبل پر وقف کرنا خوب اور حسن نہیں ہوگا۔

قولہ فبعد النفی الخ یعنی کہ لکن جب کلام منفی کے بعد ہو تو اس کے اثبات کے لئے ہوگا جو لکن کے بعد ہے اور جب کلام مثبت کے بعد واقع ہو تو اس کی نفی کے واسطے جو اس کے بعد یعنی لکن کے بعد واقع ہے ثانی کی مثال جیسے جاءنی زید لکن عمرو لم یجئ اور اول کی مثال ماجاءنی زید لکن عمرو قد جاء شارح رح نے یہ دونوں مثالیں بطریق لف نشر مشوش دی ہے یعنی لف ونشر غیر مرتب کے طور پر مثالیں پس ہر تقدیر پر خواہ لکن نفی کے بعد ہو خواہ اثبات کے بعد خواہ عطف الجملہ علی الجملہ کے لئے ہو خواہ عطف المفرد علی المفرد کے لئے ہو نفی کے بغیر مستعمل نہ ہوگا۔

قولہ حروف التنبیہ الخ تنبیہ کے حروف کل تین ہیں ایک لا اور دوسرا اَمَا اور تیسرا ھَا تنبیہ کے معنی بیدار کرنا اور خبردار کرنا نبّہ کو باب تفعیل میں لے گئے نبہ کے معنی بیداری اور خبرداری ہیں جملوں کو ان کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے یعنی ان کو جملوں کے صدر اور شروع میں لایا جاتا ہے اور اسمیہ کے بین اول نہیں بھی اور فعلیہ کے اول میں بھی خبریہ کے اول میں بھی اور انشائیہ طلبیہ کے اول میں بھی اور انشائیہ غیر طلبیہ کے اول میں بھی ان میں سے الا اور اَما واجب التصدیر یعنی ان کا شروع میں واجب ہے اور ہا کا شروع میں لانا جائز ہے البتہ جبکہ ہا اور اسم اشارہ کے درمیان فصل کر دیا جائے

التنبیه الا واما وھا یصدر بہا الجمل کلہا حتی لا یغفل المخاطب عن شیٔ ما یلقی المتکلم الیہ ولہذا سمیت حروف التنبیہ نحو الا زید قائم واما زید قائم وھا زید قائم وتدخل ھا خاصة من المفردات علی اسماء الاشارة حتی لا یغفل المخاطب عن الاشارة التی لا تتعین معانیہا الا بہا نحو ھذا وھاتان وھذان وھؤلاء حروف النداء یا اعمہا استعمالا لانہا تستعمل لنداء القریب والبعید وایا وھیا للبعید وای بفتح الھمزة وسکون الیاء والھمزة للقریب

تنبیہ الا، اما اور ھا ان کے ذریعہ جملے شروع کئے جاتے ہیں تاکہ مخاطب غافل نہ رہے اس چیز سے کہ جو اسکی جانب متکلم القاء کرتا ہے اسی لئے ان کا نام حروف تنبیہ رکھا گیا ہے جیسے الا زید قائم اور اما زید قائم اور ہا زید قائم اور مفردات میں سے ہا خاصکر اسماء اشارہ پر داخل ہوتا ہے تاکہ مخاطب اشارہ سے غافل نہ رہے یعنی وہ کہ جن کے معانی بجز اس کے متعین نہ ہوں جیسے ہذا، ھاتا، ھاتان اور ھذان اور ھؤلاء اور حروف ندا یا ہے جو ان سب حروف میں سب سے عام ہے استعمال کے اعتبار سے کیوں کہ وہ ندا قریب و بعید دونوں کیلئے استعمال کی جاتی ہے اور ایا، ھیا اور ای یہ تینوں اشارہ بعید کے لئے ہیں اور ای ہمزہ کے فتحہ اور یاء کے سکون کے ساتھ ہے اور ہمزہ اشارہ قریب

تو پھر اس کا بھی شروع میں لانا واجب ہو تا کہ جیسے ھا لعمرو واللّٰہ اذا ۔

قولہ حتی لا یغفل المخاطب یعنی حروف تنبیہ شروع میں اس وجہ سے لائے جاتے ہیں تاکہ مخاطب متکلم سے کلام سننے میں غفلت نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مخاطب متکلم سے غافل ہو اور دوسری جانب متوجہ ہو یا متکلم مثلاً زید قائم کہے لیکن ہے کہ اس سے غفلت کرے اور اس کو نہ جانے پس اس کے اول حروف تنبیہ میں سے کوئی حرف لاتا ہے پس کہتا ہے الا زید قائم اور اس کے معنی ہے کہ اے مخاطب تو اپنے ذہن کو میری طرف کرلے ۔

قولہ من شیٔ الخ یعنی متکلم جیسی بھی کوئی مخاطب کی طرف ڈال رہا یعنی جو کلام بھی متکلم مخاطب سے کرنا چاہتا ہے مخاطب سے اس میں غفلت نہ ہو اور اسی وجہ سے ان کا نام حروف التنبیہ رکھا جاتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ اس سے غفلت نہ ہوئے تنبیہ ہو جاوے جس کو متکلم مخاطب کی طرف ڈال رہا ہے جیسے الا زید قائم یعنی اے مخاطب خبردار ہو زید کھڑا ہونے والا ہے اور اما زید قائم اور ہا زید قائم ۔

قولہ وتدخل ہا الخ یعنی ہا خاصکر مفردات پر بھی داخل ہو جاتی لیکن تمام مفردات پر داخل نہیں ہوتی بلکہ مفردات میں سے صرف اسماء اشارہ پر خواہ اسم اشارہ واحد ہو جیسے ہذا اور خواہ مثنی ہو جیسے ھاتان اور ہذان اور خواہ جمع ہو جیسے ھؤلاء اور اسماء اشارہ پر ہا تنبیہ اس وجہ سے داخل ہو جاتی ہے تاکہ مخاطب اس اشارہ سے غفلت نہ کرے جس کے معنی صرف اشارہ ہی سے متعین ہوتے ہیں کیوں کہ اسماء اشارات وضع عام کے ساتھ جزئیات کے لئے موضوع ہیں یا عام معنی کے لئے موضوع ہیں جزئیات میں استعمال کی شرط پر ہر دو صورت میں مراد پر دلالت صرف اشارہ ہی کے ذریعہ سے ہوگی ۔

قولہ یا اعمہا الخ یعنی ندا کے حروف میں سے ایک یاء ہے ندا کے معنی طلب الاقبال بحرف نائب لادعو ہے تفصیل بحث منادی میں گذری یا تمام حروف نداء میں سے اعم ہے استعمال کے اعتبار سے چنانچہ حرف ندا نداء قریب اور بعید دونوں میں استعمال کی جاتی ہے ایسے ہی استغاثہ اور ندبہ میں بھی یا استعمال کی جاتی ہے

قولہ للبعید یعنی ایا اور ھیا یہ دونوں بعید کے لئے ہیں خواہ حقیقۃ بعید ہو یا حکماً بعید جیسے ساہی (بھولنے والا) اور نائم (سونے والا) اور متحیر (حیران) اور ان دونوں کی ندا بعید کے لئے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نداء بعید آواز کے بلند کرنے کی طرف محتاج ہوتی ہے اور آواز کا بلند کرنا حروف کی کثرت اور مد کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور یہ دونوں ایا اور ھیا متحقق ہیں اور ای الھمزۃ میں منتفی ہیں اور یا میں مد موجود ہے اور کثرت موجود نہیں اسی وجہ سے یا قریب اور بعید دونوں کے لئے آتی ہے اور

وكانه اراد بالقريب ماعدا البعيد فيدخل فيه المتوسط ايضاً فان القريب ينقسم الى قريب متصف باصل القرب من غير زيادة وله كلمة اى والى اقرب متصف بزيادة القرب وله الهمزة بخلاف البعيد فانه لم يذكر له مرتبتان فالقريب بالمعنى المقابل للاقرب هو المتوسط بين كمال البعد وكمال القرب

کیلئے ہے اور گویا مصنف نے یہاں پر قریب سے ماسوا البعید مراد لیا ہے لہذا پس اس میں متوسط بھی داخل ہے کیوں کہ قریب منقسم ہوتا ہے اس قریب کی جانب جو اصل قرب کے ساتھ متصف ہو بغیر زیادتی کے اور اس کے لئے کلمہ ای ہے اور اس اقرب کی جانب جو متصف ہوتا ہے زیادتی قرب کی جانب اور اس کے لئے ہمزہ وضع کیا گیا ہے بخلاف بعید کے کہ دو مرتبے ذکر نہیں کئے گئے پس وہ قریب جو اقرب کے مقابل ہو تو وہ متوسط ہے کمال بعید کے درمیان اور کمال قرب کے درمیان

ایا اور ھیا بعید کے لئے اور ای اور ہمزہ قریب کے لئے اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ ای قریب کیلئے اور ہمزہ اقرب کے لئے ہے۔

قولہ وکانہ اراد بالقریب ماعدا البعید یعنی مصنف کی عبارت میں قریب سے مراد بعید کے ماسوا ہے پس متوسط بھی قریب میں داخل ہوجائے گا یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ای ندا متوسط کے لئے آتا ہے اور مصنف نے ندا متوسط کو ذکر نہیں کیا پس شارح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قریب سے مراد گویا بعید کے علاوہ ہے پس اس وقت ندا متوسط ندا قریب میں داخل ہو جاوے گی سوال جب کہ ندا متوسط موجود متحقق ہے تو مصنف کی عبارت میں یہ ضروری ہوا کہ قریب سے مراد بعید کے ماسوا ہو تاکہ ... ندا متوسط ندا قریب میں داخل ہو جاوے پس شارح رحمہ اللہ کانہ جو لائے ہیں اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی ہے جواب شارح کانہ اس وجہ سے لائے کہ ہوسکتا ہے قریب سے مراد ایسا اقرب ہو جو زیادہ نزدیکی اور قرب کے ساتھ موصوف ہو اور قریب ماعدا البعید مراد نہ ہو پس اگر قریب سے ماعدا البعید مراد ہو تو اس وقت متوسط قریب میں داخل ہوتا ہے لیکن اگر قریب سے اقرب مراد ہو تو پھر متوسط قریب میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اس وقت بعید میں داخل ہوگا۔ اس وجہ سے شارح کانہ لائے ہیں پس جب قریب سے ماعدا البعید ہوا تو قریب کی دو قسم ہوگئیں ایک ایسا قریب جو اصل قرب کے ساتھ موصوف ہو بلا زیادہ قرب کے اور اس کے لئے کلمہ ای ہے دوسری قسم قریب کی اقرب ہوئی جو زیادہ قرب کے ساتھ موصوف ہو اور اس کے واسطے ہمزہ ہے

پس وہ قریب جو اصل قرب کے ساتھ بلا زیادہ قرب کے موصوف ہے وہ متوسط ہے اس کے واسطے مثلاً زید جب کہ وہ عمرو کے پہلو میں بلا واسطہ ہو تو وہ اقرب ہوگا اور اگر زید عمرو کے پہلو میں بواسطہ ہو تو وہ قریب ہوگا۔

قولہ بخلاف البعید الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ جیسے قریب کے دو مرتبہ بنائے ایک ایسا قریب جو اصل قرب کے ساتھ موصوف بلا زیادہ قرب کے اور دوسرا ایسا قریب جو زیادہ قرب کے ساتھ موصوف یعنی اقرب اول درجہ متوسط ہے اسی طرح بعید میں بھی دو مرتبہ بنا سکتے ہیں ایک وہ جو اصل بعد کے ساتھ اور زیادہ بعد کے موصوف ہو اور دوسرا مرتبہ وہ جو زیادہ بعد کے ساتھ موصوف ہو پس متوسط بعید کے پہلے مرتبہ میں داخل ہو جاوے پس

شارح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قوم کے کلام کے تتبع اور استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم بعید کے لئے یہ دو مرتبے ذکر نہیں ہم قوم کے کلام میں بعید کے واسطے یہ دو مرتبے نہیں پاتے ہیں اس بیان سے فاضل حلوانی نے جو ذکر کیا ہے وہ مردود ہوجاتا ہے فاضل حلوانی نے کہا کہ بعید کے واسطے ان مذکور دو مرتبہ کا ذکر نہ ہونا اور قریب کے واسطے ذکر ہونا یہ صرف دعویٰ ہے اس پر نہ کوئی صحیح نقل ہے نہ کوئی شاہد صریح ہے اس وجہ سے شارح کا یہ دعویٰ درست نہیں فاضل حلوانی یہ قول اس وجہ سے قابل اعتبار نہیں کہتے کہ ہم نے قوم کے کلام استقراء اور تتبع کیا قوم نے بعید میں یہ دو مرتبہ ذکر نہیں کئے قریب میں ذکر کرتے ہیں واللہ اعلم۔ معلوم ہوا کہ یہاں پر قریب سے مصنف کی مراد اعم ہے جو قریب اور اقرب دونوں کو شامل ہے

حروف الایجاب نعم وبلیٰ وای بکسر الهمزة وسکون الیاء واجل و جیر وان بکسر الهمزة وفتح النون المشددة ومن بیان معانی تلك الحروف یتبین وجه تسمیتها بحروف الایجاب فنعم مقررة لما سبقها ای محققة لمضمونه استفهاما کان او خبرا فهی فی جواب اقام زید بمعنی قام زید وفی جواب الم یقم زید بمعنی لم یقم زید وبلیٰ فی جواب الم یقم زید بمعنی قام زید فمعنی بلیٰ فی جواب

اور حروف ایجاب نعم، بلیٰ اور اِی ہیں ہمزہ کے کسرہ اور یار کے سکون کے ساتھ اور اجل، جیر ہے اور اِنّ ہمزہ کے کسرہ اور نون مشددہ کے فتحہ کے ساتھ اور ان حروف کے معانی کے بیان سے ہی ان کے حروف ایجاب نام رکھنے کی وجہ ظاہر ہو جائے گی پس نعم ماسبق کیلئے مقرر کیا گیا ہے یعنی اپنے مضمون کو محقق کرنے والا ہے خواہ استفہام ہو یا خبر ہو پس وہ اقام زید کے جواب میں قام زید کے معنی میں ہے اور الم یقم زید کے جواب میں لم یقم زید ہے اور الم یقم زید کے جواب میں بلیٰ کہنا قام زید کے معنی ہیں

پس وہ قریب جو اقرب کے مقابل ہے وہ متوسط ہے کمال بعد اور کمال قرب کے درمیان یعنی ابعد اور اقرب کے درمیان ہیں.

قولہ حروف الایجاب ایک نعم ہے اور اس میں مشہور چار لغت ہیں (۱) فتح النون و العین (۲) نون کا فتحہ اور عین کا کسرہ (۳) نون اور عین دونوں کا کسرہ (۴) نون کا فتحہ اور عین مضمومہ کر جا سے بدلنا ایسے ہی نسخہ میں ہے دوسرا حرف ایجاب بلیٰ ہے اور تیسرا حرف ایجاب ای ہے اس کا ہمزہ کو کسرہ اور یار ساکن ہے چوتھا اجل بفتحتین وسکون اللام اور پانچواں جیر جیم مفتوح اور یار ساکن اور رار کو کسرہ اور چھٹا حرف ایجاب ان ہے ہمزہ کے کسرہ اور نون مشدد کے فتحہ کے ساتھ

قولہ ومن بیان الخ یعنی ان حروف کے معنوں کے بیان ان کے حروف ایجاب کے ساتھ نام رکھنے کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے شارح اس سوال کا جواب دیتے ہیں ان حروف مذکورہ کا حروف ایجاب کیوں نام رکھا گیا پس فرماتے ہیں کہ اس حروف کے معنی میں ایجاب ہے اس وجہ سے یہ نام رکھدیا ایجاب کے بیان تحقیق کے ہیں اور یہ اس معنی تحقیق کے لئے آتے ہیں اس وجہ سے نام رکھدیا ہے، ایجاب کے معنی اثبات جو نفی کا مقابل ہے نہیں ہے کیوں کہ اگر ایجاب کے معنی اثبات کے ہوں تو بلیٰ میں تکلف کی طرف احتیاج ہوگی۔

قولہ ای محققۃ مصنف نعم کے متعلق کہا کہ یہ نعم اس شئی کو ثابت کرنے والا ہے جو اس نعم سے پہلے گذری ہے شارح فرماتے ہیں مصنف کے قول کا یہ مطلب ہے کہ ماسبق کے مضمون کی تحقیق کرنے والا ہے یعنی اس نعم سے پہلے جو آیا ہے متکلم کے ذہن میں اس کے مضمون کی تحقیق خواہ اس مضمون کا ماسبق استفہام ہو خواہ خبر ہو مطلب یہ کہ مصنف کی عبارت میں تقریر سے مراد تاکید نہیں یعنی یہ نعم ماسبق کے مضمون کی تاکید نہیں کیوں کہ تاکید صرف اس میں پائی جاتی ہے جو خبر کے بعد ہو بلکہ تقریر سے مراد تحقق یعنی بات کو سچ قرار دینا اور شارح نے جو لفظ مضمون زیادہ کیا یہ اس لئے زیادہ کیا کہ نعم امر و نہی اور تحضیض اور عرض اور استفہام اور خبر ان سب کے بعد آتا ہے اور خبر کے علاوہ سب میں اس کو سچ کرتا ہے جو کہ وہ سابق کا مضمون ہے اور اس سے مقصود مطلوب اور مستفہم عنہ ہے۔

قولہ استفہاماً ماکان اوخبراً وہ کلام جو نعم سے پہلے آیا ہے عام ہے خواہ کلام استفہامی ہو خواہ خبری ہو شارح نے یہ نہیں کہا کہ وہ کلام انشائی ہو یا خبری ہو حالاں کہ اسی کا تقاضہ کرتا ہے شارح نے انشاءً او خبراً کہا کیوں کہ نعم سے پہلے جو کلام ہوتا ہے وہ انشاء مطلقاً نہیں ہوتا بلکہ اس کا ایک فرد استفہام ہوتا ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ ظاہر یہی تھا کہ شارح انشاءً کان او خبراً کہیں تاکہ استفہام کے علاوہ دوسرے کلام انشائی کی تقریر کے جائز ہونے کا فائدہ دے پس اقام زید کے جواب میں قام زید کے معنی میں نعم

الست بربكم انت ربنا ولو قيل في موضع بلى ههنا نعم لكان كفرا فان معناه حج لست بربنا ولو قيل يجوز استعمال نعم ههنا بجعلها لتصديقا للاثبات المستفاد من انكار النفي وقد اشتهر هذا في العرف فلو قال احد يا زيد اليس لي عليك الف درهم وقال زيد نعم يكون اقرارا وتقوم مقام بلى لتقرير الاثبات بعد النفي وبلى مختصة بايجاب النفي يعني تنقض النفي المتقدم وتجعله ايجابا سواء كان ذلك

پس لست بربکم کے جواب میں بلیٰ معنی میں انت ربنا کے ہیں اور اگر اس جگہ بلیٰ کے بجائے جواب میں نعم کہا جاتا تو البتہ کفر ہوجاتا کیونکہ اس وقت اس کے معنی ہوتے لست بربنا اور اعتراض کیا جائے کہ یہاں نعم کا استعمال جائز ہے اس کو اثبات کی تصدیق قرار دیکر وہ اثبات جو نفی کے انکار سے مستفاد ہے اور تحقیق یہ عرف میں مشہور بھی ہے پس اگر کوئی شخص کہے یا زید الیس لی علیک الف درہم اور زید اس کے جواب میں نعم کہدے تو یہ اقرار سمجھا جائے گا اور نعم بلیٰ کے قائم مقام کرتا ہے نفی کے بعد اثبات کو ثابت کرنے کیلئے اور بلیٰ مختص ہے نفی کے ایجاب کیلئے یعنی سابقہ نفی کو توڑ دیتا ہے اور اس کو ایجاب بنا دیتا ہے برابر ہے کہ یہ نفی مجرد ہو (خالی ہو) استفہام سے جیسے بلیٰ

ہوگا اور الم یقم زید کے جواب میں لم یقم زید کے معنی میں ہوگا۔

قولہ بلی فی جواب یعنی الم یقم زید کے جواب میں بلی قام زید کے معنی ہے پس ... الست بربکم کے جواب میں بلی انت ربنا کے معنی میں ہے شارح نے بلی فی جواب الم یقم زید کو یہاں اس وجہ سے ذکر کیا تاکہ یہ اس امر کے بیان کے واسطے تمہید ہوجائے کہ الست بربکم کے جواب میں نعم درست نہیں اور بلی جواب میں صحیح ہے اگر یہاں بلی کی جگہ میں نعم کہا جاتا تو کفر ہوگا کیونکہ اس وقت اس کے معنی یہ ہوں گے تو ہمارا رب نہیں اگر شارح اس طرح کہتے کہ پس اگر الست بربکم کے جواب میں نعم کہا جاوے تو کفر ہوگا تو شارح کا یہ اعتراض ہوتا اور اس شیٔ کی طرف حوالہ سے محفوظ ہوتا جو اس کے مابعد کی طرف ہورہا ہے۔ اور الست بربکم قالوا بلی کے معنی کے بیان میں جو تکرار لازم آرہا ہے اس سے خوب حفاظت ہوجاتی۔

قولہ ولو قیل یجوز استعمال نعم اور بعض نے کہا کہ یہاں نعم کا استعمال درست ہوتا ہے اس طور سے کہ نعم کو اس اثبات کی تصدیق کیلئے قرار دیدیا جاوے جو نفی کے انکار سے حاصل ہورہا ہے اور اس کی تقریر کے لئے قرار نہ دیا جائے جب کہ بعد ہمزۂ استفہام ہے پس اس وقت استفہام کے واسطے جواب نہ ہوگا کیونکہ استفہام کا جواب اس کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کے بعد ہے پس اس ہمزہ انکار کے واسطے اور نفی کا انکار اثبات ہے اور رضی میں ہے کہ وہ ہمزہ تقریر کیلئے ہے یعنی اقرار پر حمل کرنے کیلئے ہے۔

قولہ وقد اشتہر ہذا اور عرف میں یہ معنی مشہور ہوگئے ہیں پس اگر کوئی یہ کہے یا زید الیس لی علیک الف درہم (اے زید کیا میرے تجھ پر ایک ہزار درہم نہیں ہیں) اور زید نے اس کے جواب میں نعم کہا تو یہ اقرار ہوگا اور بلی کی جگہ یہ نعم نفی کے بعد اثبات کی تقریر کے لئے ہوجاویگا اسی وجہ سے بعض نے کہا کہ اگر الست بربکم کے جواب میں بلی کہا تو کافر نہیں ہوگا۔

قولہ بلی مختصۃ الخ یعنی بلی نفی کے ایجاب کے ساتھ مختص ہے یعنی کلام منفی متقدم کے ایجاب کے ساتھ خاص ہے یعنی منفی کو اثبات کرتا ہے یہاں اختصاص سے اس طرف اشارہ کیا کہ بلی ایجاب کی تصدیق کے لئے نہیں آتا ہے اختصاص کے ذکر سے مقصود اس تصدیق کی نفی ہے جس کی طرف وقد جاء بلی علی سبیل الشذوذ قول سے اشارہ کیا شارح مصنف کے قول مختصۃ بایجاب النفی کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ بلی متقدم نفی کو توڑ دیتا یعنی پہلی نفی کو باطل کر دیتا ہے اور اس نفی متقدم کو ایجاب بنا دیتا ہے خواہ وہ نفی استفہام سے مجرد ہو لا استفہام سے خالی کی ہوئی) یعنی بلا استفہام جیسے ایک شخص نے کہا ما قام زید تو اس کے جواب میں بلی کہا اس کے معنی ہے قد قام پس اس کلام منفی جو ما قام

النفی مجرداً عن الاستفہام نحو بلیٰ فی جواب من قال ما قام زید ای قد قام او مقروناً بہ فہی اذن لنقض النفی الذی بعد ذلک الاستفہام کقولہ تعالیٰ الست بربکم قالوا بلیٰ ای بلیٰ انت ربنا وقد جاء علی سبیل الشذوذ لتصدیق الایجاب کما تقول فی جواب اقام زید بلیٰ قام زید ای اثبات بعد الاستفہام لا شک فی غلبۃ استعمالہا مسبوقۃ بالاستفہام وذکر بعضہم انہا تجیٔ لتصدیق الخبر ایضاً وذکر ابن مالک ان ای بمعنی نعم وہذا مخالف لما ذکرہ المصنف رح

اس شخص کے جواب میں جس نے کہا ما قام زید یعنی قد قام یا پھر اس کے ساتھ ملا ہوا ہو تو پس وہ (بلیٰ) اس وقت اس نفی کو توڑنے کیلئے ہے جو اس استفہام کے بعد واقع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے الست بربکم قالوا بلیٰ یعنی بلیٰ انت ربنا (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ہاں تو ہمارا رب ہے) اور تحقیق بطور شاذ آیا ہے ایجاب کی تصدیق کیلئے جیسے تو کہے اقام زید کے جواب میں بلیٰ قام زید یعنی اثبات استفہام کے بعد اس کے استعمال کے غالب ہونے میں کوئی شک نہیں ہے درانحالیکہ وہ استفہام کے بعد واقع ہو اور نحویوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ خبر کی تصدیق کیلئے بھی آتا ہے اور ابن مالک نے لکھا ہے کہ ای نعم کے معنی دیتا ہے اور یہ مصنف نے جو ذکر کیا ہے اس کے خلاف ہے۔

زید ہے بلیٰ کہا تو یہ قد قام کے معنی میں ہو گیا اور اس میں وہ اعتراض ہے جس کو پہلے جانا یا وہ نفی استفہام کے ساتھ مقرون ہو پس اس وقت بھی یہ بلیٰ اس نفی کو توڑنے اور باطل کرنے کیلئے ہوگا جو اس استفہام کے بعد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) قالوا بلیٰ جواب میں کہا کہ بلیٰ یعنی ہاں تو ہمارا رب ہے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے بیٹوں سے ان کی نسل کو نکال کر ان کو ان کے نفسوں پر گواہ بنایا یعنی ان سے عہد لیا درانحالیکہ وہ عاقل ہیں تو سب نے کہا کہ ہاں تو ہمارا رب

ہے تو بعض ان میں مومن فرمانبردار اور خوشی سے کہنے والے تھے تو ان کا اقرار ہے اور بعض ان میں سے کافر ناپسند کرنے والے خوشی سے نہ کہنے والے تھے پس ان کا اقرار اقرار نہیں ہے۔

قولہ وقد جاء علی سبیل الخ شارح کی یہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے تقریر اعتراض یہ ہے کہ پہلے گذرا ہے کہ بلیٰ ایجاب نفی کے ساتھ مختص ہے یعنی کلام منفی کے بعد آکر نفی کو باطل کرتا ہے باوجودیکہ یہ کلام سابق کی تصدیق کیلئے بھی آتا ہے

جیسے کسی نے کہا اقام زید بلیٰ اس کے جواب میں کہا تو اس کے معنی ہے قام زید پس یہاں کلام سابق کی تصدیق کے لئے ہوا جواب کی تقریر یہ ہے کہ مصنف نے جو کہا کہ بلیٰ نفی کے ایجاب کے ساتھ خاص ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قیاس کے طریق پر نفی کے ایجاب کے ساتھ مختص ہے وہ یہاں پر علیٰ سبیل الشذوذ کلام سابق کی تصدیق ہوگا یعنی تصدیق کے لئے ہونا شذوذ کے طریقہ پر ہے

قولہ ای اثبات بعد الاستفہام یعنی ای استفہام کے بعد آتا ہے اور اس کلام استفہامی کو ثابت کرتا ہے یعنی یہ اپنے غلبۂ استعمال مسبوق بالاستفہام ہونا یعنی زیادہ تر اس کا استعمال اس طور پر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کلام استفہامی اور اس کے اثبات کے لئے آتا ہے جیسے کسی نے اقام زید کہا اس کے جواب میں ای واللہ ای کہا تو اس کے معنی ہے اللہ کی قسم ہاں زید کھڑا ہو ازیادہ اس کا استعمال اسی طرح ہوتا ہے۔

قولہ ذکر بعضہم الخ اور بعض نے یہ ذکر کیا کہ یہ اسے خبر کی تصدیق کے لئے بھی آتا ہے خبر سے مراد کلام خبری ہے جیسے استفہام سے مراد کلام استفہامی ہے یعنی کلام خبری کی تصدیق کرتا ہے اور ابن مالک الفیہ کے مصنف نے یہ بیان کیا کہ ای نعم کے معنی میں آتا ہے۔

قولہ وہذا مخالف الخ اور یہ مصنف نے جو ذکر کیا اس کے مخالف ہے ہذا کا مشار الیہ ای کا نعم کے معنی میں ہونا ہے اور مخالفت کا بیان یہ ہے کہ مصنف نے کہا کہ ای استفہام کے بعد اثبات کے لئے آتا ہے اور نعم

ویلزمها القسم ای لاتستعمل الامع القسم من غیر ذکر فعل القسم فلا یقال اقسمت ای وربی ولایکون المقسم به الا الرب والله والعمری تقول ای والله وای ربی وای لعمری واجل وجیر بالکسر والفتح وانّ تصدیق للمخبر وفی بعض النسخ تصدیق للخبر کقولک اجل وجیر او ان للمخبر قد اتاک زید اولم یاتک ای قد اتی اولم یات وقد جاء ان لتصدیق الدعاء ایضا نحو قول ابن الزبیر لمن قال لعن الله ناقة حملتنی الیک ان وراکبها ای لعن الله تلک الناقة

اور لازم ہے اس کو قسم یعنی وہ استعمال نہیں کیا جاتا مگر قسم کے ساتھ فعل قسم کے کہنے بغیر پس نہیں کہا جاتا اقسمت ای وربی اور نہیں ہوتا مقسم بہ لیکن رب اور اللہ اور لعمری جیسے تو کہے اے واللہ اور ای وربی اور ای لعمری، اور اجل اور جیر بھی کسرہ اور فتحہ کے ساتھ اور انّ مخبر کی تصدیق کیلئے آتے ہیں اور کافیہ کے بعض نسخوں میں تصدیق الخبر کے الفاظ ہیں جیسے تیرا قول اجل وجیر وانّ مخبر کے لئے قد اتاک زید اولم یاتک یعنی قد اتی یا لم یات اور کبھی ان دعاء کی تصدیق کے لئے بھی آتا ہے جیسے ابن زبیر کا قول اس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا لعن اللہ ناقۃ حملتنی الیک ان وراکبہا لعنت کرے اللہ اس اونٹنی پر جو مجھے تیرے پاس لے کر آئی اور

ماسبق کا مقرر ہے خواہ ماسبق استفہام ہو یا غیر استفہام ہو پس وہ اس وقت قطعاً ایک دوسرے کے متخالف ہیں لہذا ای کا نعم کے معنی میں ہونا درست نہیں ہے۔

قولہ یلزمہا القسم الخ اور اس ای کو قسم لازم ہوتی ہے یعنی اسے صرف قسم کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے بلا قسم کے استعمال نہیں کیا جاتا اور فعل قسم ذکر نہیں کیا جاتا ہے لہذا اقسمت ای وربی نہیں بولا جاوے گا استقراء تتبع سے معلوم ہوا کہ ای کا مقسم بہ رب اور اللہ اور لعمری ان تینوں میں سے کوئی ایک ہوگا ای واللہ اور ای وربی اور ای لعمری کہو کہ اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ای استفہام کے بعد اثبات کیلئے آتا ہے پس اقام زید کے سوال کے جواب میں ای واللہ اور ای وربی اور ای لعمری کہا جاویگا اس کے معنی ہوں گے قد قام زید (زید کھڑا ہوا ہے) معلوم ہو کہ لعمری عرب کی قسم ہے عجم کی اس قسم کی جگہ میں میری زندگی کی قسم

قولہ اجل وجیر الخ شارح نے فرمایا کہ جیر راء کے کسرہ اور راء کے فتحہ دونوں کے ساتھ آتا ہے راء کو کسرہ اصل پر ہے دو ساکن کے ملنے اور التقاء کی وجہ سے جیسے امس اور راء کو فتحہ تخفیف کی غرض سے ہے جیسے این اور جیم جیر کی ہر دو صورت میں مفتوح ہے اور ان یہ تینوں مخبر (خبر دینے والے) کی تصدیق کیلئے آتے ہیں جیسے کسی نے کہا کہ قد اتاک زید اور کہا لم یاتک زید پس جواب دینے والے نے جواب میں اجل کہا یا جیر کہا یا انّ کہا پس اس کے معنی ہوں گے قد اتیٰ (آیا ہے) یا اس کے معنی ہوں گے لم یات (نہیں آیا) یعنی تو اسے مخبر خبر دینے میں سچا ہے

حضرت جامیؒ فرماتے ہیں کہ کافیہ کے بعض نسخوں میں اس طرح عبارت پائی گئی ہے کہ اجل وجیر وان تصدیق للخبر یعنی تینوں خبر کی تصدیق کے لئے آتے ہیں پس شارحؒ کا قول قد اتاک زید اولم یات یہ اس کے قول للمخبر کا صلہ ہے اور قولہ قد اتیٰ اولم یات یہ اجل وجیر وان کی تفسیر ہے جو مخبر یا خبر کے جواب میں کہا گیا۔

قولہ وقد جاء ان لتصدیق الدعاء اور ان دعاء کی تصدیق کے لئے بھی آیا ہے اور ان جبکہ تصدیق مخبر کے لئے آوے یا تصدیق دعا کیلئے ہر دو صورت میں اس ان کیلئے اسم اور خبر نہیں ہوتا ہے جیسا کہ وہ دونوں اس کیلئے حروف مشبہ بالفعل میں ہوتے ہیں چونکہ یہ بوقت جواب کیلئے آتا ہے تو عامل نہیں ہوتا غرضیکہ ان دعاء کی تصدیق کے لیے بھی آتا ہے جیسے ابن الزبیر کا قول ان وراکبہا اس شخص کے واسطے جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ایسی اونٹنی پر لعنت کریں جو مجھ کو تیری طرف لاد کر لائی، پس ابن زبیر اس کی اس دعاء کے جواب میں ان وراکبہا یعنی لعن اللہ تلک الناقۃ وراکبہا ہاں اللہ تعالیٰ اس اونٹنی پر لعنت

وراكبها وجاء بعد الاستفهام ايضاً فی قول الشاعر شعر ليت شعري هل للمحب شفاء ٭ من حوى حبهن ان اللقاء ٭ اى نعم اللقاء شفاء للمحب فجيئها فی هذين الموضعين خلاف ما ذكره المصؔ من كونها تصديق للمخبر حروف الزيادة وانما سميت هذه الحروف زوائد لانها قد تقع زائدة لا انها لا تقع الا

اس کے سوار پر بھی اور اس کے معنی ہیں یعنی لعن اللہ تلک الناقۃ وراکبہا اور اس کا استعمال استفہام کے بعد بھی ثابت ہے شاعر کے قول میں شعر کاش مجھے خبر ہوتی کہ آیا چاہنے والے کے لئے بھی کوئی شفاء ہے جس نے ان کے ساتھ محبت کی۔ ہاں ان سے ملاقات کا ہو جانا شفاء ہے یعنی ہاں لقاء چاہنے والے کیلئے شفاء ہے۔ پس اس کا ان دونوں مقام پر استعمال ہونا مصنف کے بیان کردہ کے خلاف ہے یعنی ان کا مخبر کی تصدیق ہونا۔ اور حروف زیادہ اور نام رکھے گئے یہ حروف زوائد اس لئے کہ کبھی کبھی یہ زائد واقع ہوتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ نہیں واقع ہوتے مگر

کرے اور اس کے سوار پر) مروی ہے کہ فضالہ ابن شریک حضرت عبد اللہ بن الزبیر کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر المومنین میری اونٹنی زخمی ہو گئی اور اس کے پاؤں میں سوراخ ہو گئے پس عبد اللہ بن الزبیر نے اس کو جواب دیا کہ گھاس کا اس پر پیوند لگا دے اور عشب گھاس سے اس کے جوتے یعنی پاؤں سید سے اور اس کو صبح و شام چلا پس فضالہ نے کہا کہ میں متمنی ہو کر آیا ہوں علاج کرانے یہاں آیا پس اللہ اس اونٹنی پر لعنت کرے جو مجھ کو تیرے پاس لائی حضرت عبد اللہ رضؓ نے جواب میں کہا کہ ہاں اس اونٹنی اور اس کے سوار دونوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔

قولہ وجاء بعد الاستفہام الخ یعنی کلمہ ان جواب کے واسطے استفہام کے بعد بھی آیا ہے چنانچہ شاعر کے اس قول لیت شعری ہل الخ میں ان استفہام کے بعد واقع ہے یہ شعر بحر خفیف سے ہے اور قولہ شعری میں شعر بالکسر مصدر ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہے اور جملہ استفہامیہ یعنی ہل للمحب شفاء شعری کے ساتھ محلّ نصب میں ہے اور یہ شعری لیت کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے یعنی لیت بہذا الامر حاصل اور بعض نے کہا کہ رفع کے محل میں ہے اس بنا پر کہ لیت کی خبر اور شعر بمعنی مشعور بہ لیت کا اسم ہے یعنی لیت المشعور بہ ہذا الامر اور الجوی جلن، سوزش اور عشق کا بہت غم یا بمعنی غم و حزن اس سے فعل جوی (بالکسر) یجوی (بالفتح) فہو جو اور ان بالکسر مشددۃ النون نعم کے معنی میں اور اس میں شاہد ہے اشعر کا ترجمہ یہ ہے کاش کہ مشعور بہ مجھ کو معلوم ہو جاتا کہ آیا عاشق اور محب کے واسطے شفاء ہے پس عشق کو ایک مرض مان لیا ہے اور دوسرے مصرعہ کے معنی ہے آیا غمگین ہونے اور جلنے اور ان کی محبت سے ہاں ملاقات شفاء ہے ای نعم اللقاء شفاء یعنی ہاں ملاقات شفاء ہے دوست اور عاشق کے واسطے۔

قولہ فجیئہا فی ہذین الخ پس ان کا ان دونوں جگہوں میں یعنی دعاء کی تصدیق کے لئے اور استفہام کے بعد آنا مصنف نے جو ذکر کیا ہے اس کے خلاف ہے یعنی ان مخبر کی تصدیق کے لئے ہے اس کے خلاف ہے۔

قولہ وانما سمیت ہذہ الحروف الخ حروف زیادہ کا حروف زیادت یا حروف زوائد نام رکھنے کی وجہ ذکر کرتے ہیں کہ چونکہ کبھی یہ حروف زیادہ واقع ہوتے اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا اور اس وجہ سے یہ نام نہیں رکھا گیا کہ یہ حروف صرف زائد آتے ہیں شارح نے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ نام رکھنا بعض افراد کے اعتبار سے ہے اور کل افراد کے اعتبار سے نہیں ہے جیسا کہ حروف ایجاب کا حروف ایجاب نام رکھنا بعض افراد کے اعتبار سے تھا کیوں کہ نعم میں یہ نام رکھنا متحقق نہیں ہے کیوں کہ نعم ماسبق کے واسطے مقرر ہے خواہ ماسبق ایجاب ہو یا نفی ہو اور اس میں جو اعتراض ہے وہ معلوم ہو چکا ہے۔

قولہ معنی کونہا الخ اور ان حروف کے زیادہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اصل

زائدة ومعنی کونها زائدة ان اصل المعنی بدونها لا یختل لا انها لا فائدة لها اصلاً فان لها فوائد فی کلام العرب اما معنویة واما لفظیة فالمعنویة تاکید المعنی کما فی من الاستغراقیة والباء فی خبر ما ولیس واما الفائدة اللفظیة فی تزیین اللفظ وکونه بزیادة افصح او کون الکلمة او الکلام بسببها مهیاً لاستقامة وزن الشعر او السجع او غیر ذلک ولا یجوز خلوها من الفائدتین معاً والا لعدت عبثاً ولا یجوز ذلک فی کلام الفصحاء لاسیما فی کلام الباری سبحانه إن وأن مخففتین وما ولا ومن والباء واللام فإن بکسر الهمزة وسکون النون تزاد مع ما النافیة کثیر التاکید النفی

زائد اور ان کے زائد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جملے کے اصل معنی ان کے بغیر مختل نہیں ہوتے معنی یہ نہیں کہ ان سے کوئی فائدہ ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ کلام عرب میں ان کے فوائد ہیں یا معنوی ہیں یا لفظی ہیں پس فوائد معنوی معنی کی تاکید ہے جیسے من استغراقیہ میں اور حرف باء ما اور لیس کی خبر میں اور بہر حال لفظی فائدہ پس وہ لفظ کو مزین کرنا ہے اور اس کا ان کے زائد ہونے کے ساتھ مزین ہونا زیادہ فصیح ہے یا کسی کلمے یا کلام کا ان کے سبب سے شعر کے وزن کی استقامت کا مہیا ہونا کلام مسجع ہو یا اس کے علاوہ ہو اور ان حروف زوائد کا دونوں فوائد سے ایک ساتھ خالی ہونا جائز نہیں ہے ورنہ تو بیکار شمار کئے جائیں گے اور فصحاء کے کلام میں یہ جائز نہیں ہے خاصکر باری تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام پاک اِن اور اَن دراں حالیکہ دونوں مخفف ہوں اور ما، لا، من، باء اور لام پس اِن ہمزہ کے کسرہ اور سکون نون کیساتھ ما نافیہ کے ساتھ زائد لایا جاتا ہے بہت زیادہ نفی کی تاکید کے معنی دینے کے لئے

معنی یعنی وہ معنی جس کا متکلم نے مخاطب کو فائدہ دینے کا ارادہ کیا ہے اگر ان حروف کو کلام میں سے نکال دیا جاوے تو وہ معنی خراب اور مختل نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کے سبب اس معنی کی تاکید اور تقویت ہوتی ہے اور ان حروف کے زیادہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان حروف کا کلام میں بالکل فائدہ نہیں ہے بلکہ ان کے واسطے عرب کے کلام میں بہت فائدے ہیں معنوی بھی اور لفظی بھی چنانچہ معنوی فائدہ کلام کے معنی کی تاکید ہے جیسا کہ من استغراقیہ اور باء ما اور لیس کی خبر میں زیادہ آتی ہے چنانچہ من استغراقیہ لا نفی جنس کے اسم پر زیادہ آتا ہے جیسے لا رجل فی الدار میں لا من رجل فی الدار بولتے ہیں لا رجل فی الدار میں نکرہ نفی سیاق میں واقع ہونے کی وجہ سے عموم کا فائدہ دے رہا اور من استغراقیہ اس کی تاکید کرتی ہے۔ قولہ واما الفائدۃ اللفظیۃ یعنی لفظی فائدے ان حروف زائدہ کے بہت سے ہیں ان میں سے ایک فائدہ لفظ کو خوبصورت کرنا اور مزین کرنا ہے اور دوسرا فائدہ لفظ ان کے زیادہ ہوجانے سے زیادہ فصیح ہوجاتا ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کلمہ یا کلام ان حروف کے زیادہ ہونے کے سبب سے وزن شعر کی درستگی تیار ہوجاتا ہے اور جس سجع کے واسطے مہیا اور تیار ہوجاتا ہے یعنی ان حروف کے زیادہ کرنے سے شعر کا وزن درست ہوجاتا ہے اور سجع کی خوبی حاصل ہوجاتی ہے ایسے ہی ان کے علاوہ اور فائدے ہیں اور یہ حروف زیادہ کا ان دونوں فائدوں سے معاً خالی ہونا درست نہیں اگر دونوں فائدوں میں سے کوئی بھی فائدہ نہ ہو تو پھر یہ عبث شمار کئے جائیں گے اور فصحاء کے کلام میں واقع ہونا قطعاً جائز نہیں بلکہ عبث پاگلوں کے کلام میں ہوتا ہے، اور خاصکر باری تعالیٰ کے کلام میں عبث واقع ہو نہیں سکتا ہے۔

قولہ ان الخ یہاں سے مصنف حروف زیادہ کون کون ہیں بتاتے ہیں، ایک ان مخففہ اور ایک ان مخففہ اور ما اور لا اور من

نحو ما ان رایت زیداً ای ما رایت زیداً وقلت ای زیادة ان مع ما المصدریة نحو انتظر لی ما ان جلس القاضی ای مدة جلوسه وقلت زیادتها ایضاً مع لما نحو لما ان قام زید قمت وان بفتح الهمزة وسکون النون تزاد مع لما کثیراً نحو فلما ان جاء البشیر وتزاد بین لو والقسم المتقدم علیه نحو واللّٰه ان لو قام زید قمت

جیسے ما ان رایت زیداً یعنی میں نے زید کو نہیں دیکھا اور قلیل ہے ان کا زائد ہونا اس مار کے ساتھ جو صدر کلام میں واقع ہو جیسے انتظر لی ما ان جلس القاضی یعنی قاضی کے بیٹھنے کی مدت تک میرا انتظار کر اور نیز اس کا زائد ہونا کم ہے لما کے ساتھ جیسے لما ان قام زید قمت جب تک زید کھڑا رہے گا میں کھڑا رہوں گا اور ان ہمزہ کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ لما کے ساتھ زائد ہوتا ہے بہت زیادہ جیسے فلما ان جاء البشیر پس جب خوشخبری دینے والا آیا اور زائد ہوتا ہے لو اور قسم کے درمیان وہ قسم جو اس سے مقدم مذکور ہو واللّٰہ ان لو قام زید قمت اللہ کی قسم اگر زید کھڑا ہوا

اور با، اور لام یہ حروف زیادہ ہیں مصنف کے کلام میں عطف ربط سے پہلے ہے یعنی یہ حروف زیادہ ہیں اور فان مع النافیہ سے ہر ایک حرف زیادہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں ان میں سے کون کہاں زیادہ ہوتا ہے

قولہ فان یعنی ان جو کہ ہمزہ کے کسرہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے یہ ما نافیہ کے ساتھ بہت زیادہ آتا ہے اور اس سے نفی کی تاکید ہوتی ہے جیسے ما ان رایت زیداً کہ اصل ما رایت زیداً تھا ان کو نفی کی تاکید کے لئے ما کے ساتھ زیادہ کر دیا پس ما ان رایت زیداً میں ان زیادہ ہے اور ایسے ما حجازیہ جو عامل ہے اس کے ساتھ زیادہ آتا ہے لیکن اس کو عمل سے روک دیتا ہے شارح رح کثیر کہنا کہ یہ اس وجہ سے ہے اگر مصنف رح "قلت" فرما رہے تو اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ما نافیہ کے زیادہ زیادہ آنا کثیر ہے کیوں کہ کثرۃ قلت کے مقابلہ میں واقع ہوتا ہے

قولہ وقلت مع ما المصدریۃ یعنی ما مصدریہ کے ساتھ ان کا زیادہ آنا قلیل ہے جیسے انتظر ما ان جلس القاضی اس کے معنی ہے مدة جلوس القاضی شارح رح نے اس سے اشارہ کر دیا کہ ما مصدریہ نے فعل کو مصدر کی تاویل میں کر دیا اور وہ جلوس ہے پھر شارح رح ما مصدریہ کے مدخول کو مصدر حین قرار دیا کیوں کہ اگر مصدر حین قرار نہ دے تو پھر معنی درست نہیں ہوں گے کیوں کہ انتظر لی فی جلوس القاضی بولنا درست نہیں پس مصدر حین سے زمان مصدر ہے پس مدة زمان کے معنی میں ہے یعنی قاضی کے بیٹھنے کی مدة کا انتظار کر۔

قولہ قلت زیادتہا ایضاً مع لما اور ان لما کے ساتھ بھی زیادہ آتا ہے جیسے لما ان قام زید قمت یہ لما شرطیہ ہے جس کے بعد ان زیادہ لما کے ساتھ ان کا زیادہ آنا کم ہے جیسے ما مصدریہ کے ساتھ کم آتا ہے (جب زید کھڑا ہوا میں کھڑا ہوا۔)

قولہ ان بفتح الخ یعنی ان جو کہ ہمزہ کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے لما کے ساتھ بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے فلما ان جاء البشیر اس میں ان زیادہ ہے (پس جب خوشخبری دینے والا آیا) بشیر سے مراد یہودا ہے یہ مصر سے حضرت یوسفؑ کی قمیص لے کر آئے اور اس بشیر نے حضرت یعقوبؑ کے چہرۂ مبارک پر ڈالدی تو حضرت یعقوبؑ بینا ہو گئے) لما کے ساتھ ان کا استعمال زیادہ کثیر ہے یہ کثرت مصنف کے قول قلت مع الکاف سے مفہوم ہوتی ہے چونکہ یہ اس کے مقابل ہے اس لئے شارح لفظ کثیراً زیادہ کر دیا یعنی ان کا لما کے ساتھ زیادہ آنا کثیر ہے اور یہ ان بفتح الہمزہ و سکون النون کو اور اس قسم کے درمیان میں جو اس سے پہلے آئی ہے جیسے واللّٰہ ان لو قام زید قمت اس میں ان قسم کے بعد اور لو سے پہلے زیادہ ہے (قسم اللہ کی اگر زید کھڑا ہوتا تو میں کھڑا ہوتا۔)

قولہ قلت زیادتہا مع الکاف الخ اور قلیل ہو اس ان کا زیادہ ہونا کاف کے ساتھ یعنی کاف کے ساتھ ان زیادہ آتا ہے لیکن کم جیسے کان ظبیۃ تعطوا الی ناضر السلم اور اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے،

وقلت زیادتها مع الکاف نحو ع کان ظبیة تعطوالی ناصر السلم
علی تقدیر روایة ظبیة بالجر وما تزاد ومع اذا نحو اذ ما تخرج
اخرج ومع متی نحو متی ما تذهب اذهب ومع ای نحو ایا ما تدعوا
فله الاسماء الحسنیٰ ومع این نحو اینما تجلس اجلس ومع ان نحو
اما ترین من البشر احد احال کون تلک المذکورات مع ملشرطها۔

تو میں کھڑا ہوں گا اور کاف کے ساتھ اس کا زائد ہونا قلیل ہے جیسے ع اور کبھی وہ ہمارے پاس آتا ہے گویا وہ مائل کئے ہوئے ہے اپنی گردن کو تر و تازہ شاخ کی جانب یعنی محبوب اس حالت میں آیا کہ وہ بہت خوش تھا جب کہ لفظ ظبیہ کو اس جگہ جر کے ساتھ پڑھا جائے اور حرف ما اذ کے ساتھ مل کر زائد ہوتا ہے جیسے اذ ما تخرج اخرج اور معنی میں اذا تخرج اخرج کے ہے (جب تو نکلے گا تو میں نکلوں گا) اور متی کے ساتھ جیسے متی ما تذہب اذہب جب تو جائے گا تو میں بھی جاؤں گا اور ای کے ساتھ جیسے ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ (تم جس نام سے اس کو پکارو اسماء حسنیٰ اسی کے لئے ہیں) اور این کے ساتھ جیسے اینما تجلس اجلس جہاں تو بیٹھے گا میں بیٹھوں گا۔ اور ان کے ساتھ جیسے اما ترین من البشر احداً (اگر تو دیکھے انسانوں میں سے کسی کو) اس حال میں کہ یہ مذکورہ بالا ما کے ساتھ شرط واقع ہوں یعنی حروف شرط اسی

ویہ ماتوافینا بوجہ مقسم الموافاۃ بمعنی آنا، مقسم مصدر میمی قسامۃ سے بمعنی حسن، ظبیہ تین طرح پڑھا جاتا ہے رفع کے ساتھ اس بنا پر یہ کان کانّ حرف مشبہ کا مخفف ہے جس کو عمل سے ملغی کر لیا گیا اور ظبیہ نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا کیوں کہ کان کانّ کا مخفف ہے اور عامل قرار دیا گیا اور تیسرے ظبیہ کو جر پڑھا گیا اس بنا پر کہ کاف حرف جر ہے اور ان کاف کے ساتھ زیادہ آیا ہے تعطوا عطو سے بنا ہے بولتے ہیں عطوت الشئ تُسے کو ہاتھ سے پکڑ و الناضر تر و تازہ اور ٹہنی السلم ایک قسم کا بڑا درخت ہے یہ نام اس درخت کا اس وجہ سے رکھا گیا کہ عرب کے اعتقاد میں یہ درخت آفتوں سے محفوظ ہے اور بجائے ناضر السلم کے وارق السلم بھی مروی ہے یعنی پتہ دار سلم ناضر اور وارق کی اضافت السلم کی طرف جرد قطیفہ" کی طرح اضافت ہے ترجمہ شعر کا یہ ہے اور ایک دن ہم سے ملاقات کی خوبصورت چہرہ کے ساتھ ہرن کے مانند کہ بکرتی ہے وہ سلم درخت کی تر و تازہ شاخ کو یعنی میری معشوقہ ہرن کی چست و چالاک ہے قولہ علی تقدیر روایۃ ظبیۃ بالجر یعنی ان کے کاف کا زیادہ ہونا اس وقت ہے جب کہ ظبیہ کو جر کے ساتھ پڑھا جائے اور اگر رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو اس وقت کان کانّ حرف مشبہ کا مخفف ہو کر ملغی ہوگا یا ضمیر شان میں عامل ہوگا اور ظبیہ خبر ہونے کی بنا پر مرفوع اور اگر ظبیہ نصب پڑھا جائے تو کان مخفف من المثقلہ کا اسم ہو کر منصوب ہوگا شعر کا مطلب یہ ہے یہ عورت ہمارے پاس خوبصورت چہرہ کے ساتھ ایک دن آئی

حسن اس کی جگہ خالی نہیں تھی ہرن کی مانند گویا کہ اپنی آنکھوں کے حسن اور اپنی گردن کی درازی میں ہرن کے مانند ہے جس نے اپنی گردن کو اس درخت سلم کی تر و تازہ ٹہنی کی ہے ظبیہ (ہرن) اس وصف کے ساتھ اس وجہ سے موصوف کیا کہ اس حال میں وہ حسن کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہے۔

قولہ وما تزاد الخ اور ما ایک تو اذا کے ساتھ زیادہ آتی ہے جیسے اذا ما تخرج اخرج یہ اذا تخرج اخرج کے معنی میں ہے ما اس میں زیادہ ہے دوسرے ما متی کے ساتھ زیادہ آتی ہے جیسے متی ما تذہب اذہب تیسرے

ای کے ساتھ زیادہ آتی ہے جیسے ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ حسنیٰ احسن کی مؤنث ہے اور این کے ساتھ ما زیادہ آتی ہے جیسے این ما تجلس اجلس اور ان کے ساتھ ما زیادہ آتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اما ترین من البشر احداً اگر مرد دیکھے تو آدمیوں میں سے کسی کو (تو کہہ دے) انی نذرت للرحمٰن صوما کہ میں نے رشک رحمٰن کے واسطے روزہ کی نذر کی ہے یعنی میں نے روزہ رکھا ہے یہ حکم اس وجہ سے کیا کہ مجادلہ کو ناپسند رکھا۔

قولہ حال کون تلک الخ یعنی شرطاً ان مذکورہ پانچوں کلموں سے حال ہے یعنی جس

ای ادوات شرط ومع بعض حروف الجر نحو فبما رحمة من الله لنت لهم ومما خطيئاتهم اغرقوا وعما قليل وزيد صديق كما ان عمرا اخى وقلت زيادة ما مع المضاف نحو غضبت من غير ما جرم وايما الاجلين قضيت وقيل ما فيهما كلها نكرة والمجرور بعدها بدل منها ولا اى كلمة لا تزاد مع الواو العاطفة بعد النفى لفظا نحو ما جاء زيد ولا عمرو او معنى نحو غير المغضوب عليهم ولا الضالين

طرح بعض حروف جر کے ساتھ بھی جیسے فبما رحمة من الله لنت لهم، پس اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لئے رحم ہو گئے اور مما خطیئاتہم اغرقوا اور اپنی خطاء کی بنا پر وہ غرق کئے گئے اور عما قلیل تھوڑی مدت میں اور زید صدیق کما ان عمرا اخی زید میرا دوست ہے جس طرح عمر میرا بھائی ہے اور مضاف کے ساتھ ما کا زائد ہونا قلیل ہے جیسے غضبت من غیر ما جرم بغیر جرم وقصور کے تو نے غضب کیا اور ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی دونوں میں سے جو مدت پوری کر دوں میرے اوپر کوئی زیادتی کا الزام نہ ہوگا اور کہا گیا ہے کہ حرف ما ان تمام مثالوں میں نکرہ ہے اور اس کے بعد جو مجرور واقع ہے وہ اس سے بدل ہے اور لا یعنی کلمہ لا زائد ہوتا ہے واو عاطفہ کے ساتھ نفی کے بعد لفظوں میں جیسے ما جاءنی زید ولا عمرو یا معنی جیسے غیر المغضوب علیہم ولا

وقت یہ مذکورہ پانچوں کلمے (اذا اور متی اور ای اور این اور ان) شرط کے واسطے ہوتے ہیں یعنی جس وقت یہ ادوات شرط ہوتے ہیں اس وقت ان کے ساتھ ما زیادہ آتا ہے، شرطاً حال کے لانے کا یہ مطلب ہے کہ یہ کلمات شرط کیلئے بھی آتے ہیں اور کبھی نہیں بھی، جب شرط کیواسطے ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ ما زیادہ آتی ہے ورنہ نہیں۔ چونکہ خود شرط نہیں ہیں بلکہ ادوات شرط ہیں اس وجہ سے شارح نے مضاف مقدر کر لیا یعنی جس وقت یہ ادوات شرط ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ ما زائد آتی ہے ورنہ نہیں۔

قولہ ومع بعض حروف الجر الخ یعنی بعض حروف جر کے ساتھ بھی ما زیادہ آتی ہے پس ما بار حرف جر کے ساتھ زیادہ آتی ہے جیسے فبما رحمة من الله لنت لهم (ایسی رحمت کے سبب سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والی ہے تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے واسطے نرم ہو گیا) اور مما خطیئاتہم اغرقوا اس میں ما من حرف جر کے ساتھ زیادہ ہے (ان کی خطاؤں کے سبب سے ڈبوئے گئے وہ) اور عما قلیل اس میں عن کے ساتھ ما زیادہ آئی ہے۔ حضرت صالح نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ رب انصرنی بما یکذبون (اے رب میری نصرت کران کے جھٹلانے کے سبب سے اللہ نے فرمایا عما قلیل لیصبحن نادمین (تھوڑے زمانہ میں البتہ وہ ہوں گے نادم اور ذلیل) عن زمان قلیل لفظ زمان محذوف ہے یا قلیل، ما سے بدل ہے اور زید صدیق کما ان عمرا اخی اس میں کان کے ساتھ ما زیادہ ہے (زید میرا سچا دوست ہے جیسا کہ عمر میرا بھائی ہے

قولہ وقلت زیادۃ ما الخ اور مضاف کے ساتھ ما کا زیادہ آنا کم ہوا ہے جیسے غضبت من غیر ما جرم، بغیر جرم کا مضاف ہے اس کے ساتھ ما زیادہ آئی ہے (تو نے مجھے بلا گناہ کے غضب کیا) اور ایما الاجلین قضیت اس میں ای الاجلین کی طرف مضاف ہے ما ای مضاف کے ساتھ زیادہ آئی ہے (دونوں مدتوں میں سے جونسی میں پوری کروں) اور ای قضیت کے ساتھ منصوب ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت شعیبؑ کے قصہ میں ہے اور جملہ شرطیہ ہے اور اسکی جزا مابعد ہے

قولہ وقیل ما فیہا الخ اور کہا گیا کہ ان سب میں یعنی جو ما کے حروف جر مذکورہ کے ساتھ ہے اور ایسے مضاف کے ساتھ ہے ان سب میں یہ کہا گیا کہ یہ ما نکرہ ہے اور جو مجرور کہ اس کے بعد واقع ہو رہا ہے وہ اس ما سے بدل ہے۔

قولہ ولا الخ یعنی کلمہ لا نفی کے بعد واو عاطفہ کے ساتھ زیادہ کیا جاتا ہے عام اس سے کہ وہ نفی لفظاً ہو جیسے ما جاءنی زید ولا عمرو اس میں کلمہ لا واو حرف عطف کے ساتھ زیادہ

وتزاد بعد ان المصدرية نحو قوله تعالٰی ما منعك ان لا تسجد اذ امرتك ای ان تسجد وقلت زیادة لا قبل اقسم نحو لا اقسم بیوم القیٰمة ولا اقسم بهذا البلد والسر فی زیادتها التنبیه علٰی جلاء القضیة بحیث تستغنی عن القسم فتبرز لذلك فی صورة نفی القسم وشذت زیادتها مع المضاف کقوله ع فی بیر لا حور سری وما شعر ؛ ای فی بیر حور والحور الهلکة جمع حائر ای هالك

الضالین اور زائد ہوتا ہے ان مصدریہ کے بعد جیسے اللہ تعالٰی کا قول ما منعک ان لا تسجد اذ امرتک یعنی ان تسجد (کس نے روکا تجھ کو کہ تو سجدہ کرے اس وقت جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا) اور قلیل ہے لا کا زائد ہونا اقسم سے پہلے جیسے لا اقسم بہذا البلد اور مصلحت اس کے زائد ہونے میں آگاہ کرنا ہے قضیہ واضح ہونے پر اس طور پر کہ وہ قسم سے مستغنی ہے پس اسی وجہ سے قسم کی نفی کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے اور شاذ ہے اس کی زیادتی مضاف کے ساتھ جیسے شاعر کا قول ع میرا راز گہرے کنوے میں ہے اور اس نے نہیں جانا یعنی گہرے کنوے میں اور حور کے معنی ہلاکت کے ہیں حائر کی جمع یعنی ہلاک ہونے والا حار سے ماخوذ ہے یعنی ہلاک

آیا ہے اور نفی کے بعد ہے اور یہ نفی ملفوظ ہے یا وہ نفی جس کے بعد واو عاطفہ کے ساتھ لا زیادہ آتا ہے معنیً ہو جیسے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین اس میں لا واو عاطفہ کے ساتھ لا غیر کے بعد زیادہ اور لفظ غیر سے نفی مفہوم ہوتی ہے اس وجہ سے یہاں معنوی نفی کے بعد ہے اور بعض نے کہا کہ یہ لا اسم ہے غیر کے معنی میں اور حروف زیادہ سے نہیں ہے اور کلمہ غیر بمعنی مغایرۃ اداۃ نفی سے نہیں ہے یعنی لا المغضوب علیہم ولا الضالین مغضوب علیہم سے یہود اور لا الضالین سے نصاریٰ مراد ہے بعض نے کہا کہ مغضوب علیہم سے مراد کافر ہیں الضالین سے مراد عاصی ہیں اور لا اصل میں عاطفہ ہے غیر کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جب کہ اس پر واو عاطف داخل ہو اور لا کو صرف اس وجہ سے زیادہ کیا ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کی نفی کو ثابت کرتا ہے۔

قولہ وتزاد بعد ان المصدریۃ اور لا ان مصدریہ کے بعد بھی زیادہ کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالٰی کے اس قول میں ہے ما منعک ان لا تسجد اذ امرتک اصل میں ان تسجد تھا پس لا اس میں زیادہ کیا گیا یہ اللہ تعالٰی نے ابلیس سے فرمایا کہ جب میں نے تجھ کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روک دیا یعنی تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔

قولہ وقلت زیادۃ لا قبل اقسم اور اقسم کے پہلے لا زیادہ آتا ہے لیکن کم جیسے لا اقسم بیوم القیامۃ اور لا اقسم بہذا البلد ان دونوں جگہوں میں لا زائد ہے اور اس مقام میں لا کا زیادہ آنا کلام عرب میں شائع ہے اور اقسم کے پہلے لا کے زیادہ کرنے میں سر اس پر خبردار کرنا ہے کہ اس قضیہ کا مضمون بالکل ظاہر اور روشن ہے یعنی مقسم علیہ بالکل ظاہر اور روشن ہے کیوں کہ قسم مخاطب کے اس تردد کو دور کرنے کیلئے ہوتا ہے جو کسی قضیہ کے مضمون میں مخاطب کو ہو اور اسی لام ابتداء سے تاکید پس لا کا قسم سے پہلے لانا قضیہ کے مضمون کے بہت روشن ہونے پر تنبیہ ہے کہ یہ قضیہ ایسا ہے کہ اس پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے اسی وجہ سے اس کو قسم کی

نفی کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے اگرچہ حقیقۃً نفی ہے کیوں کہ قسم کے معنی مقصود ہیں اور بعض نے کہا کہ لا مشرکوں کے کلام کا رد ہے اور اقسم قسم کی ابتداء ہے لیکن اس صورت میں کلمہ لا پر وقف کرنا ہوگا۔

قولہ وشذت یعنی مضاف کے ساتھ لا کا آنا شاذ ہے یعنی نہایت کم ہے جیسے اس مصرعہ میں ہے فی بیر لا حور سری وما شعر ؛ اصل میں فی بیر حور تھا اس میں بیر مضاف ہے اور حور مضاف الیہ اور لا ان دونوں کے درمیان زیادہ ہے اس کا مصرع مصرعہ بانکہ حتی الصبح حشر ہے اور یہ بحر رجز

من مات ای هلك ومن والباء واللام تقدم ذكرها مشتملا على ذكر مواضع زيادتها فلا حاجة الى تكرارها حرفا التفسير اى فهى تفسير كل مبهم من المفرد نحو جاءنى زيد اى ابوعبدالله والجملة كما تقول قطع رزقه اى مات وان وهى اى ان مختصة بما فى معنى القول اى بفعل متقرر فى معنى القول تقرر المظروف فى الظرف غير منفك عنه فلا تقع بعد صريح القول ولا بعد ما ليس فى معنى القول فهى لا تفسر فى الاكثر الا مفعولا مقدرا للفظ غير صريح القول مؤد

ہوگیا اور من باء لام ان کا ذکر پہلے گذر چکا ہے جو مشتمل تھا ان کے زائد ہونے کے مقامات کے بیان پر لہٰذا ان کے تکرار کی حاجت نہیں ہے اور تفسیر کے دونوں حرف پس ھی مفرد کے ہر مبہم کی تفسیر کرتے ہیں جیسے جاءنی زید ای ابوعبداللہ اور جملہ کی بھی جیسے تو کہے قطع رزقہ ای مات اس کا رزق منقطع ہوگیا یعنی وہ مرگیا اور ان اور وہ یعنی ان مختص ہے اس فعل کے ساتھ جو قول کے معنی میں ہو یعنی اس فعل کیساتھ جو متقرر ہو قول کے معنی کے ساتھ متقرر کرتا ہو مظروف کو ظرف کے ساتھ اور اس سے جدا نہ ہو لہٰذا پس وہ قول صریح کے بعد واقع نہ ہوگا اور نہ اس کے بعد جو قول کے معنی میں نہ ہو بس وہ اکثر تفسیر نہیں کرتا مگر اس مفعول کی جو مقدر ہو اس لفظ کی جو صریح القول نہ ہو اور اس کے معنی

سے ہے۔ بیر کنواں جمع ابار آتی ہے لازائدہ حور حائر کی جمع بمعنی ہلاک ہونے والا حار کی ماخوذ بمعنی ہلاک ہوا۔ سری یسری چلنا واو عاطفہ ما نافیہ۔ شعر شعور سمجھنا یا افکہ افک سے ماخوذ بمعنی جھوٹ بولنا۔ الجشور صبح کا بیٹھنا اور صبح کا نکلنا جشر الصبح صبح نے طلوع کیا شاعر فاسق یا کافر حال بیان کرتا ہے فاسق یا کافر چلا ہلاک ہونے والوں کے کنویں کی جانب اور اس نے نہ سمجھا اور خبردار نہ ہوا اپنے کنویں میں گرنے سے یہاں تک کہ روشن ہوئی صبح ۔

قولہ ومن والباء الخ یعنی من اور باء اور لام یہ بھی کلام میں زیادہ آتے ہیں ان کا ذکر پہلے حروف جر میں ہو چکا ہے ان مواضع کے ذکر پر مشتمل ہوتے ہیں مواضع میں کہ یہ زیادہ ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ حرفا التفسیر یعنی تفسیر کے دو حرف ہیں ایک ای اور دوسرا ان شارح فرماتے ہیں کہ ای یہ ہر مبہم کی تفسیر کرتا ہے مفرد کی جیسے جاءنی زید اے ابوعبداللہ (میرے پاس زید یعنی عبداللہ کا باپ آیا) اس میں زید مفرد ہے اے ابوعبداللہ سے اس کی تفسیر ہو رہی ہے یعنی زید کے ابہام کو دور کیا جا رہا ہے اور جملہ کی بھی تفسیر کرتا ہے جیسے تم کہو قطع رزقہ ای مات قطع رزقہ جملہ ہے ای مات سے اس کی تفسیر ہو رہی ہے یعنی رزق کے قطع ہونے سے موت مراد ہے چونکہ رزق قطع ہونا مرنے پر ہوتا ہے ۔

قولہ ان وہی الخ دوسرا حرف تفسیر ان ہے اور وہ ان اس شئی کے ساتھ خاص ہے جو قول کے معنی میں ہو شارح نے فرمایا بفعل متقرر فی معنی القول الخ شارح نے اس سے اشارہ کیا کہ ما موصوف ہے اور اس سے مراد فعل ہے اور متقرر اس کی صفت مقدر ہے۔ جار مجرور اس کے ساتھ ہی متعلق ہے یعنی ایسے فعل کے ساتھ مختص ہے کہ وہ فعل قول کے معنی میں متقرر اور ثابت ہے جیسے ظرف میں مظروف ثابت اور متقرر ہوتا ہے وہ فعل قول کے معنی سے جدا ہونے والا نہیں چونکہ لفظ کا معنی کے لئے مظروف ہونا ظاہر نہیں شارح نے اس کو بیان کر دیا کہ لفظ موضوع کا معنی سے علیحدہ نہ ہونے کے حق میں تشبیہ کے طریقہ پر بیان کیا ہے جس طرح مظروف ظرف سے الگ نہیں ہوتا ایسے ہی وہ فعل قول کے معنی سے الگ نہیں ہوتا بخلاف لفظ کا معنی کے واسطے ظرف ہونا یہ ظاہر ہے اور اسی وجہ سے یہ کہا گیا ہے کہ الفاظ معانی کے قوالب ہیں کیونکہ متکلم معانی کے موافق الفاظ لاتا ہے اور سامع الفاظ سے معانی کو لیتا ہے کیونکہ لفظ سے مقصود اس کے معانی ہوتے ہیں یعنی ان سے صرف اس فعل کی تفسیر کی جاتی ہے جو قول کے معنی میں ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ ان صریح قول کے بعد واقع نہ ہوگا اور نہ اس فعل کے بعد واقع ہوگا جو قول کے معنی میں نہ ہو پس وان اکثر استعمالات میں صرف اس مفعول کی تفسیر کرتا

مِمّا نحو قولہ تعالیٰ وناديناه ان يّا ابراهيم فقوله ان يا ابراهيم تفسير لمفعول ناديناه المقدر اى ناديناه بلفظ هو قولنا يا ابراهيم وكذلك قولك كتبت اليه ان ايت اى كتبت اليه شيئاً هو ايت فان حرف دال على ان ايت تفسير للمفعول به المقدر لكتبت وقوله تعالىٰ ما قلت لهم الا ما امرتنى به ان اعبدوا الله فقوله ان اعبدوا الله تفسير للضمير فى به وفى امرت معنى القول

ادا کرنے والا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وناديناه ان يا ابراہیم اور ہم نے اس کو پکارا اے ابراہیم پس اس کا قول ان یا ابراہیم ناديناه کے مفعول کی تفسیر ہے جو کہ مقدر ہے یعنی ناديناه بلفظ ہو ہم نے اس کو ندا دی ایسے لفظ سے کہ وہ ہمارا قول یا ابراہیم ہے اور اسی طرح تیرا قول کتبت الیہ ان ایت ای کتبت الیہ شیئاً ہو ایت میں نے اس کے پاس لکھا کہ تو لے آ یعنی میں نے اس کی طرف لکھا ایک شئی وہ ایت ہے پس ان ایک حرف ہے جو ان ایت پر دلالت کرتا ہے اور کتبت کے مفعول بہ محذوف کی تفسیر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول ما قلت لہم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ نہیں کہا میں نے ان سے لیکن جس کا آپ نے مجھ کو حکم کیا کہ تم اللہ کی عبادت کرو پس اس کا قول ان اعبدوا اللہ تفسیر واقع ہے اس ضمیر کی جو بہ میں ہے

ہے جو اس لفظ کے واسطے مقدر ہوتا ہے کہ وہ لفظ صریح قول نہیں اس قول کے معنی کو ادا کرنے والا ہے شارح قولہ نہی لا تفسر فی الاکثر الخ سے اس کی طرف اشارہ کیا کہ مصنف کی عبارت میں مسامحت ہے کیوں کہ مصنف کی مراد یہ ہے کہ ان ایسے فعل کے مفعول کے ساتھ خاص ہے کہ وہ فعل قول کے معنی میں ہو اور مفعول کی تقدیر اکثریت کی طرف نظر کے اعتبار سے ہے۔ اعتراض ظاہر یہ ہے کہ فاء تفریع کے واسطے ہے اور اس کے ماقبل پر متفرع ہونے میں نظر ہے۔ جواب تفریع کبھی نظری ہوتی ہے لیک مقدمہ کے ملانے سے ثابت ہوتی ہے اور فی الاکثر شارح نے اس وجہ سے کہا کہ کبھی یہ ان ایسے فعل کے مفعول ظاہر کی تفسیر کرتا ہے کہ وہ فعل صریح قول نہیں قول کے معنی کو وہ فعل ادا کرتا ہے — قولہ نحو قولہ تعالیٰ وناديناه الخ پس اس میں قولہ تعالیٰ ان یا ابراہیم ایسے مفعول کی تفسیر ہے جو کہ ناديناه کے واسطے مقدر ہے یعنی ناديناه بلفظ ہو قولنا یا ابراہیم پس بلفظ ناديناه کے واسطہ حرف جر کے واسطے سے مقدر مفعول بہ ہے پس مفعول مقدر اعم ہے خواہ بواسطہ ہو یا بلا واسطہ پس اس مثال اور دوسری مثال کے درمیان فرق اسی اعتبار سے ہے کہ دوسری مثال میں مفعول مقدر بلا واسطہ حرف جر کے ہے اور ناديناه کا مفعول اول ناديناه میں ضمیر ہے اور ناديناه کا قول کے معنی میں ہونا اس لئے ہے کہ ندا کو قول لازم ہے قولہ وکذلک قولک الخ یعنی کتبت الیہ ان ایت تمہارا قول اسی طرح ناديناه ان یا ابراہیم کے مانند ہے یعنی اصل میں یہ تھا کتبت الیہ شیئاً ہو ایت (میں نے اس کی طرف ایک چیز لکھی اور وہ ایت ہے پس اَن ایسا حرف ہے کہ وہ اس پر دلالت کرنے والا ہے کہ ایت کتبت کے مفعول بہ مقدر کے واسطے تفسیر ہے قولہ وقولہ تعالیٰ ما قلت لہم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ (نہیں کہا میں نے ان سے مگر وہ چیز کہ حکم کیا مجھ کو اس کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو) پس قولہ ان اعبدوا اللہ یہ بہ میں جو ضمیر ہے اس کی تفسیر ہے کیونکہ یہ ضمیر قولہ امرتنی کا مفعول بہ اور امرتنی میں قول کے معنی موجود ہے اور ان اعبدوا اللہ اس ما کی تفسیر نہیں ہے جو ما امرتنی میں ہے کیوں کہ ما امرتنی صریح قول کے واسطے مفعول ہے معلوم ہو کہ شارح کا قول وقولہ تعالیٰ ما قلت الخ جملہ مستانفہ ہے اور یہ قولک پر معطوف نہیں ہے کیوں کہ یہ اس ان کی مثال نہیں ہے جو کہ مفعول مقدر کے واسطے مفسر ہو اور نہ یہ فی الاکثر قید کے فائدہ کے واسطے بیان ہے کیوں کہ اس وقت قولہ وقد یفسر بہا المفعول بہ ایضاً سے مؤخر لانا واجب تھا بلکہ یہ ایک وہم کا رد ہے اور وہ وہم یہ ہے کہ ان کبھی صریح قول کے مفعول بہ کی تفسیر کرتا ہے اور اس آیت سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے پس شارح

ولیس تفسیراً لمافی قوله ما امرتنی لانه مفعول لصریح القول وقد یفسر بها المفعول به الظاهر کقوله تعالیٰ إذ أوحینا الی امك ما یوحی ان اقذفیه فقوله آن اقذفیه تفسیر لما یوحی الذی هو المفعول الظاهر لاوحینا حروف المصدر ما وان المفتوحة المخففة وان المفتوحة المشددة فالاولان ای ما وان المفتوحة المخففة للفعلیة ای للجملة الفعلیة ای تدخلان علی الجملة الفعلیة فتجعلانها فی تاویل المصدر نحو قوله تعالیٰ وضاقت

اور لفظ امرت میں قول کے معنی ہیں اور نہیں ہے وہ تفسیر اس کی جو اس کے قول ما امرتنی میں ما ہے کیوں کہ وہ قول صریح کا مفعول ہے اور کبھی اس کے ذریعہ مفعول بہ ظاہر کی تفسیر کی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول اذ اوحینا الیٰ امک ما یوحیٰ ان اقذفیہ اور جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وحی بھیجی وہ بات جو وحی سے جانی جاسکتی ہے کہ اس کو اس میں ڈال دیجئے پس اس کا قول ان اقذفیہ ما یوحیٰ کی تفسیر ہے جو بظاہر اوحینا کا مفعول واقع ہے اور حروف مصدر ان اور ما ہیں ان متقلہ سے مخفف کیا گیا ہے اور اَن مفتوحہ اور مشددہ ہے پس پہلے دونوں یعنی ما اور ان مفتوحہ مخففہ فعلیت کے لیے مستعمل ہیں یعنی جملہ فعلیہ کیلئے یعنی جملہ فعلیہ پر دونوں داخل ہوتے ہیں پس اس کو مصدر کی تاویل میں کر دیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ان

کے قول فقولہ ان اعبدوا اللہ میں فا یا اما کی تقدیر ہے اور اخفش کے مذہب پر یہ فا اما کی تقدیر پر مبنی ہے یا فا مبتدا کی خبر میں مذہب اخفش پر زیادہ ہے اور اول مبتدا کی طرف جو عائد ہے وہ محذوف ہے یعنی فیہ۔

قولہ وقد یفسر بہا المفعول بہ الظاہر اور کبھی ان کے ساتھ ظاہر مفعول بہ کی تفسیر کی جاتی ہے شارح "فی الاکثر" کی قید کا فائدہ بیان کرتے ہیں جس کو شارح نے یعنی لا تفسر فی الاکثر للا مفعولاً مقدراً الخ میں بیان کی تھی

اور شارح آیت سابقہ قید کے فائدہ کے بیان کے لئے قرار نہیں دیا کیوں کہ وہ آیت ان کے مفسرہ ہونے میں نص اور صریح نہیں ہے پس اللہ تعالیٰ کے اس قول اذ اوحینا الیٰ امک ما یوحیٰ ان اقذفیہ پس اللہ تعالیٰ کا قول ان اقذفیہ ما یوحیٰ کے واسطے تفسیر ہے جو کہ اوحینا کا ظاہر مفعول بہ ہے ترجمہ آیت شریفہ یہ ہے یاد کر تو اس وقت کو جب کہ وحی کی ہم نے تیری ماں کو اے موسیٰ وہ چیز جو وحی کی جاتی ہے

یعنی ایسی شئ وحی کی جو صرف وحی کے ساتھ جانی جاتی ہے) یعنی یہ وحی کہ ڈال تو اس کو یعنی موسیٰ کو تابوت میں ڈال کر دریائے نیل میں ڈال دے کیوں کہ موسیٰ اس سال میں موجود ہوئے جس میں فرعون نے ہر مذکر مولود کو ذبح کر ڈالنے کا حکم دے رکھا تھا۔

قولہ حروف المصدر یعنی وہ حروف جو اپنے مدخول مصدر کی تاویل کرتے ہیں کل تین حرف ہیں ایک ما دوسرا ان مفتوحہ مخففہ اور انّ مفتوحہ مشددہ ان دونوں میں سے اول یعنی ما اور ان مفتوحہ مخففہ فعلیت کے واسطے ہیں یعنی جملہ فعلیہ کے واسطے ہیں یعنی یہ دونوں جملہ فعلیہ پر داخل ہو کر جملہ فعلیہ کو مصدر کی تاویل میں کر دیتے ہیں اسے للجملۃ الفعلیۃ یہ تفسیر موصوف کے بیان کے واسطے یعنی الفعلیۃ کا موصوف الجملۃ محذوف ہے اور اس سے جملہ فعلیہ مراد ہے اور ای تدخلان علی الجملۃ الفعلیۃ یہ لام کی تفسیر ہے جو للفعلیۃ میں ہے شارح بیان پر لام کو تخصیص کے لئے نہیں لیا بلکہ اس قد کے معنی میں جو تحقیق کے لئے آتا ہے جیسے قد یعلم اللہ قولہ تعالیٰ میں اسی وجہ سے اسے یدخلان علی الجملۃ الفعلیۃ خاصۃ نہیں کہا جیسا کہ ان للاسمیۃ میں کہا تاکہ تکرار لازم نہ آوے فاضل حلوانی نے کہا کہ شارح کیلئے اصوب یہ تھا کہ اس طرح کہتے لا یدخلان الا علی الجملۃ الفعلیۃ اور لام کو قد للتحقیق کے لئے لینا ظاہر کے خلاف ہے لیکن حلوانی رح کا یہ قول غیر مناسب ہے کیوں کہ تکرار لازم آتا ہے معلوم ہو کہ بعض نے جملہ فعلیہ کو اس جملہ فعلیہ کے ساتھ مخصوص

عليهم الارض بما رحبت اى برحبها بضم الراء وهو السعة نحو قولك اعجبنى ان خرجت اى خروجك واختصاص ما المصدرية بالفعلية انما هو عند سيبويه وجوّز غيره بعدها الاسمية قال الشارح الرضى وهو الحق وان كان قليلاً كما وقع فى نهج البلاغة بقوا فى الدنيا ما الدنيا باقية وانّ المفتوحة المشددة للاسمية

پر زمین اپنے وسیع ہونے کے باوجود تنگ ہوگئی یعنی برحبہا ای وسعت کے باوجود راء کے ضمہ کے ساتھ جس کے معنی وسعت کے ہیں اور جیسے تمہارا قول تعجب میں ڈالا مجھ کو یہ کہ تو خارج ہوا یعنی تیرا نکلنا اور ما مصدریہ کا فعلیہ کے ساتھ خاص ہونا تو وہ سیبویہ کے نزدیک ہے اور اس کے علاوہ دوسرے نحویوں نے اس کے دخول کو اسمیہ پر بھی جائز کہا ہے شارح رضی نے کہا کہ یہی درست ہے اگرچہ قلیل ہے جیسے نہج البلاغۃ میں مذکور ہے یعنی باقی رہو تم دنیا میں جب تک دنیا باقی رہے ان مفتوحہ مشددہ اسمیہ کے لئے یعنی جملہ اسمیہ کے لئے خاص ہے لیکن جب

کر دیا جس کا فعل متصرف ہو یعنی یہ دونوں اس جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں جس جملہ فعلیہ کا فعل متصرف ہو چونکہ فعل غیر متصرف کے واسطے مصدر نہیں ہوتا کہ اس فعل کی تاویل مصدر سے کی جاسکے اور ان دونوں کا مصدر کی تاویل میں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مشہور یہ ہے کہ مصدر کی تاویل میں کر دیتے ہیں اس معنی کر کہ مصدر کے احکام اس جملہ فعلیہ پر جاری ہوتے ہیں باوجودیکہ وہ جملہ اپنے معنی پر باقی رہتا ہے ما کی مثال قول تعالیٰ وضاقت علیہم الارض بما رحبت ہے اس میں ما مصدریہ اس رحبت جملہ فعلیہ کو مصدر رحبہا کے معنی میں کر دیا یعنی ان پر زمین تنگ ہوگئی باوجود اس کے کشادہ ہونے کے حاشیہ میں ہے کہ نظم قرآن علیکم الارض ہے علیہم لکھنے والے کے قلم سے سہو ہے رحب راء کے ضم کے ساتھ وسیع ہونے کے معنی میں ہے اور ان مفتوحہ مخففہ کی مثال یہ ہے اعجبنی ان خرجت ای خروجک یعنی تعجب میں ڈالا مجھ کو تیرے نکلنے نے ۔

قولہ واختصاص ما الخ شارح فرماتے ہیں کہ ما مصدریہ کا جملہ فعلیہ کیساتھ مخصوص ہونا صرف سیبویہ کے نزدیک ہے دوسرے حضرات ما مصدریہ کے بعد جملہ اسمیہ کے آنے کو جائز رکھتے ہیں شارح رضی کا قول شارح نقل کرتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ ما مصدریہ جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتا ہے یہی حق ہے اگرچہ جملہ اسمیہ پر داخل ہونا اس کا قلیل ہے نہج البلاغۃ کی یہ عبارت استشہاد میں پیش کرتے ہیں بقوا فی الدنیا ما الدنیا باقیۃ پس کلمہ ما نے اس جملہ کو ایسے مصدر کی تاویل میں کر دیا جو کہ اس جملہ اسمیہ کی خبر کا مصدر یعنی بقاء کی تاویل میں کر دیا اس کی خبر باقیہ ہے یعنی زندہ رہے وہ دنیا میں دنیا کے باقی رہنے کی مدت تک مدۃ تقدیر اس لئے ہے کہ زمان اور وقت کی تقدیر شائع ہے معلوم ہو کہ نہج البلاغۃ بفتح النون وسکون الہاء ایک کتاب کا نام ہے جس کو شریف رضی مولوی نے جمع کیا چنانچہ کہا کہ ... موضوعات ..... سے ہیں صحیح یہ ہے کہ اس میں کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں اور کچھ امیر المؤمنین حضرت علی رض کا کلام اور کچھ بعض سلف کا اور کچھ حکماء کا کلام اور کچھ وہ جس کو رافضیہ نے وضع کیا غرضیکہ نہج البلاغۃ ان تمام کا مجموعہ ہے جیسا کہ ہدایۃ الاصول میں ہے پس اس پر اس سے استدلال کرنا جو اس میں ہے مشکل ہے

قولہ وانّ یعنی ان مفتوحہ مشددہ جملہ اسمیہ کے لئے ہے نہ کہ اور جملہ فعلیہ پر یہ داخل نہیں ہوتا کہ البتہ جبکہ اس کے ساتھ ما کافہ لگا کر عمل سے روک دیا جاتا ہے تو پھر اس کے بعد جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں میں سے ہر ایک آسکتا ہے یعنی دونوں قسم کے جملوں پر اسمیں داخل ہوتا ہے ۔

قولہ ومعنی کونہا للاسمیۃ یعنی ان مفتوحہ مشددہ کا اسمیہ کے لئے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ یہ ان مفتوحہ مشددہ جملہ اسمیہ کے دونوں جزء میں عمل کرتا ہے اور جملہ اسمیہ کو اس مفرد کی تاویل میں کرتا ہے کہ وہ اس کی خبر کا مصدر ہوتا یعنی ان کی خبر کا مصدر نکال کر ان کے اسم کی طرف مضاف کر دیا

ای للجملة الاسمية خاصة اذا كفت بما فيجوز بعدها الاسمية والفعلية ومعنى كونها للاسمية انها تعمل فی جزئيها وتجعلها فی تاويل المفرد الذی هو مصدر خبرها نحو اعجبنی انك قائم ای قيامك او ما فی معناه نحو اعجبنی ان بدا اخوك ای اخوة زيد فان تعذرت قدرت الكون نحو اعجبنی ان هذا زيد ای كونه زيد احرف التحضيض هلا والا مشددتين ولولا ولوما لها صدر الكلام لدلالتها على احد انواع الكلام فتصدر لتدل من اول الامر على ان الكلام من ذلك النوع ويلزمها الفعل وفی

اس کو ما کے ذریعہ روک دیا جائے پس اس کے بعد جملہ اسمیہ وفعلیہ دونوں جائز ہیں اور اس کے اسمیہ کے لئے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کے دونوں جزؤں پر عمل کرتا ہے اور ان کو اس مفرد کی تاویل میں کر دیتا ہے جس کی خبر مصدر ہو جیسے مجھ کو تعجب میں ڈالدیا کہ تو کھڑا ہے یعنی تیرے قیام نے یا وہ جو اس کے معنی میں ہو جیسے تعجب میں ڈالا مجھ کو کہ زید تیرا بھائی ہے یعنی زید کا بھائی ہونا پس اگر متعذر ہو تو کون مقدر مانا جائے گا جیسے تعجب میں ڈالا مجھ کو کہ یہ زید ہے یعنی اس کا زید ہونا اور حرف تحضیض ھلّا اور الّا دونوں مشدد ہیں اور لولا، لوما ان کے لئے صدر کلام ہے اس ان کے دلالت کرنے کی وجہ سے انواع کلام میں سے ایک نوع پر پس صدر کلام میں مذکور ہوتے ہیں تاکہ اول وھلہ میں دلالت کرے اس بات پر کہ کلام اسی نوع کا ہے اور ان کو فعل لازم ہے اور بعض

جاتا ہے جیسے اعجبنی انک قائم یعنی قیامک قائم خبر ہے اس کا مصدر قیام ہے اس کو کاف ضمیر کی طرف مضاف کر دیا یہ اس وقت ہے جب کہ خبر اسم مشتق ہو اور اگر اسم مشتق نہ ہو بلکہ وہ چیز ہو جو اسم مصدر کے معنے میں ہو سکے تو پھر اس کو مصدر کے معنی میں کر لیں گے جیسے اعجبنی ان زیداً اخوک پس اس میں اخوۃ

زید کے معنی میں کر کے مفرد مصدر بنالیا اور اگر خبر ایسی شئ ہو کہ اس کو مفرد مصدر کی تاویل میں کرنا ناممکن ہو بایں طور کہ خبر ایسا اسم جامد ہے کہ اس کے واسطے مصدر ہونا ممتنع ہے تو کون کی تقدیر کر لی جائے گی جیسے اعجبنی ان ہذا زید زید اسم جامد ہے اس کے لئے مصدر کا ہونا ممتنع ہے تو کون مقدر کر لیا

کیوں کہ ہر خبر جامد اس سے مخبر کی نسبت لفظ کون کے ساتھ ہونا درست ہوتی ہے یعنی کونہ زیداً یعنی اس کے زید ہونے نے مجھ کو تعجب میں ڈالا۔

قولہ حروف التحضیض، التحضیض باب تفعیل سے ہے الحض کے معنی ہیں کسی شئ پر ابھارنا اور کسی شئ کو طلب کرنا اور یہ باب تفعیل تکثیر کے لئے یعنی بہت زیادہ کسی شئ پر ابھارنا، ظاہر یہ ہے تحضیض کے مرکب ہیں جیسا کہ مفتاح میں ہے اور احتمال ہے الا اصل میں ہلّا ہو۔ ہار کو ہمزہ سے بدل دی گئی حروف تحضیض میں سے ایک ہلّا اور دوسرا الّا اور یہ دونوں مشدد ہیں اور ہلا مخففہ اسم فعل عجل کے معنی میں ہے یعنی جلدی کر تو غیر عاقل کو فعل پر ابھارنے کے لئے آتا ہے اور الا مخففہ حرف تنبیہ بمعنی خبردار اور حرف عرض اور نفی کے استفہام کے واسطے ہے تیسرا حرف تحضیض لولا ہے اور چوتھا حرف تحضیض لوما ہے

قولہ لہا صدر الکلام ان کے لئے صدر کلام ہے چوں کہ یہ حروف کلام کے نوعوں میں سے ایک خاص نوع پر دلالت کرتے ہیں یعنی کلام تحضیض پر اس وجہ سے کلام کے شروع میں آتے ہیں جیسے حروف استفہام کلام استفہامی پر دلالت کرتے ہیں ایسے ہی کلام انواع میں سے ایک تحضیض ہے اور ایک توبیخ اور ایک تندیم ہے جب ان کو کلام کے شروع میں واقع کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان مذکورہ نوعوں میں سے کس نوع کا ہے

قولہ ویلزمہا الفعل ان حروف تحضیض کو فعل لازم ہے اور بعض نسخوں میں تلزم الفعل

بعض النسخ وتلزم الفعل لفظاً نحو ھلاّ ضربت زیداً وھلاّ تضرب زیداً او تقدیراً نحو ھلا زیداً ضربته وھلا زیداً تضربه فمعناه اذا دخلت علی الماضی التوبیخ واللوم علی ترك

نسخوں میں مذکور ہے کہ فعل لفظاً لازم ہے جیسے کیوں نہ مارا تو نے زید کو اور کیوں نہیں مارتا تو زید کو یا تقدیراً ہو جیسے ھلا زیداً ضربته اور ھلاّ زیداً تضربه پس اس کے معنی جب یہ ماضی پر داخل ہو توبیخ اور ملامت کے ہیں فعل کے ترک کرنے پر

ہے یعنی حروف تحضیض فعل کو لازم ہیں پہلی عبارت کا مطلب یہ ہے فعل ان حروف سے منفک نہیں ہوتا ہے اس وقت لزوم اصطلاحی کے معنی میں ہے دوسری عبارت کا مطلب ہے یہ حروف فعل کو لازم ہیں اس وقت لزوم لغوی معنی میں ہے معلوم ہو لولا اور لوما یہ دونوں تحضیض بھی ہوتے ہیں اور امتناعی بھی پہلا یعنی جب یہ تحضیضی ہوتے ہیں تو فعل پر وجوباً داخل ہوتے ہیں اور ثانی یعنی امتناعی ایسے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جس کے بعد ایک دوسرا جملہ اسمیہ آتا ہے یہ دوسرا جملہ کے وجود کے لئے جواب ہوتا ہے۔

قولہ فی بعض النسخ یعنی یہاں پر دو نسخے ہیں ایک نسخہ الفعل کے رفع کے ساتھ ہی اس بنا پر کہ فاعل اور مفعول محذوف ہے اور وہ ہذا الحروف ہے اور اس وقت دونوں نسخوں کے درمیان فرق یہ ہے پہلے نسخہ پر معنی ہے کہ فعل حروف تحضیض کے واسطے لازم ہے اور دوسرے نسخے پر یہ معنی ہے کہ یہ حروف فعل کو لازم ہیں اور دونوں تقدیر پر مطلب یہ ہے کہ یہ حروف فعل سے منفک اور علیحدہ نہیں ہوتے ہیں یعنی حروف فعل کے بغیر استعمال نہیں کئے جاتے ہیں بعض نے مذکورہ فرق یہ بیان کیا ہے کہ پہلے نسخے پر لزوم متعارف کے معنی میں ہے اور دوسرے نسخے پر لزوم لغوی معنی میں ہے۔

قولہ لفظاً جیسے ھلا ضربت زیداً اور ھلا تضرب زیداً سے اشارہ مثالیں اس بات کے ساتھ خاص کرکے بیان کی اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ حروف منفی پر داخل نہیں یعنی فعل پر یہ حروف تحضیض داخل ہیں ان میں تعمیم ہے کہ وہ فعل ملفوظ ہو جیسے مذکورہ مثالوں یا فعل مقدر ہو جیسے ھلاّ زیداً ضربته کہ اصل میں ہلا ضربت زیداً ضربته تھا مفسر کی دلالت کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا اور ایسے ہی ھلا زیداً تضربه یہ اصل میں ھلاّ تضرب زیداً تضربه تھا ھلاّ کے بعد جو فعل تضرب واقع ہے اس کو حذف کر دیا چونکہ مفسر اس پر دال ہے رضی نے شرح کافیہ میں فرمایا کہ جب ہلا کے بعد ظرف واقع ہوتا ہے تو وہ ایسے فعل کے ساتھ منصوب ہوتا ہے جو اس ظرف کے بعد واقع ہو اور ہلا کے بعد اس وقت فعل مقدر نہ کیا جاوے گا چونکہ ظروف میں توسع ہے پس جیسے ھلاّ یوم الجمعة زرتنی میں یوم الجمعة زرتنی کے سبب سے منصوب ہے

قولہ فمعناہ الخ پس ان حروف تحضیض کے معنی فمعناہ میں فا فصیحہ پر شرط محذوف یعنی اذا علمت انها تدخل المضارع والماضی

یعنی جب یہ جان لیا کہ یہ حروف تحضیض مضارع اور ماضی پر داخل ہوتے ہیں پس ان کے معنی جب کہ وہ ماضی پر داخل ہوں یعنی ماضی کے ساتھ مستعمل ہوں تو ان کے معنی فعل کے چھوڑنے پر توبیخ اور لوم ہوتے ہیں یعنی فعل کے چھوڑنے پر ڈانٹنا اور ملامت کرنا ہوتے ہیں کیونکہ اس شئی پر ابھارنا جو شئی کہ فوت ہو گئی ہو تو وہ اپنے ساتھ توبیخ اور ملامت کو لیتی ہے اس لئے کہ اس شئی پر ابھارنا اور برانگیختہ کرنا جو کہ فوت ہو گئی ہو کچھ معنی نہیں ہیں اس لیے توبیخ اور ملامت کے معنی حاصل ہو جاویں گے خواہ وہ معنی حقیقی ہوں یا مجازی اور ظاہر ہے یہ معنی ہیں چونکہ آئندہ آویگا کہ وہ فوت شدہ شئی کے مثل پر برانگیختہ کرنے سے خالی نہیں ہے اور مفتاح میں ہے اور ماضی میں تندیم کے لئے ہیں توبیخ کے معنی ہے ڈانٹنا اور تندیم کے معنی ہے پشیمان کرنا، نادم و شرمندہ کرنا اور لوم کے معنی ہے ملامت کرنا یہ سب معنی فوت شدہ شئی پر برانگیختہ کرنے اور حض کے لیے لازم ہیں پس مخاطب برائی والا ہے تو معنے تندیم ہوں گے اور اگر برائی والا نہیں ہے تو معنی توبیخ اور لوم ہوں گے۔

الفعل ومعناها فى المضارع الحض على الفعل والطلب له فهى فى المضارع بمعنى الامر ولا يكون التحضيض فى الماضى الذى قد فات الا انها قد تستعمل كثيراً فى لوم المخاطب على انه ترك فى الماضى شيئاً يمكن تداركه فى المستقبل فكانها من حيث المعنى للتحضيض على فعل مثل ما فات حرف التوقع والتقريب قد

اور اس کے معنی مضارع میں فعل پر ابھارنے اور اس کے طلب کے ہیں پس وہ مضارع میں امر کے معنی میں ہوتا ہے اور نہیں ہوتا تحضیض کے لیئے ماضی میں وہ جو کہ گذر چکا ہے لیکن بیشک وہ کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے مخاطب کے ملامت کرنے پر اس پر کہ اس نے ماضی میں کسی ایسی چیز کو ترک کر دیا ہے جس کا تدارک مستقبل پر ممکن ہے پس گویا معنی کے لحاظ سے وہ فعل پر ابھارنے کیلئے ہے اس فعل کی مثل پر جو فوت ہو گیا ہے۔ حرف توقع ان کا دوسرا نام حرف تقریب ہے

قولہ ومعناها فى المضارع الخ اور حروف تحضیض کے معنی مضارع میں فعل پر ابھارنا ہے اور فعل کو طلب کرنا ہے پس وہ حروف تحضیض مضارع میں امر کے معنی میں ہیں یعنی حث اور ازعاج کے ساتھ فعل کو طلب کرنا ہے اور اس کے باوجود وہ توبیخ اور لوم سے خالی نہیں ہے اس بنا پر کہ مخاطب کیلئے مناسب یہ تھا کہ وہ اس کو طلب سے پہلے کرتا اور کبھی فعل کی طلب مخاطب سے ان حروف تحضیض کے ذریعہ سے تحضیض اور توبیخ کے بغیر ہوتی ہے بلکہ ادب کرنے کے ساتھ طلب ہوتی ہے اس وقت یہ حروف تحضیض عرض کیلئے ہوتے ہیں معلوم ہو کہ شارح کے قول فهى فى المضارع بمعنى الامر پس وہ مضارع میں امر کے معنی میں ہوتے ہیں میں امر کے معنی لغوی یعنی حکم کرنا ہے اور اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے

قولہ وفى الماضى الخ یعنی جب یہ ماضی پر داخل ہو کر ماضی میں مستعمل ہوتے ہیں تو ماضی میں جو شئی فوت ہو گئی اسکی تحضیض نہیں ہو سکتی ہے اس لئے ماضی میں فوت شدہ چیز پر توبیخ اور ملامت ضروری ہے

قولہ الا انها تستعمل كثيراً الخ شارح اس سے ایک وہم کو دور کر رہے ہیں وہم یہ ہوتا ہے کہ جب یہ حروف ماضی پر داخل ہوتے ہیں تب ان کو حروف تحضیض کہا جاتا ہے حالانکہ اس وقت توبیخ و تندیم کے واسطے ہوتے ہیں لہذا اس وقت یہ اطلاق درست نہ ہوا جواب یہ ہے کہ اس وقت جب کہ یہ ماضی پر داخل ہوتے اور ان کے معنی توبیخ اور تندیم ہوتے ہیں تو اس وقت ان کو حروف تحضیض کہنا اس لئے ہے کہ یہ حروف بہت زیادہ اس پر مخاطب کی ملامت میں استعمال ہوتے ہیں کہ اس نے ماضی میں ایسی شیئ کو چھوڑ دیا جس کا مستقبل میں تدارک ممکن ہے پس گویا کہ وہ معنی کے اعتبار سے مافات کے مثل تحضیض ہے اور یہ اس میں ممکن ہے کہ جس فوت شدہ فعل کے واسطے مثل ہو اور وہ فوت شدہ فعل جس کا مثل ممکن نہ ہو تو وہاں تحضیض نہ ہوگی جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول هلا شققت قلبه۔

قولہ على فعل مثل الخ اس فعل کا مثل جو زمانہ ماضی میں فوت ہو گیا کیونکہ وہ ضرب جو مخاطب سے فوت ہو گئی اس کا تدارک اور اس کا لانا مستقبل میں ممکن ہے گویا کہ اس نے یہ کہا کہ وہ ضرب جو تجھ سے زمانہ ماضی میں فوت ہو گئی زمانہ مستقبل میں تو اس کو لوٹا غرضیکہ ان حروف پر ان پسلی کا اطلاق معنی اضافی کے ساتھ ہے اور نقل کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ گذرا اسی وجہ سے سکاکی نے مفتاح میں ان کا نام حروف التحضیض والتندیم رکھا ہے

قولہ حرف التوقع الخ یعنی حرف توقع صرف ایک حرف قد ہے شارح نے التوقع کے ساتھ التقریب زیادہ کر دیا جو کہ اس کے پانچ معنوں میں سے ہے۔ التقریب مناسب اس وجہ سے کیا کہ قد ان دونوں معنی کیساتھ مختص ہے یا اس کے اضافہ کرنے سے اس پر رد کرنا ہے جس نے یہ کہا کہ قد ماضی میں توقع کے واسطے نہیں ہوتا اور اس شخص پر رد کرنے کی وجہ بڑھا دیا جس نے کہا کہ قد مطلقاً توقع کے واسطے نہیں ہوتا معلوم ہو کہ

سمیت بهما لمجیئها لهما نان هذه الحرف اذا دخلت علی الماضی او المضارع فلا بد فیها من معنی التحقیق ثم انه یضاف فی بعض المواضع الی هٰذا المعنی فی الماضی التقریب من الحال مع التوقع ای یکون مصدره متوقعاً للمخاطب واقعاً عن قریب کما تقول لمن یتوقع رکوب الامیر قد رکب ای حصل عن قریب ما کنت تتوقعه ومنه قول المؤذن قد قامت الصلوٰة ففیها اذن ثلثة معان مجتمعة التحقیق والتوقع والتقریب وقد یکون مع التحقیق التقریب من غیر توقع کما تقول قد رکب زید

ان دونوں کے ساتھ ان کے نام رکھنے کی وجہ ان کے آنے کی وجہ سے ان کیلئے کیوں کہ یہ حرف جب ماضی پر داخل ہوتے ہیں یا مضارع پر تو اس میں تحقیق کے معنی کا ہونا ضروری ہے پھر بیشک وہ بعض مواقع پر ان معنی کی طرف مضاف کئے جاتے ہیں اس ماضی میں جو حال سے قریب کرنے والی ہے توقع کے ساتھ یعنی اسکا مصدر مخاطب کے لئے توقع دلانے والا ہوتا ہے کہ واقع ہونے والا ہے قریب میں جیسے تو کہے اس شخص کے لئے جو امیر کہ سوار ہونے کی توقع کر رہا ہو قد رکب تحقیق کہ وہ سوار ہو گیا یعنی قریب میں حاصل ہو گئی وہ جس کی تو توقع کر رہا تھا اور اسی قبیل سے ہے مؤذن کا قول قد قامت الصلوٰۃ تحقیق کہ نماز قائم ہو گئی پس اس وقت اس میں تین معانی مجتمع ہیں تحقیق توقع اور تقریب اور کبھی بغیر توقع کے تحقیق تقریب کے ساتھ ہوتا ہے جیسے تو کہے تحقیق کہ سوار ہو گیا زید اس شخص کے لئے جو اس کے

قد کے یہ معانی اس وقت ہیں جب کہ وہ حرف ہو۔ قولہ وسمیت بہما الخ لفظ قد کا نام حرف لتوقع والتقریب اس وجہ سے رکھا کہ یہ ان دونوں معنی کے واسطے آتا ہے چنانچہ یہ حرف قد جب ماضی یا مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس میں تحقیق کے معنی ضرور ہوتے ہیں پھر اس معنی کی طرف ماضی میں بعض مواضع کے اندر مع معنی توقع کے معنی تقریب من الحال ملا دیئے جاتے ہیں یعنی یہ قد یہ بتاتا ہے کہ فعل ماضی کا مصدر مخاطب کے واسطے خبر دینے سے پہلے متوقع امید کیا ہوا ہے عنقریب اس سے واقع ہونے والا ہے یعنی اسے زمانہ ماضی واقع ہونے والا ہے جو حال سے قریب ہے خبر دینے سے پہلے متوقع ہونا اس وجہ سے کہا کہ ماضی میں توقع نہیں ہوسکتی کیوں کہ گذرنا یعنی مضی توقع سے منافات رکھتی ہے لیکن جب یہ کہا کہ خبر دینے سے پہلے متوقع ہے تو اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا ہے معلوم ہو کہ شارح کے قول اذا دخلت علی الماضی سے معلوم ہوا کہ قد فعل طلب پر داخل نہیں ہوتا اور ماضی میں قد کے داخل ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ ماضی مثبت منصرف ہو کیوں کہ غیر منصرف مضی کے واسطے نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کو حال کے قریب کرے اور قرینہ اطلاق سے معلوم ہوا کہ ماضی مجرد غیر متشابہ بالحرف مراد ہے۔

قولہ کما تقول الخ جیسے ایک شخص امیر کے سوار ہونے کی توقع اور امید رکھتا ہے اس کو تم کہو قد رکب یعنی قریب میں وہ فعل حاصل ہو جاوے گا جس کی تو امیر سے توقع رکھ رہا ہے اور اسی سے مؤذن کا قول قد قامت

الصلوٰۃ ہے یعنی قیام صلوٰۃ جس کی تو امید کر رہا ہے وہ قریب میں ہو جاویگا قد قامت الصلوٰۃ کے یہ سب معانی کئے جا سکتے ہیں نماز ظاہر ہو گئی ہے نماز حاضر ہو گئی ہے نماز لازم ہو گئی ہے نماز قائم ہو گئی ہے نماز کا وقت قریب ہو گیا، جماعت نماز کی طرف کھڑی ہو گئی ہے قیام ان سب مذکورہ معانی میں مستعمل ہوتا ہے۔

قولہ ففیہا اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ قد میں اس وقت تین معنی مجتمع ہیں ایک تحقیق دوسرے توقع اور تیسرے تقریب۔

قولہ وقد یکون مع التحقیق الخ یعنی قد کے معنی جو تحقیق کے ہیں کبھی اس تحقیق کے ساتھ تقریب بلا توقع ہوتی ہے جیسے تم

لمن لم یتوقع رکوبہ وھی فی المضارع المجرد عن ناصب وجازم
وحرف تنفیس للتقلیل ای یضاف الی التحقیق فی الاغلب
التقلیل نحو ان الکذوب قد یصدق وقد تستعمل للتحقیق
مجردا عن معنی التقلیل نحو قد نری تقلب وجھک فی
السماء ویجوز الفصل بینھا وبین الفعل بالقسم نحو قد واللہ
احسنت وقد لعمری بتّ ساھرا حرفا الاستفہام الھمزۃ
وھل لھما صدر الکلام لا یتقدم مھما ما فی حیزھما لا لانھما علی

سوار ہونے کی توقع نہیں رکھتا اور وہ مضارع میں جو کہ ناصب، جازم اور حرف تنفیس سے خالی ہو تقلیل کے لئے آتا ہے یعنی اغلب میں وہ تحقیق کی طرف مضاف ہوتا ہے قلت کے ساتھ جیسے زیادہ جھوٹ بولنے والا کبھی سچ بولتا ہے اور کبھی تحقیق کے معنی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے خالی کر کے تقلیل کے معنی سے جیسے تحقیق ہم نے دیکھا آپ کے چہرہ کے پھیرنے کو آسمان کی جانب اور جائز ہے فعل کا لانا اس کے درمیان اور اس فعل کے درمیان جس سے قسم کھائی گئی ہے جیسے تحقیق اللہ کی قسم تو نے اچھا کیا اور تحقیق میری عمر کی قسم میں جاگ کر رات گذاری، استفہام کے دونوں حروف ہمزہ اور ھل ان دونوں کے لئے صدر کلام ہے ان دونوں پر مقدم نہیں ہوتا وہ جو ان کی حیز میں ہوتا ہے ان دونوں

جیسے قد رکب زید اس شخص سے جس نے زید کے سوار ہونے کی توقع اور امید نہیں کی، پس اس وقت رکب زید کے معنی ہے بیشک زید سوار ہو گیا ہے اور اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ بیشک زید سوار ہونے کو ہے جیسا کہ یہ معنی توقع کی صورت میں ہے۔

قولہ وھی فی المضارع الخ یعنی قد جب فعل مضارع پر داخل ہو کر آتا ہے تو تقلیل کے لئے ہوتا ہے یعنی اغلب استعمالات میں تحقیق کے ساتھ تقلیل کو ملا دیا جاتا ہے لیکن وہ مضارع جس پر قد داخل ہوتا ہے وہ فعل مضارع ناصب سے بھی خالی ہو اور جازم سے بھی خالی ہو اور حرف تنفیس (وہ حرف جو تنفیس اور تاخیر پر دلالت کرتا ہے جیسے سین اور سوف) سے بھی خالی ہو۔ مصنف نے المضارع مطلق بولا ہے یہ اس کا قرینہ ہے کہ ان سب سے خالی ہو جیسے ان الکذوب قد یصدق اس میں قد تحقیق مع التقلیل کیلئے ہے یعنی بیشک جھوٹا کبھی سچ بولدیتا ہے یہ مثل ہے اس شخص کے لئے بولی جاتی ہے جس پر اساءۃ (بدی کرنا) اور جھوٹ بولنا غالب ہو الکذوب کاذب کا مبالغہ ہے کذب بفتح الکاف وکسر الذال اور بکسر الکاف و سکون الذال سے بنا ہے واقع یا اعتقاد کے خلاف کہنا اور صدق بالکسر والفتح یا بالفتح مصدر اور بالکسر اسم سچ بولنا یعنی واقع یا اعتقاد کے موافق بولنا اصل یہ ہے صدق اور کذب کے ساتھ قول موصوف ہوتا ہے۔

قولہ وقد تستعمل للتحقیق الخ اور قد کبھی صرف تحقیق کے واسطے مستعمل ہوتا ہے۔ معنی تقلیل سے خالی ہوتا ہے جیسے قد نریٰ لئے تقلب وجھک فی السماء تحقیق ہم نے دیکھے ہیں تیرے چہرہ کے بار بار پلٹنے کو آسمان میں یہ آیت تحویل قبلہ کے بارے میں اتری ہے نریٰ صیغہ متکلم مع الغیر ہے اس کا فاعل اللہ ہے لہٰذا یہاں تقلیل درست نہ ہوگی۔

قولہ ویجوز الفصل الخ قد اور وہ فعل جس پر قد داخل ہو دونوں کے درمیان قسم کے ساتھ فصل کا آنا جائز ہے یعنی قد اور مدخول قد کے درمیان قسم سے فصل کا واقع ہونا جائز ہے جیسے قد واللہ احسنت اور جیسے قد لعمری بت ساھرا واللہ اور لعمری قسم ہے جو قد اور مدخول احسنت اور بت کے درمیان آئی ہے بیشک اللہ کی قسم خوب کیا ہے تو نے اور بیشک میری زندگی کی قسم رات گذاری میں نے در انحالیکہ میں جاگنے والا تھا۔

قولہ حرفا الاستفہام الہمزۃ وھل، یعنی

احد انواع الکلام کما مر وقد خلان علی الاسمیة والفعلیة تقول فی الاسمیة ازید قائم وفی الفعلیة اقام عمرو وکذلک هل تقول فیهما هل زید قائم وهل قام عمرو الا ان الهمزة تدخل علی کل اسمیة سواء کان الخبر فیها اسما او فعلا بخلاف هل فانها لا تدخل علی اسمیة خبرها فعل نحو هل زید قام الا علی الشذوذ وذلک لان اصلها ان تکون بمعنی قد کما جاءت علی الاصل فی قوله تعالیٰ هل اتیٰ علی الانسان ای قد اتیٰ فلما کان اصلها قد

کے دلالت کرنے کی وجہ سے کلام کی انواع میں سے ایک پر جیسا کہ گذر چکا ہے اور دونوں اسمیہ اور فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں تو کہے اسمیہ میں کیا زید قائم ہے اور فعلیہ میں کیا زید کھڑا ہے اور اسی طرح ہل تو ان دونوں میں کہے ھل زید قائم اور ھل قام عمرو لیکن بیشک ہمزہ ہر اسمیہ پر داخل ہوتا ہے برابر ہو کہ اس میں خبر اسم ہو یا فعل بخلاف ہل کے پس وہ اس اسمیہ پر داخل نہیں ہوتا جس کی خبر فعل ہو جیسے ہل زید قام مگر بطور شاذ کے اور یہ اس وجہ سے کہ اس کی اصل یہ ہے کہ وہ قد کے معنی میں ہو جیسا کہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے قول میں مذکور ہے ھل اتیٰ علی الانسان یعنی قد اتیٰ پس جب کہ اس کی اصل قد ہے اور وہ فعل کے لوازم میں سے ہے

استفہام (دریافت کرنے اور پوچھنے) کے دو حرف ہمزہ اور ہل ہیں پھر اٰلْ فعلتَ جو کہ ہل فعلت کے معنی میں ہے جیسا کہ قطرب نے ابوعبیدہ سے حکایت بیان کی تو یہ اصل میں ہل تھا اس میں ہا کو ہمزہ سے بدل دیا اٰل ہوگیا۔

قولہ لہما صدر الکلام ان دونوں کیواسطے صدر کلام ہے یعنی جو ان دونوں کے تحت میں ہوتا ہے وہ ان پر مقدم نہیں ہوتا ہے پس یہ کلام کے اول میں واقع ہوتے ہیں تاکہ اول وہلہ میں کلام کی انواع میں سے ایک نوع پر دلالت کرے اور ایک نوع یہاں پر کلام استفہامی ہے۔

قولہ وتدخلان الخ اور ان دونوں حرف استفہامی میں سے ہر ایک حرف دونوں قسم کے جملوں پر داخل ہوتے ہیں یعنی جملہ اسمیہ پر بھی اور جملہ فعلیہ پر بھی، جملہ اسمیہ پر ہمزہ کے دخول کی مثال ازید قائم ہے اور جملہ فعلیہ پر ہمزہ کے دخول کی مثال اقام عمرو ہے اور اسی طرح ہل ہے کہ جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے ہل زید قائم اور جملہ فعلیہ پر بھی جیسے ہل قام عمرو۔ شارح نے تدخلان علی الاسمیۃ والفعلیۃ سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مصنف کا متعدد مثالوں کا لانا اسی وجہ سے ہے کہ ان کا دخول عام ہے اسمیہ اور فعلیہ دونوں قسم کے جملوں پر داخل ہوتے ہیں۔

قولہ الا ان الہمزۃ الخ یعنی ہمزہ اور حرف ھل استفہامیہ جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں میں سے ہر ایک میں داخل ہوتا ہے مگر ان دونوں میں فرق ہے ہمزہ ہر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے خواہ جملہ اسمیہ میں خبر اسم ہو یا فعل ہو، بخلاف ہل کے وہ ایسے جملہ اسمیہ پر داخل نہیں ہوتا جس جملہ اسمیہ کی خبر فعل ہو مگر شاذ و نادر یعنی غیر فصیح استعمال میں جیسا کہ مفتاح میں اس کے قبیح ہونے کو بیان کیا شارح نے الا ان الہمزۃ الخ سے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ مصنف کا قول وکذلک ہل یہ عموم پر نہیں چونکہ آگے مصنف فرما رہے والہمزۃ اعم تصرفا پس گویا کہ یہ اس حکم سے استثناء کے معنی میں ہیں اسی وجہ سے شارح کے لئے اوجہ یہ تھا کہ اس کو قولہ تقول ازید ضربت کے جیسا کہ اس کی طرف قولہ لما عرفت سے اشارہ ہو رہا ہے۔

قولہ وذلک لان اصلہا یعنی ہل کا اس جملہ اسمیہ پر نہ داخل ہونا جس کی خبر فعل ہو اس وجہ سے ہے کہ ہل کی اصل یہ ہے کہ وہ قد کے معنی میں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول ھل اتیٰ علی الانسان میں قد کے معنی میں اپنی اصل پر آیا ہے اور ہل اتیٰ کے معنی قد اتیٰ کے ہیں یعنی ہل اس قولہ تعالیٰ میں تقریر اور تقریب دونوں کیلئے ثابت آیا ہے بیشک آیا ہے

وهي من لوازم الانفعال فان رأت فعلا في حيزها تذكرت عهودا بالحمى وحنت الى الالف المالوف وعانقته وان لم تره في حيزها تسلت منه ذاهلة والهمزة اعم تصرفا اى التصرف فيها باعتبار استعمالها في مواضع استعمالاتها اكثر من التصرف في هل

پس اگر وہ اپنے حیز میں فعل کو دیکھے گا تو یاد کرے گا اپنے زمانے کو زرخیز اور ہری بھری زمین میں اور اپنے مالوف کی جانب مائل ہوگا اور اس سے معانقہ کرے گا، اور اگر اس کو اپنے حیز میں نہ دیکھے گا تو غافل ہوکر اس سے تسلی حاصل کرلے گا اور تصرف میں ہمزہ عام ہے یعنی اس میں تصرف یعنی اس کے استعمال کرنے کے لحاظ سے اس کے مواضع استعمال میں زیادہ ھل میں تصرف سے تو کہے ازید اضربت

بنی آدم پر کوئی زمانہ اس زمانہ دمانہ سے کہ اس زمانہ میں وہ کچھ بھی نہ ہو پس جب کہ اس کی اصل قد ہے اور وہ فعل کے لوازم میں سے ہے پس اگر کلمہ ہل اپنے تحت میں فعل کو دیکھے گا تو اپنے زمانوں اور اشتیاق کے ساتھ یاد کرے گا اور مالوف دوست کی طرف مشتاق ہوگا اور اس سے گلے ملنا چاہے گا اور اگر وہ اپنے تحت میں فعل کو نہیں دیکھے گا تو اس سے غافل رہتے ہوئے تسلی اور مطمئن و ساکن رہے گا عہود عہد کی جمع بمعنی زمانہ اور وہ منزل جس کی طرف ہمیشہ لوٹتے ہیں اور الحمیٰ بفتح الحاء المہملہ وسکون المیم بمعنی اشتیاق اور بمعنی چراگاہ اور اس میں بارنی کے معنی میں ہے اور حنت حاء مہملہ اور تخفیف نون کے ساتھ میل کے معنی میں ہے مالت یعنی مائل ہوا۔ حنا یحنو حنواً نون کی تشدید کے ساتھ یا حن یحن حناً سے بنا ہے بمعنی مشتاق ہونا۔ الالف بکسر الہمزۃ وسکون اللام بمعنی محبت وحبیب صاحب المعانقہ گلے ملنا ماخوذ

عنق بمعنی گردن اتسلی سکون ذاہل عافل ذہول سے غافل ہونا یعنی اگر کلمہ ہل فعل کو اپنے تحت دیکھے گا تو اپنے ان زمانوں اور وقتوں کو یاد کریگا جس وقت چراگاہ میں تھا اور یاد کریگا اپنے ایسے دوست کو کہ اس کے ساتھ الفت رکھتا تھا اور اس سے گلے ملے گا اور اگر کلمہ ہل اپنے تحت فعل کو نہیں دیکھے گا تو اپنے کو تسلی دیگا اور اس مالوف دوست اس سے اس حالت میں غافل ہوجائے گا معلوم ہوکہ شارح کی یہ دلیل شعری ہے۔

قولہ والہمزۃ اعم تصرفاً یعنی ہمزہ تصرف کے اعتبار سے اعم ہے یہاں پر اعمیت (اعم ہونا) شمول کے معنی میں اور مصطلح معنی میں یہاں پر اعمیت نہیں ہے پس شارح کی عبارت کے یہ معنی ہیں کہ ہمزہ کا استعمال اس کے استعمالات کے مواضع میں ہل کے استعمال سے بہت زیادہ جس ہل کے استعمالات کے مواضع میں فاضل حلوانی یہ بیان کیا کہ

ظاہر یہ ہے کہ یہاں اعمیت مطلقاً ہے اور مصنف کا یہ کہنا کہ ہمزہ باعتبار تصرف کے اعم ہے ہل سے اس وقت درست رہتا ہے اگر ہل کے لئے خواص نہ ہوتے حالاں کہ ایسا نہیں بلکہ ہل کے لئے بھی خصائص ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ھل اثبات میں تقریر کیلئے آتا ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ فاء پر فاء اور واو اور ثم داخل ہوتا ہے اور ہمزہ پر ان میں سے کوئی داخل نہیں ہوتا اس وجہ سے ظاہر کو چھوڑنا اور اعمیت کو اعمیت من وجہ پر حمل کرنا ضروری ہے لیکن اس کا یہ قول کچھ نہیں معلوم ہوکہ مصنف نے تصرف کو ہمزہ کی طرف مسند کردیا اپنے اس قول والہمزۃ اعم تصرفا یعنی ہمزہ کا تصرف اعم ہے باوجودیکہ ہمزہ حقیقۃً متصرف نہیں ہے اسی وجہ سے شارح اس کی تفسیر اپنے قول ای التصرف فیہا الخ سے کردی یعنی ہمزہ میں متکلم کا تصرف ہمزہ کے مواضع استعمالات میں ہمزہ کے استعمال کے اعتبار سے اس تصرف سے اکثر ہے جو تصرف کہ متکلم ہل میں کرتا ہے اس کے استعمال کے اعتبار سے اس کے مواضع استعمال میں اس کے بعد معلوم ہوکہ وہ شمول جو عموم سے مستفاد ہورہا ہے وہ شمول باعتبار استعمال کے ہے اور مواد کے اعتبار سے جو شمول ہے وہ مراد نہیں ہے اس طور پر کہ ہمزہ کے واقع میں ہل کے مواد سے زیادہ ہو اور فاضل حلوانی مصنف کی عبارت کا یہ مطلب بیان کیا کہ ہمزہ کا تصرف جملوں

تقول ازید اضربت بادخال الهمزة على الاسم مع وجود الفعل بخلاف هل زيداً ضربت لما عرفت وتقول اتضرب زيداً وهو اخوك باستعمال الهمزة لاثبات ما دخلت عليه على وجه الانكار دون هل تضرب زيداً لان المستفهم عنه فی مثل هذا الموضع محذوف بالحقيقة لان اصله اترضى بضربك زيداً وهو غير مستحسن منك وهل ضعيف في الاستفهام فلا يحذف فعلها بخلاف الهمزة فانها قوية فيه وتقول ازيد عندك ام عمرو

اسم پر ہمزہ داخل کر کے فعل کے موجود ہونے کے ساتھ بخلاف ہل زیداً ضربت کے جیسا کہ تو سابق میں جان چکا ہے اور تو کہے اتضرب زیداً وہو اخوک ہمزہ کو استعمال کر کے ثابت کرنے کے لئے جس پر وہ داخل ہے انکار کے طریق پر نہیں کہہ سکتا ہل تضرب زیداً وہو غیر مستحسن منک اور ہل استفہام کے موقع پر ضعیف ہے پس اس کا فعل حذف نہ کیا جائے گا بخلاف ہمزہ کے کیوں کہ وہ اس میں قوی ہے اور تو

میں شامل ہوا ہے۔ ہمزہ کے دخول کو ہر جملہ پر اور ہمزہ کا تصرف ان سب جملوں میں شامل ہوا ہے بخلاف ہل کے کہ وہ بعض جملوں پر داخل ہو اس وجہ سے صرف انہیں جملہ پر تصرف کرتا ہے حلوانی جو یہ بیان کیا وہ کچھ نہیں ہے قولِ ای التصرف الخ سے شارح نے یہ بتادیا کہ تصرفاً نسبت سے تمیز ہے اور اس کے معنی ہے متکلم کا تصرف ہمزہ میں اور اس کے معنی یہ نہیں کہ کسی شئی میں ہمزہ کا تصرف اور شارح نے یہ جو فرمایا باعتبار استعمالہا اس سے یہ بتاتے ہیں کہ متکلم کا ہمزہ اس کے استعمال کے اعتبار سے نہ کہ اس کی ذات کے اعتبار سے یعنی ہمزہ کی ذات میں متکلم کا کوئی تصرف نہیں بلکہ اس کے استعمال میں ہے۔

قولہ تقول ازیداً ضربت یعنی ہمزہ اسم پر داخل کیا جاسکتا ہے باوجودیکہ وہاں فعل ہے بخلاف ہل کے جب وہاں فعل ہو تو وہ ہل اسم پر داخل نہیں کیا جاسکتا اسی وجہ سے جس کو ابھی بتا کر آئے ہیں کہ جملہ اسمیہ پر ہل داخل نہیں ہوگا جس کی خبر فعل ہو۔

قولہ وتقول اتضرب زیداً وہو اخوک یعنی ہمزہ کا استعمال انکار طریقہ پر اس کے اثبات کے لئے ہوسکتا ہے جس پر ہمزہ داخل ہو رہا ہے جیسے اس مثال اتضرب زیداً وہو اخوک اب یہ انکار ملامت کے لئے ہے تو اس وقت معنی ہے زید کو تیرا مارنا جب کہ وہ تیرا بھائی ہے یا تکذیب کے واسطے ہے اور اس وقت معنی ہے ضرب زید نہیں ہوگی جب کہ وہ تیرا بھائی ہے اور ہل تضرب زیداً وہو اخوک نہیں بولا جاوے گا چونکہ اس جیسے جگہ میں وہ شئی جس کے متعلق استفہام ہو رہا ہے حقیقت محذوف ہے اس لئے کہ اس کی اصل ہے اترضی بضربک زیداً وہو غیر مستحسن منک کیا تو پسند کرتا ہے زید کے مارنے کو حتی کہ حالانکہ وہ مارنا تیرا اچھا نہیں" پس مستفہم منہ محذوف ہے وہ رضا ہے اور اس میں انکار لوٹا ہے نہ تکذیباً اور ہل استفہام میں ضعیف ہے اس وجہ سے اس کے فعل کو حذف نہیں کیا جاوے گا بخلاف ہمزہ کے کہ وہ استفہام میں قوی ہے پس اس کا فعل محذوف ہوسکتا ہے

قولہ وتقول ازید عندک ام عمرو اس کی ہمزہ کو ام متصلہ کا معادل بنا دینے کے ساتھ ہمزہ کو استعمال کیا یہ درست ہے اس لئے کہ جب کہ دو امروں میں سے ایک کے استفہام کا قصد کیا تو مستفہم عنہ متعدد ہو گئے پس ایسے ہمزہ کا استعمال جو کہ باب استفہام میں اصل ہے اور نہ اس میں اقوی پس ام کے استعمال سے جو نہ استفہام میں اصل ہے اور نہ اس میں اقوی پس ام متصلہ کا معادل ہمزہ کو بنا نا صحیح ہوگا اور ام متصلہ کا معادل ہل کو بنانا صحیح نہیں ہوگا اس وجہ سے ہل عندک زید ام عمرو بولنا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ ام کے بعد مفرد کا واقع ہونا ام کے اتصال کی دلیل ہے اور ام متصلہ احد الامرین کی تعیین کو طلب کرتا ہے اس

او يجعل الهمزة معادلة لام المتصلة فانه لما قصد الاستفهام عن احد الامرين تعدد المستفهم عنه فاستعمال الهمزة التي هي الاصل في باب الاستفهام الاقوى فيه انسب اليق وتقع هل مع ام المنقطعة لان المستفهم عنه في صورة ام المنقطعة لم يتعدد لانها للاضراب عن السوال الاول والاستيناف سوال آخر بام المقدرة بالهمزة فان قولك هل اعندك عمرو تقول اثم اذا ما وقع وافمن كان وا ومن كان بادخال الهمزة على ثم والفاء والواو من الحروف العاطفة بخلاف

کہے ازید عندک ام عمرو یا پھر ہمزہ کو ام متصلہ کے برابر قرار دیا جائے کیوں کہ جب احد الامرین سے استفہام کا ارادہ کیا گیا تو مستفہم عنہ (جس کا استفہام کیا گیا ہے) متعدد ہو گیا پس ہمزہ کا استعمال جو کہ ہمزہ کے باب میں اصل ہے اور اس میں اقوی بھی ہے۔ زیادہ مناسب اور لائق ہے اور واقع ہوتا ہے ھل ام منقطعہ کے ساتھ کیوں کہ مستفہم عنہ ام منقطعہ کی صورت میں متعدد نہیں ہوا کیوں کہ وہ سوال اول سے اعراض کرنے اور سوال آخر کے ازسر نو شروع کرنے کیلئے آتا ہے ام مقدرہ کے ذریعہ ہمزہ کے ساتھ کیوں کہ تیرا قول ھل زید عندک ام عمرو بل اعندک عمرو کے معنی میں ہے اور تو کہے اثم اذا ما وقع اور افمن کان اور اومن کان ہمزہ داخل کرکے ثم، فاء اور واو عاطفہ پر

اس بات کے علم کے ساتھ ساتھ کہ اصل حکم ثابت ہے پس وہ نفس حکم کی تصدیق کے بعد تصور کے طلب کے لئے ہوگا اور ھل صرف طلب تصدیق کے لئے آتا ہے پس ام متصلہ اور ہل دونوں کے درمیان تدافع ہوگا۔

قولہ وتقع ہل مع ام المنقطعۃ الخ شارح کی یہ عبارت ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ ھل بھی اس استفہام کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے جو ام کا معادل ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ

ہل ام منقطعہ کے ساتھ واقع ہوتا ہے کیونکہ ام منقطعہ کی صورت میں مستفہم عنہ متعدد نہیں ہوتا کیوں کہ ام منقطعہ پہلے سوال سے اضراب دوسرے سوال سے استیناف کیلئے ہوتا ہے بذریعہ ام کے جو بل اور ہمزہ کے ساتھ مؤول ہے چنانچہ تمہارا قول ھل زید عندک ام عمرو بل اعندک عمرو کی تاویل میں ہے۔

قولہ وتقول اثم اذا ما وقع الخ یعنی اثم اذا ما وقع اور افمن کان اور اومن کان تم بول سکتے ہو کہ ہمزہ کو ثم اور فاء اور واو پر داخل کرکے جو کہ حروف عاطفہ سے ہیں اور ہل کو ان حروف عاطفہ پر داخل کرکے ہل اذا ما وقع اور ہل فمن کان اور ہل ومن کان نہیں بول سکتے چوں کہ ہل ہمزہ کی فرع کی فرع ہے اس وجہ سے ہمزہ کے تصرف کے مانند اس میں تصرف نہیں ہوگا معلوم ہو کہ شارح کا قول لکونہا فرع الہمزۃ کے ہمزہ کے تمام خصائص مذکورہ کے ساتھ متعلق ہے اور صرف اخیر کے ساتھ متعلق نہیں ہے نیز معلوم ہو کہ مصنفؒ کا یہ قول اثم اذا ما وقع الخ اس سے تین آیتوں کی طرف اشارہ ہے (۱) قولہ تعالیٰ اثم اذا ما وقع الخ اس سے قولہ تعالیٰ افمن کان علیٰ بینۃ من ربہ (۳) قولہ تعالےٰ اومن کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات پس عاطف کا مدخول جمہور کے نزدیک سابق پر معطوف ہے اور زمخشری کے نزدیک مقدر پر معطوف ہے اول کی تقدیر ہے اذا جاء وقت العذاب وقع اثم اذا ما وقع اٰمنتم بہ اور ثانی کی تقدیر ہے امن کان مؤمناً لمن کان فاسقاً افمن علیٰ بینۃ کمن لیس ذلک اور ایسے ہی ثالث کی تقدیر پس جمہور کے نزدیک ہمزہ اصل میں عاطف کے بعد ہے پھر وہ مقدم کردیا گیا اور زمخشری کے نزدیک ہمزہ ان سب جگہوں پر اپنے اصل محل میں واقع ہے اور معطوف علیہ ہمزہ اور عاطف کے درمیان مقدر کیا جاوے گا۔

قولہ حروف الشرط الخ شرط کے حروف کل تین ہیں ایک ان بکسر الہمزۃ وسکون

هل لکونہا فرع الہمزة فلا یتصرف تصرفہا حروف الشرط ان ولو واما لہا صدر الکلام لما مر فان للاستقبال وان دخلت علی الماضی ولو عکسہ یعنی للماضی وان دخلت علی المستقبل وفی بعض النسخ فان للاستقبال ولو للماضی ومعناہ ان ان للاستقبال سواء دخلت علی المضارع والماضی نحو ان تکرمنی اکرمک وان اکرمتنی اکرمتک فمعنی المثال الثانی بعینہ معنی المثال الاول یعنی ان وقع منک اکرامی فی الاستقبال وقع منی ایضا اکرامک فیہ ولکن لو للماضی علیٰ

بخلاف ہل کے کیوں کہ وہ ہمزہ کی فرع ہے اور حروف شرط ان، لو اور اما ہیں ان کے لئے صدر کلام ہے جیسا کہ گذر چکا ہے پس ان استقبال کے لئے ہے اگرچہ وہ ماضی پر داخل ہو اور حرف لو اس کا عکس ہے یعنی ماضی کے لئے ہے اگرچہ وہ مستقبل پر داخل ہو اور بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ فان للاستقبال ولو للماضی دلیعنی پس ان استقبال کے لئے آتا ہے اور لو ماضی کے لئے اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ بیشک ان استقبال کے لئے آتا ہے اگرچہ برابر ہے کہ وہ مضارع پر داخل ہو یا ماضی پر جیسے ان تکرمنی اکرمک اور ان اکرمتنی اکرمتک پس مثال ثانی کے معنی بعینہ مثال اول کے معنی میں یعنی اگر تیری جانب سے میرا اکرام واقع ہوا استقبال میں تو میری جانب سے بھی تیرا اکرام اس میں واقع ہوگا اور اسی طرح لو ماضی کے لئے آتا ہے دونوں میں سے جس پر

پر داخل ہوئے یعنی اس کا دخول خواہ مضارع پر ہو یا ماضی پر ہو زمان استقبال میں حصول کا فائدہ دیگا جیسے ان تکرمنی اکرمک اور جیسے ان اکرمتنی اکرمتک دوسری مثال کے معنی بعینہ وہی ہیں جو پہلی مثال کے معنی ہے یعنی اگر تیرا میری عظمت کرنا زمان استقبال میں ہو تو میرا تیری عظمت کرنا بھی زمان استقبال میں واقع ہوگا ابد بعض نسخوں میں اس طرح عبارت ہے فان للاستقبال ولو للماضی ابد اس کا

النون اور دوسرا لو اور تیسرا اما بفتح الہمزة وتشدید اور شرط کے الزام الشئ ہے یعنی شئ کو لازم کرنا اور چپٹانا اس کے بعد اس کو اصطلاح میں نقل کر لیا اور شرط کے معنی اصطلاح میں ایک جملہ کے مضمون کے حصول کو دوسرے جملہ کے مضمون کے حصول کے ساتھ متعلق کرنا پس حروف الشرط کے یہ معنی ہوئے کہ وہ حروف جو دلالت کرتے ہیں اس تعلق مذکور پر ان اور لو اور اما ہے اس معنی پر عطف ربط پر مقدم ہے اور یہ بھی جائز ہے ......

حروف الشرط مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو یعنی حروف الشرط ثلثة، شرط کے حروف تین ہیں اس معنی پر ان اور لو اور اما یا تو خبر سے بدل ہے یا مبتد المحذوف کی خبر ہے یعنی احدہا اور ثانیہا لو اور ثالثہا اما — قولہ لہا صدر الکلام لما مر اور ان کے لئے کلام صدر یعنی اول ہے یعنی کلام کے شروع ہی میں داخل ہوتے جس کی وجہ گذر چکی ہے یعنی اس لیئے یہ کلام کی صدارت کو چاہتے ہیں تاکہ کلام کی نوعوں میں سے ایک نوع پر دلالت کرے پس ان حروف کی تقدیم واجب ہے تاکہ اول ہی میں یہ دلالت کریں کہ کلام اس نوع میں ہے اسی وجہ سے ان کا ماقبل ان کے مابعد میں عمل نہیں کریگا ایسے ہی ان کا مابعد ان کے ماقبل میں عمل نہیں کرے گا اور اسی وجہ سے یہ حروف صرف اس فعل پر داخل ہوں گے جو کسی حرف سے شروع نہ کیا گیا ہو لا اور لم کو چھوڑ کر رہا ان کا داخل ہونا اس فعل پر جو لا یا لم سے شروع کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لا اور لم فعل کے ... ساتھ ممتزج ہو جاتے ہیں اس طور سے گویا کہ وہ فعل کے اجزاء سے ہیں معلوم ہو کہ وہ الفاظ جو معنی شرط کو متضمن ہوتے ہیں بہت ہیں جیسے متی اور کلما اور ان کے علاوہ۔

قولہ فان للاستقبال الخ اب یہاں سے مصنف حروف شرط کی تفصیل بیان کرتے ہیں پس کہتے ہیں کلمہ ان جو کہ حروف شرط سے ہے استقبال کیلئے موضوع ہے اگرچہ ماضی

ایہما دخلت نحو لو ضربت ضربت ولو تضرب اضرب بمعنیً واحدٍ ای لو وقع منک ضربی فی الماضی نقل وقع منی ضربک ایضاً فیہ وقد تستعمل کان فی المستقبل نحو قولہ تعم ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم واعلم ان المشہور ان لو لانتفاء الثانی لانتفاء الاول وھذا لازم معناہ فانہا موضوعۃ لتعلیق حصول امر فی الماضی بحصول امر اٰخر مقدر فیہ وما کان حصولہ مقدراً فی الماضی کان

بھی داخل ہو جیسے لو ضربت ضربت ولو تضرب اضرب ایک ہی معنی میں ہے یعنی اگر واقع ہوئی تیری جانب سے مجھ پر مار زمانہ ماضی میں پس تحقیق کہ واقع ہوگی میرے جانب سے ضرب اس میں اور کبھی ان کی طرح استقبال میں استعمال کر لیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم اور جان تو کہ مشہور یہ ہے کہ لو انتفاء ثانی کے لئے آتا ہے انتفاء اول کی وجہ سے اور یہ اس کے لازم معنی میں کیوں کہ وہ وضع کیا گیا ہے کسی امر کے حصول کو معلق کرنے کے لئے ماضی میں دوسرے امر کے حصول کے ساتھ جس کا حصول اسی میں مقدر کیا گیا ہے اور وہ جس کا

مطلب یہ ہے کہ جیسے ان استقبال کیلئے ہے خواہ مضارع پر داخل ہو یا ماضی پر جیسا کہ اس کی مثالیں گذریں اور اسی طرح لو ماضی کیلئے ہے ان دونوں مضارع یا ماضی میں سے جو نسے پر لو داخل ہو تو وہ ماضی کیلئے ہے جیسے لو ضربت ضربت اور لو تضرب اضرب دونوں مثالوں کے ایک معنی ہیں یعنی اگر میرا مارنا تیرے زمانہ ماضی میں واقع ہو تو میری جانب سے بھی تیرا مارنا زمانہ ماضی میں ہوگا۔

قولہ وقد تستعمل کان الخ یعنی کبھی لو ان کی طرح مستقبل میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس قول لامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم میں لو استقبال کیلئے ان کی طرح یعنی مؤمن باندی مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تم کو تعجب میں ڈالے گی پس اس میں اعجبتکم ماضی مضارع کے معنی میں ہے اعجاب کے معنی تعجب میں ڈالنا اور شوق میں لانے کے ہیں

قولہ واعلم ان المشہور الخ معلوم ہو کہ مشہور یہ ہے کہ لو ثانی کے انتفاء کیلئے اول کے انتفاء کی وجہ سے یعنی دوسرا امر موجود میں نہیں آیا چوں کہ پہلا امر وجود میں نہیں آیا لو کے یہ معنی مشہور اور یہ معنی لو کے معنی کے لازم ہیں یعنی لو کے معنی موضوع لہ کے لئے یہ معنی لازم ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کیوں کہ لو کے سوا جتنے اور حروف شرط ہیں سب تعلیق کے لئے موضوع ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ لو بھی تعلیق کیلئے موضوع ہے اور ان سب کو حروف الشرط سے تعبیر کرنا قوی کرتا ہے اس لئے کہ شرط جس کے معنی ہے تعلیق حصول مضمون الجملۃ یعنی حصول مضمون الجزاء بحصول مضمون الشرط حروف کا مضاف الیہ بنا کر ذکر کیا ہے پس یہ لو موضوع ہوا کہ ماضی میں ایک امر کے حصول کو ایسے دوسرے امر کے حصول پر جو اس زمانہ میں مفروض مقدر ہے معلق کر دیا پس یہ دوسرا امر جس کے مفروض حصول پر معلق کیا شرط ہوگا اور جس کے حصول کو معلق کیا جزاء ہوگا ۔ اور جس کا حصول زمانہ ماضی میں مفروض اور مقدر یعنی جس کے حصول کو زمانہ ماضی میں فرض کر رکھا ہے یقیناً وہ اس زمانہ ماضی میں منتفی ہوگا یعنی حقیقت میں موجود نہیں ہوگا پس اس کے انتفاء اور موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کا بھی وجود نہیں ہوگا اور وہ بھی منتفی ہوگا جس کو معلق کیا یعنی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جزاء بھی حاصل اور موجود نہیں ہوگا پس اول کے نہ ہونے کی وجہ سے ثانی نہیں ہوا اور منتفی ہوگیا پس یہ معنی لو کے اصلی معنی کے لازم ہوئے پس جب تم نے یہ کہا لو جئتنی لاکرمتک تو تم نے زمانہ ماضی میں اکرام کے حصول کو ایسی مجی (آنا) کے حصول پر معلق کر دیا جو زمانہ ماضی میں فرض کیا گیا پس یہ مطابق معنی مخصوص تعلیق ہے اور دونوں امروں کا انتفاء اور امتناع

منتفیا فیه قطعاً فیلزم لاجل انتفائه انتفاء ما علق به ایضاً فاذا قلت مثلا لو جئتنی لاکرمتك فقد علقت حصول الاکرام فی الماضی بحصول مجیئ مقدر فیه فیلزم انتفاؤهما معاً وکون انتفاء الاکرام مسبباً لانتفاء المجیئ فی زعم المتکلم واستعمال لو بهذا المعنی هو الکثیر المتعارف وقد تستعمل علی قصد لزوم الثانی للاول مع انتفاء اللازم لیستدل به علی انتفاء الملزوم کقوله تعالیٰ لوکان فیهما آلهة الا الله لفسدتا فان لو ههنا تدل علی لزوم الفساد لتعدد

حصول زمانہ ماضی میں مقدر ہے وہ اس میں قطعاً منتفی ہوتا ہے پس اس کے انتفاء کی وجہ سے جس پر وہ معلق کیا گیا ہے اس کا منتفی ہونا لازم ہے پس مثلاً جب تو نے کہا لو جئتنی لاکرمتک تو تو نے معلق کیا ہے اکرام کے حصول کو ماضی میں اس مجیئت کے حصول پر جس کا پایا جانا اسی زمانہ ماضی میں مقدر تھا لہٰذا پس دونوں کا انتفاء ایک ساتھ لازم آتا ہے اور اکرام کے انتفاء مسبب ہونا مجیئت کے انتفاء کے لئے متکلم کے گمان میں اور لو کا استعمال ان معنی میں کثیر بھی ہے اور متعارف بھی اور کبھی استعمال کیا جاتا ہے ثانی کے لازم ہونے کے قصد پر اول کے لئے اول کے انتفاء کے ساتھ تاکہ اس کے ذریعہ استدلال کیا جائے ملزوم کے انتفاء پر جیسے اللہ تعالیٰ کا قول لو کان فیہما آلھۃ الا اللہ لفسدتا اللہ کے سوا اگر آسمان و زمین میں کوئی دوسرا معبود ہوتا تو دونوں فاسد ہو جاتے پس بیشک اس مقام پر لو فساد کے لزوم پر دلالت کرتا ہے تعدد آلہہ کے لئے اور اس

کا سبب ہونا امتناع کے واسطے یہ التزامی مدلول ہے اور جب کہ مخاطب کو دونوں انتفاء معلوم ہیں اور مفروض حصول کے ساتھ حصول کو معلق کرنا بنفسہ مقصود نہیں ہے چوں کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ سببیت کے افادہ کے واسطے مقصود ہے اس وجہ سے انہوں نے کہا کہ لو ثانی کے امتناع کے واسطے اول کے امتناع کی وجہ سے پس جو معنی مطابقی سے مقصود ہے اس کو معنی مطابقی کے جگہ میں رکھدیا

قولہ فیلزم انتفاؤهما معاً لیس انی دونوں کا انتفاء ایک ساتھ لازم آویگا پس یہ لازم آویگا کہ اکرام کا انتفاء مجیٔ کے انتفاء کے واسطے مسبب ہے اور یہ اس وجہ سے کہ تم نے جان لیا ہے کہ وہ تعلیق جو لو کے معنی میں معتبر ہے وہ ہے جو توقف کے طور پر ہو اگرچہ وہ متکلم کے زعم اور گمان کے اعتبار یا اس کے ادعاء کے اعتبار سے ہو اور بلاشک موقوف علیہ کا انتفاء ایسا سبب ہے کہ وہ موقوف کے انتفاء کو مستلزم ہے پس شارح کے قول فی زعم المتکلم اس بات کی طرف ایماء ہے کہ لو کے معنی میں معتبر وہ سببیت ہے جو متکلم کے اعتقاد اور اس کے ادعاء کے اعتبار سے ہو خواہ وہ واقع کے موافق ہو یا واقع کے موافق نہ ہو پس فاضل حلوانی نے جو اعتراض کیا وہ وارد نہیں ہوگا انکا اعتراض یہ ہے کہ اگر بجسب ادعاء المتکلم کہتے تو یہ اولیٰ تھا لیکن اولویت کی وجہ غیر ظاہر ہے معلوم ہو کہ فی زعم قولہ مسبباً کے متعلق ہے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ثانی

کا نفس الامر میں مسبب ہونا لازم نہیں آتا شارح فرماتے ہیں اس معنی مذکور میں لو کثیر متعارف ہے۔

قولہ وقد تستعمل علی قصد لزوم الثانی الخ اور کبھی لو اس معنی میں استعمال کیا جاتا ہے کہ اول کے واسطے ثانی کے لزوم کا قصد کرنا لازم کے انتفاء کے ساتھ تاکہ اس کے ساتھ ملزوم کا منتفی ہونا اور موجود

نہ ہونے پر استدلال کیا جائے شارح قدس سرہ تستعمل لفظ سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ لو کے یہ معنی مجازی ہیں کیوں کہ تعلیق کا لزوم لازم ہے اور اس پر دلیل کہ وہ معنی مجازی ہیں اس میں استعمال کا قلیل ہونا اور تعلیق مخصوص معنی متبادر ہیں اور اسی طرح معنی مجازی ہیں کیونکہ تعلیق کا لزوم لازم ہے اور اسکو ردلیل کردہ

الآلهة وعلى ان الفساد منتف فيعلم من ذلك انتفاء التعدد ومن هٰذا الاستعمال توهم المصنف ان لو لانتفاء الاول لانتفاء الثاني وخطّأ عكسه المشهور ولم يدر ان ما ذكره معنى يقصد اليه في مقام

بات پر بھی کہ فساد منتفی ہے پس اس سے تعدد کا انتفاء معلوم ہو جاتا ہے اور اس استعمال کی بنا پر مصنف نے وہم کر لیا کہ بیشک انتفاء اول کے لئے آتا انتفاء ثانی کی وجہ سے اور اس میں اس نے خطا کی ہے اس کے مشہور عکس سے (یعنی اسکے استعمال مشہور سے خطا کی) اور اس نے نہیں جانا کہ جو اس نے ذکر کیا ہے یہ ایسے معنی

معنی مجازی ہیں اس میں استعمال کا قلیل ہونا اور تعلیق مخصوص معنی متبادر ہیں اور اسی طرح معنی مجازی ہیں اور حق وہ ہے جس کی طرف سلو یون گیا ہے قاضی بیضاوی رح اس کو اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے کہ یہ لو قدر مشترک کیلئے موضوع ہے اور وہ تعلیق اشتراک اور حقیقت مجاز کیلئے دفع کرنے کی غرض سے اور اس ایک فرد متبادر ہے اور اس کے استعمال سے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے منافی نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے وجود میں کہا اور اس معنی کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا اگر ان دونوں (آسمان اور زمین) میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو وہ دونوں فاسد ہو جاتے پس اس قولہ تعالیٰ میں لو آلہۃ (معبودوں) کے متعدد ہونے پر فساد کے لازم آنے پر دلالت کرتا ہے کہ اگر معبود متعدد ایک سے زیادہ ہو تو زمین آسمانوں کا فساد لازم آئے گا اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ فساد منتفی ہے پس اس سے جانا جاتا ہے کہ ایک سے زیادہ کا معبود ہونا بھی منتفی ہے پس مع الانتفاء لزوم کے متعلق ہے پس لو کا مدلول لزوم مع انتفاء لازم ہو گا پس وہ لزوم جو لازم کے انتفاء کے ساتھ مقارن ہے اس ملزوم کے انتفاء پر استدلال کیا جاویگا پس اس وجہ سے تالی کے استثناء کی طرف احتیاج نہ ہو گی اور مقدم کا استثناء درست نہ ہو گا یعنی اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا الٰہہ (معبودوں) ہوں تو معبودوں کی رائے کے اختلاف کی وجہ سے فساد لازم آویگا جو کہ منتفی ہے اس وجہ سے معبودوں کا تعدد منتفی ہے پس فساد کے انتفاء سے تعدد الٰہہ کا انتفاء معلوم ہو جاتا ہے جو کہ ملزوم ہے اس لئے کہ لازم کا انتفاء ملزوم کے انتفاء کو مستلزم ہے۔

قولہ ومن ہذا الاستعمال الخ یعنی لو کے استعمال مذکور سے اس بات کا وہم ہو گیا کہ لو ثانی کے انتفاء کی وجہ سے اول کے انتفاء کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا جب فساد منتفی ہوا تو تعدد منتفی ہو گیا پس مصنف نے یہ اعتقاد کر لیا کہ لو اول کے انتفاء کے واسطے ہے ثانی کے انتفاء کی وجہ سے اور مصنف اس کے عکس ایسے کو جو کہ مشہور ہے کہ لو ثانی کے انتفاء کے واسطے اول کے انتفاء کی وجہ سے اسکو غلط اور خطا قرار دیا کیوں کہ لو کے مشہور معنی کے ماننے پر مقدم ملزوم یا سبب ہو گا اور جزا مسبب یا لازم اور ملزوم کے انتفاء سے لازم کا انتفاء لازم نہیں آتا ہے اور نہ مسبب کے انتفاء سے سبب کا انتفاء لازم آتا ہے کیوں کہ مسبب کی طرح لازم کبھی اعم ہوتا ہے بخلاف لازم کا انتفاء ملزوم کے انتفاء کو مستلزم ہے کیوں کہ لازم یا اعم ہو گا یا مساوی ہو گا اور دونوں تقدیروں پر ملزوم کے انتفاء کو مستلزم ہو گا اسی طرح مسبب کا انتفاء سبب کے انتفاء کو مستلزم ہے کیوں کہ مسبب بھی یا اعم ہو گا یا مساوی ہو گا اور اعم کا انتفاء خاص کے انتفاء کو واجب کرتا ہے نہ اس کا عکس اور متساویوں میں سے ایک انتفاء دوسرے کے انتفاء کو واجب کرتا ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شئی کے اسباب متعدد مختلف ہوں جیسے اشراق کے واسطے شمس اور نار سبب ہے پس سبب کا انتفاء مسبب کے انتفاء کو واجب نہیں اور مسبب کا انتفاء سبب کے انتفاء کو واجب کرتا ہے

قولہ ولم یدر ان ما ذکرہ یعنی مصنف نے یہ وہم کر کے کہ لو ثانی کے انتفاء کی وجہ سے اول کے انتفاء کے واسطے اس

الاستدلال بانتفاء اللازم المعلوم على انتفاء الملزوم المجهول وان المعنى المشهور بيان سببية احد انتفائين معلومين للاخر بحسب الواقع فلا يتصور هناك الاستدلال فانك اذا قلت لو جئتني لاكرمتك لم تقصد ان تعلم المخاطب انتفاء المجئ من انتفاء الاكرام كيف و كلا الانتفائين معلوم له بل قصدت اعلامه بان انتفاء الاكرام مستند الى انتفاء المجئ ولها استعمال ثالث وهو ان يقصد بيان استمرار شئ فيربط ذلك الشئ بابعد النقيضين منه كقولك لو

ہیں کہ جن کا قصد اس کے استدلال کے موقع پر کیا جاتا ہے لازم معلوم کے انتفار سے ملزوم مجہول کے انتفار پر اور بیشک معنی مشہور دو منتفی معلوم میں سے ایک دوسرے منتفی ہونے کے سبب کو بیان کرنا ہے واقع کے اعتبار سے لہذا یہاں استدلال صادق نہیں آتا کیوں کہ جب تونے کہا لو جئتنی لاکرمتک تو تو نے ارادہ نہیں کیا کہ تو مخاطب کو بتلائے کہ مجیئت کا نہ ہونا اکرام کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ دونوں کا انتفار اس کو معلوم ہے بلکہ تو نے ارادہ کیا ہے اسکو یہ بات بتلانے کا کہ اکرام کا انتفار مستند ہے مجیئت کے نہ پائے جانے کی طرف اور لو کے تین استعمال ہیں اول یہ کہ شئی کے استمرار کے بیان کا ارادہ کیا جائے پس یہ شئی مربوط ہوگی اس کے ابعد نقیضین کو جیسے تیرا قول لو اہانی

معنی کے عکس کو غلط قرار دیدیا اور مصنف یہ نہیں جانا کہ جو معنی کہ مصنف نے ذکر کئے یعنی لولا انتفار الثانی بہ ا ایسے معنی ہیں کہ جس کی طرف مقام استدلال میں قصد کیا جاتا ہے لازم معلوم کے انتفار کے سبب ملزوم مجہول کے انتفار اس آیت میں لازم معلوم فساد ہے یہ لازم معلوم منتفی ہے تعدد الہہ ملزوم مجہول ہے فساد لازم معلوم کا انتفار سبب میں کیا ملزوم مجہول یعنی تعدد الہہ کے انتفار کا اور مصنف نے یہ جانا کہ مشہور معنی استدلال میں نہیں ہے مشہور معنی دو معلوم انتفار میں سے ایک بحسب الواقع دوسرے کیلئے سبب ہونے کو بیان کرتا ہے یہ معنی علمار کے قول سے معلوم ہوتے ہیں وہ کہتے کہ لو جزا کے مضمون کے حصول شرط کے مضمون کے حصول کے ساتھ معلق کرنا ہے جو شرط کہ فرض کرلی گئی پس وہاں یعنی معنی مشہور میں متصور نہیں ہوتا کہ دو سببوں میں سے ایک معلوم ہے اور دوسرا مجہول ہے، پس اس معنی مشہور میں استدلال نہیں ہے چنانچہ جب تم یہ کہو لو جئتنی لاکرمتک اس میں تم نے مخاطب کو یہ بتانے کا قصد نہیں کیا کہ مجئ کا انتفار اکرام کے انتفار سے اور اس معنی کے بتانے کا کیسے قصد کیا جاسکتا ہے حالاں کہ مخاطب کو دونوں انتفار یعنی مجئ اور اکرام دونوں کا انتفار معلوم ہے بلکہ تم نے مخاطب کو یہ بتانے کا قصد کیا ہے اکرام کا انتفار مجئ کے مجئ کے انتفار کی طرف مستند ہے معلوم ہو کہ تقصد

مخاطب کا صیغہ ہے اور تعلم اعلام سے مخاطب کا صیغہ ہے اور المخاطب مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے یا یعلم صیغہ غائب معروف ہے اس المخاطب فاعلیت پر مرفوع ہے قولہ ولہا استعمال ثالث الخ یعنی لو کے واسطے ایک تیسرا استعمال ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شئی کے استمرار (یعنی برابر ہونے) کے بیان کا قصد کیا جاوے پس اس شئی کو اس کی دو نقیضوں جو سب سے زیادہ بعید نقیض اس کیسا تھ

مربوط کر دیا جاتا ہے جیسے اس مثال میں لو اہانی لاکرمتک پس اس مثال میں اکرام کے وجود کے استمرار (برابر ہونے) کے وجود کو بیان کرنا پس جب اہانت کو اکرام مستلزم ہے تو اکرام کو اکرام کیسے مستلزم نہ ہوگا۔ معلوم ہو کہ لبیان استمرار اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے یعنی اس مثال مذکور میں اکرام کے وجود کے مستمر ہونے کو بیان کرنا ہے کیوں کہ اہانت اکرام سے

اهانني لاكرمته لبيان استمرار وجود الاكرام فانه اذا استلزمت الاهانة الاكرام فكيف لا يستلزم الاكرام الاكرام وتلزمان اي ان ولو الفعل لفظاً كما مرّ من الامثلة او تقديراً نحو قوله تعالیٰ وان احد من المشركين استجارك ولو انتم تملكون اي وان استجارك احد ولو تملكون انتم فاحدٌ وانتم مرفوعان بانهما فاعلان لفعلين محذوفين يفسرهما الظاهر اما احد فظاهر واما انتم فلانه كان ضميراً مستتراً فلما حذف الفعل صار منفصلاً بارزاً

لاکرمتہ کرام کےوجود کے استمرار کو بیان کرنے کے لیے" اس لئے کہ جب تو نے اہانت کے بدلہ اکرام کا استلزام کیا ہے تو پس اکرام دوسرے اکرام کو مستلزم کیسے نہ ہوگا اور دونوں لازم ہوتے ہیں یعنی ان اور لو فعل کو لفظوں میں جیسا کہ ان کی مثالیں گذر چکی ہیں یا تقدیراً لازم آتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے وان احد من المشرکین استجارک اور اگر مشرکین میں سے کوئی امن طلب کرے اور لو انتم تملکون یعنی ان استجارک احد ولو تملکون انتم پس ان دونوں مثالوں میں احد اور انتم دونوں مرفوع ہیں بایں طور کہ دونوں دو محذوف فعلوں کے فاعل ہیں جن کی تفسیر ظاہر کر رہا ہے بہر حال احد تو ظاہر ہے اور بہر حال انتم تو اس لئے کہ وہ ضمیر مستتر کی شکل میں تھا پس جب فعل کو حذف کر دیا گیا تو وہ منفصل بارز

سے زیادہ و بعید نقیض پس اس کے مقابلہ میں جب اکرام مستمر ہے پس جب اہانت اکرام کے واسطے لازم ہے تو اکرام اکرام کیواسطے کیسے لازم نہیں ہوگا پس اکرام کے مقابلہ میں اکرام کا متحقق ہونا بطریق اولیٰ ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

قولہ وتلزمان الخ یعنی ان اور لو دونوں فعل کو لازم ہیں اب یہ فعل یا لفظاً ہوگا یعنی ملفوظ ہوگا جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہے یعنی شرط اور جزاء دونوں یا

تو ملفوظ فعل ہوتے ہیں اور ان کی جزاء کبھی جملہ اسمیہ ہوتی ہے اور لو کی جزاء فعل مجزوم بلم ہوتی ہے یا ایسی ماضی کہ اس کے اول میں مفتوح لام ہے اور لو کی جزاء کا حذف قلیل ہے مگر جب کہ لو ایسی شئی کے ساتھ ہو کہ اس شئی کے تحت میں صلہ ہے جیسے جاء نی الذی لو ضربتہ شکرنی یا شرط دراز ہوگئی ہو جیسے قولہ تعالیٰ ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام الآیۃ اور زمخشری اسطرف

گئے ہیں کہ لو کے جواب ہیں جملہ اسمیہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ولو انہم اٰمنوا واتقوا لمثوبۃ من عند اللہ خیر۔

قولہ تقدیراً یعنی ان اور لو دونوں فعل کو لازم ہیں اگر لفظاً نہ ہو تو وہاں تقدیراً ہوگا یعنی فعل مقدر نکالیں گے جیسے وان احد من المشرکین استجارک اور لو انتم تملکون اصل میں اسطرح پر تھے وان استجارک اور ولو انتم تملکون پس احد اور انتم دونوں اس بنا پر مرفوع ہیں کہ یہ دونوں دو محذوف فعل کے فاعل ہیں ان دونوں فعل کی تفسیر ظاہر فعل کر رہے ہیں بہر حال احد کے فعل کا محذوف کا فاعل ہونا ظاہر ہے اور بہر حال انتم یہ اسلئے فعل محذوف کا فاعل ہے کہ فعل محذوف میں ضمیر مستتر تھی پس جب فعل کو حذف کیا تو وہ ضمیر مستتر ضمیر بارز منفصل ہو گئی۔

قولہ اما انتم فلانہ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ انتم فعل محذوف کا فاعل نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ فاعل فعل محذوف میں ضمیر مستتر ہے پس جمع کی ضمیر جو تملکون میں ہے وہ اس کا فاعل ہے اور قولہ انتم اس ضمیر الجمع کی جو کہ فاعل ہے تاکید ہے پس شارح جواب دیا کہ قولہ انتم اصل میں ضمیر مستتر تھی پس جب فعل کو حذف کیا تو وہ ضمیر مستتر بارز منفصل بن گئی تو فعل تملکون بلا فاعل محذوف ہے وہ فاعل اس میں ضمیر مستتر تھی

ولیس تاکیداً لفاعل لفعل المحذوف لان حذف الفعل
والفاعل ابعد من حذف الفعل وحدہ ومن ثمہ ای ومن
اجل لزوم الفعل بعد ھما قیل بعد لو المحذوف فعلھما
انك بالفتح لا بالکسر لانہ ای ان مع معمولیہ فاعل
للفعل المقدر بعد لو والصالح للفاعلیۃ ھو ان المفتوحۃ
لا المکسورۃ وقیل انطلقت بالفعل ای بصیغۃ الفعل
موضع منطلق ای فی موضع یلیق ان یقع فیہ منطلق لان
الاصل فی خبر ان ھو الافراد لیکون الفعل المذکور موضع

ہو گیا اور یہ فعل محذوف کی تاکید نہیں ہے کیوں کہ فعل اور فاعل کا حذف کرنا تنہا
فعل کے حذف سے زیادہ بعید ہے اور اسی وجہ سے یعنی ان دونوں کے بعد
فعل کے لازم ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے بعد لو کے کہ جس کا فعل حذف کر دیا
گیا ہے انک کے فتحہ کے ساتھ نہ کہ کسرہ کے ساتھ اس وجہ سے کہ وہ اپنے
دونوں معمولوں کے ساتھ اس فعل کا فاعل ہے جو لو کے بعد مقدر ہے اور فاعل
بننے کیلئے ان مفتوحہ صلاحیت رکھتا ہے نہ کہ مکسورہ اور کہا گیا ہے انطلقت
فعل کے ساتھ یعنی صیغہ فعل کے ساتھ منطلق کی جگہ یعنی اس مقام میں کہ جہاں
منطلق مناسب تھا اس لئے کہ ان کی خبر میں اصل افراد ہے تاکہ ہو جائے
وہ فعل جو اسم فاعل کی جگہ ذکر کیا گیا ہے مانند مومن کے فعل محذوف

اور ان مکسورہ الہمزہ نہیں ہے اس وجہ
سے کہ جب لو کے بعد فعل کو حذف کردیا
گیا تو اس فعل محذوف کے واسطے فاعل
ہوگا اور فاعل صرف مفرد ہوتا ہے اس
وجہ سے ان کا فتح الہمزہ ہونا ضروری
ہے تاکہ لو کے اس مابعد کو مفرد کی تاویل
میں کرکے فاعل بنایا جا سکے اور چوں کہ
لو کے بعد فعل لازم ہے تو ایسے لو کے

بعد جس کے فعل کو حذف کر دیا گیا تو انک
انطلقت فعل کے صیغہ کے ساتھ بولا
جاتا ہے منطلق کی جگہ میں یعنی ایسی جگہ
میں جس میں منطلق واقع انطلقت
بولا جاتا ہے اور منطلق کا ایسی جگہ میں
واقع ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کی
خبر کے اندر اصل میں افراد ہے رہا یہ امر
کہ منطلق اسم مشتق کے واقع ہونے کی

چوں کہ فعل جس میں یہ مستتر ہوئی باقی
نہیں رہا اس وجہ سے ضمیر بارز منفصل
ہو گئی اور یہ اس پر مبنی ہے کہ تملکون میں
واو فاعل نہ ہو بلکہ فاعل کے واسطے
علامت ہو یہ اس آیت انتم ضمیر ہو گی
اور فعل کے حذف کے ساتھ وہ ضمیر
بارز متصل منفصل ہو گئی یہ اس آیت
انتم ضمیر مستتر یا ضمیر بارز متصل کی تاکید
نہیں یعنی فعل محذوف کے فاعل ضمیر
مستتر یا بارز متصل کی تاکید نہیں۔ اب
سوال ہوتا ہے کہ جب فعل حذف کیا
گیا تو فاعل کیوں حذف نہیں ہوا پس لان
حذف الفعل سے اس کا جواب دیا کہ
فعل اور فاعل دونوں کا حذف کرنا ابعد
ہے صرف فعل کے حذف کرنے سے
پس دلیل دلالت کرتی ہے کہ انتم فعل
محذوف کا فاعل ہے اور اس کی تاکید
نہیں ہے اگر ضمیر متصل کی ضمیر منفصل تاکید
ہو تو تقدیر یہ ہوگی لو تملکون انتم تملکون
اور اس وقت فعل اور فاعل دونوں کا
حذف صرف فعل کے حذف سے زیادہ
ہے اس وجہ سے وہ ابعد ہے۔
قولہ من ثم الخ چوں کہ ان اور لو
کے فعل لازم ہے اس وجہ سے ایسے لو
کے بعد جس کے فعل کو حذف کر دیا گیا
انک ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بولا جاتا
ہے نہ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ کیوں کہ
ان اپنے دونوں معمولوں سمیت اس
فعل کا فاعل ہے جو لو کے بعد مقدر ہے
اور جو فاعل ہونے کی صلاحیت اور
قابلیت رکھتا ہے وہ ان مفتوح الہمزہ

اسم الفاعل كالعوض من الفعل المحذوف فيقال لوانك انطلقت ولا يقال لوانك منطلق وانما قال كالعوض لان الفعل المقدر لا بدله من مفسر وان لكونها دالة على معنى التحقيق والثبوت تدل على معنى ثبت المقدر ههنا فهو عوض عنه من حيث المعنى والفعل الواقع خبرا عوض عنه من حيث اللفظ فليس شئ منهما عوضا حقيقيا عن الفعل المقدر بل كالعوض وهذا اذا كان الخبر مشتقا يمكن اشتقاق الفعل من مصدره وان

سے پس کہا جاتا ہے لوانک انطلقت اور نہیں کہا جاتا لوانک منطلق اور مصنف نے کالعوض کہا ہے اس لئے کہ فعل مقدر کیلئے ضروری ہے مفسر کا ہونا اور اس لئے کہ چوں کہ وہ تحقیق اور ثبوت کے معنی پر دلالت کرتا ہے لہذا ثبت کے معنی پر دال ہوگا جو یہاں پر محذوف ہے لہذا پس یہ اس کے عوض میں ہے باعتبار معنی کے اور وہ فعل جو خبر واقع ہے اس کے عوض میں ہے لفظ کے اعتبار سے پس ان دونوں میں سے کوئی فعل مقدر کا حقیقی عوض میں نہیں ہے بلکہ مانند عوض کے ہے اور یہ جب ہے کہ خبر مشتق ہو فعل کا مشتق ہونا اس کے مصدر سے

جگہ انطلقت صیغہ فعل کیوں واقع ہوتا تو اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی لیکون کالعوض یعنی اسم فاعل کی جگہ میں فعل مذکور فعل محذوف سے عوض کی طرح ہو جاوے پس لوانک انطلقت بولا جائیگا اور لوانک منطلق نہیں بولا جاویگا معلوم ہو کہ شارح بالفعل کی تفسیر بصیغۃ الفعل سے کی اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ انطلقت سے فعل کا صیغہ مطلقاً ہے اور صرف صیغہ ماضی نہیں ہے اور نہ خاص صیغہ انطلقت مراد ہے اور شارح موضع منطلق کی تفسیر فی

موضع یلیق ان یقع فیہ منطلق سے کی اس وجہ سے کہ مصنف کی عبارت پر ایک اعتراض ہوتا تھا جس کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل میں موضع تو لہ منطلق کا موضع ہے نہ انطلقت کا موضع باوجود یہ ضروری تھا کہ یہ کہا جاتا لوانک انطلقت عرب کے قاعدہ کی طرف نظر کے اعتبار سے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب فعل مفسر کو حذف کیا جاوے تو اس کے بعد مفسر لانا ضروری ہے پس اس قاعدہ کی طرف نظر کے اعتبار سے لوانک منطلق کہنا درست نہیں ہوگا۔

قولہ وانما قال کالعوض الخ یعنی مصنف کالعوض (عوض کے مانند) ہی کیوں کہا اور عوض کیوں نہیں کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل مقدر کے واسطے ایک مفسر ضروری ہے کہ وہ جو حذف سے ابہام پیدا ہوگیا اس کو وہ مفسر زائل کردے اور ان چوں کہ تحقیق اور ثبوت کے معنی پر دلالت کرنے والا ہے تو یہ یہاں پر ثبت مقدر کے معنی پر دلالت کریگا پس یہ ان جس کے معنی تحقیق اور ثبوت کے ہیں ثبت کا عوض ہے معنی کے اعتبار سے بھی اور فعل کے اعتبار سے بھی اور وہ فعل جو خبر واقع ہورہا ہے یعنی انطلقت وہ فعل لفظ کے اعتبار سے فعل مقدر ثبت کا عوض حقیقی ہے پس یہ فعل مذکور انطلقت اس فعل مقدر (ثبت) نہ لفظ کے اعتبار سے عوض ہے اور نہ معنی کے اعتبار سے لہذا یہ فعل مذکور انطلقت مقدر کا لعوض ہے پس ان دونوں میں سے کوئی سا بھی عوض حقیقی نہیں ہے بلکہ عوض کے مانند ہے۔

قولہ ہذا اذا کان الخ یعنی فعل کا خبر مفرد کی جگہ میں ہونا صرف اسوقت درست ہے جب کہ خبر مشتق ہو جیسے منطلق کیوں کہ فعل کا اشتقاق اس خبر کے مصدر سے ممکن ہوگا اور اس فعل کا اس کی جگہ میں رکھنا یہاں پر منطلق کا مصدر انطلاق ہے اس سے انطلقت مشتق کر کے منطلق کی جگہ میں رکھدیا جاویگا اور اگر خبر ایسا جامد

كان جامدا أ لا يمكن اشتقاق الفعل منه جاز وقوع ذلك الاسم الجامد خبرا لتعذره اى تعذر وقوع الفعل فى موضع الخبر كقوله تعالى ولو ان ما فى الارض من شجرة اقلام فان الاقلام ليس مشتقا يوضع فعله فى موضعه واذا تقدم القسم اول الكلام اى فى اول زمان التكلم بالكلام فيهم ترك فى لكونه ظرف زمان واحترز به عن توسط القسم بتقديم غير الشرط على الشرط متعلق

ممکن ہو اور اگر جامد ہو تو فعل اشتقاق اس سے ممکن نہ ہو تو جائز ہے اس اسم جامد کا خبر واقع ہونا اس کے متعذر ہونے کی وجہ سے یعنی فعل کے وقوع کے دشوار ہونے کی وجہ سے خبر کی جگہ میں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ولوان ما فی الارض من شجرۃ اقلام پس اس مثال میں اقلام مشتق نہیں ہے کہ اس کا فعل اس کی جگہ رکھا جا سکے اور جب قسم اول کلام میں مقدم ہو یعنی کلام کے تکلم کے شروع زمانے میں تو اس وقت فی کا ترک کرنا درست ہے اس لئے کہ وہ ظرف زمان ہے اور اس کے ذریعہ مصنف نے احتراز کیا ہے قسم کے وسط میں ہونے سے غیر شرط کو مقدم ذکر کرنے کی وجہ سے شرط پر۔ یہ تقدم کے متعلق ہے تو اس

ہو کہ اس سے فعل کا اشتقاق ممکن ہو تو اس جامد کا خبر واقع ہونا جائز ہوگا کیونکہ خبر کی جگہ میں فعل کا واقع ہونا نہ ممکن ہو گیا ہے چونکہ جامد سے اشتقاق ممکن ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ولوان ما فی الارض من شجرۃ اقلام اور اگر ثابت ہوتی وہ شئی جو زمین میں درختوں سے قلم بنی سب درخت قلم ہوتے تو اللہ کے کلمات جو لا تعد ولا تحصیٰ ختم نہیں ہوسکتے۔ یہ تھے لکھائی میں چونکہ اقلام اسم جامد ہے ایسا اسم مشتق نہیں ہے کہ اس کا فعل اس کی جگہ میں رکھا جا سکے

قولہ واذا تقدم القسم الخ شارح نے اس کی ای فی اول زمان التکلم بالکلام سے کی اس تفسیر سے اس اعتراض کے دفع کی طرف اشارہ کیا جو حواشی ہندیہ میں ہے اور وہ اعتراض یہ ہے کہ فی کی تقدیر کی شرط یہ ہے کہ جہاں فی مقدر کیا جائے وہ ظرف زمان یا مکان مبہم ہو اور اول نہ تو ظرف زمان ہے اور نہ ظرف مکان اور اس اعتراض کے دفع کی تقریر یہ ہے کہ اول ظرف زمان ہے مضاف الیہ محذوف کے اعتبار سے تقدیر عبارت میں اذا تقدم القسم فی اول زمان الکلام اور کلام سے مراد تکلم بالکلام ہے مجازاً یعنی اول زمان الکلام بالکلام اس وجہ سے فی کا چھوٹنا جائز ہو گیا یعنی کلام کے بولنے کے اول زمان میں معلوم ہو کہ یہ جواب دو وجہ سے ضعیف ہے اول تو اس وجہ سے ضعیف ہے کہ یہ کلام ایسے مجاز پر مشتمل ہوگا جو غیر مقصود پر کلام کے حمل کو واجب کرتا ہے دوسرے اس وجہ سے کہ مقصود اول کلام میں قسم کا واقع

ہونا اور کلام کے تکلم کے اول زمانہ میں قسم کا واقع ہونا مقصود نہیں ہے، حواشی میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اول الکلام تقدم کا ظرف مکان ہے دخول کے تقضی کے سبب سے اور دخول میں مکان مبہم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ دخلت کے بعد میں جو امکنہ معینہ آتے ہیں وہ مکان مبہم پر محمول کر لئے جاتے ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ قسم شرط پر مقدم ہوتے کلام کے بولنے کے اول زمانہ میں یعنی سب سے پہلے یعنی فعل شرط کے بولنے اور کسی چیز کے بولنے سے پہلے قسم کو بولا گیا ہو، مصنف کے قول اول الکلام سے

قسم کو درمیان میں لانے کے شرط کے علاوہ کسی اور چیز کو مقدم کر کے اس سے احتراز ہو گیا یعنی فعل شرط کے علاوہ اور کوئی چیز بھی قسم سے پہلے نہ آوے پس مصنف اس سے احتراز کے واسطے قولہ اول الکلام لایا ہے پس یا احتراز اسی پر محصور کیا جاوے اگرچہ وہ ذکر میں مقدم ہے پس وہ قصد میں متاخر ہے پس قولہ علی الشرط شرط کی تقدیم سے احتراز ہے یا اس کو توسط کی تمام قسموں سے احتراز قرار دیا جاوے تو قولہ علی الشرط کا ذکر کرنا اس لئے ہوگا کہ کلام شرط پر مقدم کرنے میں توہما

بتقدم لزمه الماضی ای لزم القسم ان یکون الشرط الواقع بعده ماضیا لفظا او معنیً لیکون علیٰ وجه لا تعمل فیه ادوات الشرط فیطابق ای الشرط الجواب حیث یبطل عمل ادوات الشرط فیه ای فی الجواب وکان الجواب للقسم فقط لفظاً لا للقسم والشرط جمیعا لانه یلزم ان یکون مجزوما وغیر مجزوم وهو محال

کا ماضی ہونا ضروری ہے یعنی قسم کے لئے لازم ہے کہ وہ شرط جو اس کے بعد واقع ہو وہ لفظاً ماضی ہو یا معنیً تاکہ وہ اس طریق پر ہو جائے کہ حروف شرط اس میں کوئی عمل نہ کر سکیں پس مطابق ہو گی یعنی شرط جواب قسم کے اس وجہ سے کہ حروف شرط کا عمل اس جگہ باطل ہو جائے گا اس میں یعنی جواب میں اور ہو گا جواب قسم کا فقط لفظ میں نہ کہ قسم اور شرط دونوں کا کیوں کہ اس صورت میں مجزوم اور غیر مجزوم ہونا لازم آ جائے گا اور وہ محال ہے اور بہر حال

چوں کہ مصنف کا یہ کلام دونوں احتمالوں کو برداشت کرتا ہے اس وجہ سے شارح نے اس کو اس کے اطلاق پر چھوڑ دیا اور قولہ علی الشرط تقدم کے متعلق ہے اور اشرط سے مراد فعل شرط اور ادوات شرط مراد ہے۔

قولہ لزمہ الماضی الخ یعنی جب کہ قسم الکلام کے شروع میں واقع ہو اور قسم سے پہلے کلام کے اجزاء میں کوئی جز واقع نہ ہو نہ فعل شرط اور نہ ادوات شرط قسم سے پہلے واقع ہو اور نہ شرط کے علاوہ اور کوئی شئی واقع ہو قسم ہی پہلے واقع ہو تو اس قسم کو فعل ماضی لازم آتا ہے لزمہ الماضی اذا تقدم الا شرط کی جزاء ہے یعنی یہ ضروری ہے فعل شرط جو قسم کے بعد واقع ہو وہ فعل شرط فعل ماضی ہو

اعم اس سے کہ وہ فعل ماضی لفظی ہو یا معنوی ہو یعنی فعل شرط اس طور پر ہو کہ اسمیں ادوات شرط بالکل عمل نہ کر سکیں چوں کہ اس وقت یہ مقرر ہے کہ جواب قسم کے واسطے ہو گا اور اس ادوات شرط کا عمل طل ہے اس وجہ سے شرط کو بھی ماضی قرار دیا تاکہ اس میں بھی حرف شرط کا عمل نہ ہو پس اس وقت شرط جواب کے موافق ہو جائیگی اس طور سے کہ ادوات شرط کا عمل اس جواب میں باطل ہو رہا ہے۔

قولہ ای لزم القسم الخ شارح اس تفسیر سے یہ بتایا کہ لزمہ کی ضمیر مفعول بہ القسم کی طرف راجع ہے نہ شرط کی طرف اور اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ فعل شرط جو قسم کے بعد واقع ہو رہا ہے یہ قسم کو لازم ہو گیا کہ وہ فعل شرط لفظی ماضی ہو یا وہ

معنوی ماضی ہو۔ سوال لزمہ کی ضمیر کو قسم کی طرف لوٹانا از روئے لفظ بعید ہے اور لفظ کے اعتبار سے شرط کی طرف لوٹانا قریب ہے پس بعید کو قریب پر کیوں اختیار کیا جواب لزمہ کی ضمیر مفعول بہ کو قسم کی طرف لوٹانا اگرچہ لفظ کے اعتبار سے بعید ہے لیکن معنی کے اعتبار سے قریب ہے کیوں کہ کلام قسم میں ہے حضرت شیخ عبدالحکیم قدس سرہ نے فرمایا کہ قسم کی طرف ضمیر کا لوٹانا باوجودیکہ لفظ کے اعتبار سے بعید ہے لیکن معنی کے اعتبار سے قریب ہے کیوں کہ کلام قسم میں واسطے ماضی کا لازم ہونا لزوم الکلی للجزئی کے تکلف کے اعتبار کی طرف محتاج ہے۔

قولہ کان الجواب للقسم الخ یعنی جب کہ کلام کے شروع میں قسم ہو اس طور سے کہ قسم سے پہلے نہ شرط ہی واقع ہو نہ اور کوئی چیز جس کی وجہ سے شرط درمیان کلام کے واقع ہو جاوے تو اس وقت یہ امر ضروری ہے کہ وہ فعل شرط جو اس قسم کے بعد واقع ہو رہا ہے وہ فعل شرط لفظی یا معنوی فعل ماضی ہو اس لئے کہ حرف شرط جیسے شرط فعل ماضی ہونے کی وجہ سے اس شرط میں عامل نہیں اسی طرح اس جواب میں جو اس فعل شرط کے بعد واقع ہو رہا ہے اس میں بھی حرف شرط عامل نہ ہو تو اس وقت شرط اور جواب میں موافقت ہو جاوے گی اور وہ جواب اس شرط کے بعد آ رہا ہے لفظاً قسم کا جواب

ہو جائے گا اگرچہ معنی کے اعتبار سے وہ جواب قسم کا بھی اور شرط کا بھی اس جواب لفظا کے اعتبار سے صرف قسم کا جواب اس وجہ سے قرار دیں گے تاکہ اس جواب کا لفظ کے اعتبار سے مجزوم ہونا اور غیر مجزوم ہونا لازم نہ آوے اگر اس کو دونوں کا جواب قرار دیں گے تو اس جواب کا مجزوم ہونا ور غیر مجزوم ہونا لازم آوے گا کیوں کہ فعل شرط جب کہ ماضی ہو اگرچہ جزاء کا مجزوم ہونا واجب نہیں ہے بلکہ اس کا جزم جائز ہے لیکن محذور مذکور میں جزم کا جواز کافی ہے جواز کے ساتھ عمل کی تقدیر پر تو اس کا مجزوم اور غیر مجزوم ہونا لازم آویگا پس لزوم سے خاص تقدیر پر لزوم مراد ہے یا یہ کہا جائے کہ اس صورت میں عمل اگرچہ واجب نہیں مگر اولیٰ ہے جیسا کہ قولہ مکان الجزم بحذف النون سے یہ معلوم ہوتا ہے اور اولیٰ واجب کے درجہ میں ہوتا ہے۔

قولہ واما معنیً الخ یعنی جواب جو قسم اور شرط کے بعد واقع ہوتا اگرچہ تلفظ کے اعتبار سے صرف قسم کا جواب ہے لیکن معنی کے اعتبار سے پس وہ جواب قسم کا بھی جواب ہے کیوں کہ یمین اس جواب قسم پر ہے اور شرط کے واسطے بھی موجود ہے کیوں کہ یہ جواب شرط کے ساتھ مشروط ہے

قولہ مثل واللہ ان آتیتنی الخ یہ دو مثال ہیں جن میں قسم اول کلام میں شرط پر مقدم ایک مثال واللہ ان آتیتنی لاکرمنک یہ مثال ماضی لفظی کی ہے جو شرط ہے اور لاکرمتک جواب ہے یہ جواب تلفظ میں قسم کا جواب

واما معنیً فھو جواب للقسم لکون الیمین علیہ و للشرط ایضاً لکونہ مشروطاً بالشرط مثل واللہ ان اتیتنی مثال للماضی لفظاً وان لم تاتنی مثال للماضی معنیً لاکرمنک وان توسط ای القسم

معنیً تو پس وہ قسم کا جواب ہے اس لئے کہ اسی پر یمین واقع ہے اور شرط کے لئے بھی اس لئے کہ وہ شرط کے ساتھ مشروط ہے جیسے واللہ ان اتیتنی یہ لفظاً ماضی کی مثال ہے وان لم تاتنی یہ معنیً ماضی کی مثال ہے لاکرمنک اور اگر وسط میں

ہے لیکن معنی میں قسم اور شرط دونوں کا جواب ہے چوں کہ تلفظ میں اس کو قسم کا جواب بنایا اسی وجہ سے اس پر لام ابتدا تاکید کا جو جواب قسم پر آتا ہے داخل کیا ہے اور معنی میں یہ شرط کا جواب بھی ہے کیوں کہ جواب شرط کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ متکلم کا اکرام جو مخاطب کا ہے مخاطب کے آنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

دوسری مثال یعنی ان لم تاتنی لاکرمنک ایسی مثال ہے کہ اس میں قسم اول کلام میں شرط پر مقدم اور وہ معنوی فعل ماضی ہے اور لاکرمنک لفظاً قسم کا جواب ہے اور معنیً شرط کا جواب بھی اور قسم کا جواب بھی جیسا کہ پہلی مثال میں معلوم ہوا۔

قولہ وان توسط الخ اور اگر قسم کلام کے اجزاء کے درمیان آجاوے خواہ اس طور سے کہ شرط کو قسم سے پہلے لایا گیا اس طور پر شرط کے علاوہ کسی اور شئی کو قسم سے پہلے لایا گیا اور ای تقدیم غیر الشرط سے شارح قدس سرہ نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قولہ غیرہ الشرط معطوف ہے اور التقدیم پر معطوف کیوں کہ شرط کی

تقدیم کا غیر اس کی تاخیر ہے وہ قسم کے توسط کو مستلزم نہیں ہوگا اور یہ بھی واجب ہے کہ وہ غیر جو قسم کے پہلے آوے وہ ایسی شئی ہو کہ وہ خبر کو طلب کرتی ہو یعنی مبتدا ہو خواہ ناسخ کے پہلے یا ناسخ کے بعد اس پر رضی اور شرح تسہیل میں تصریح کی ہے غرضیکہ جب قسم کے اجزاء کے درمیان میں واقع خواہ اس طور سے کہ شرط کو قسم مقدم کر دیا جیسے ان تاتی واللہ آخر تک یا اس طور سے کہ شرط تو قسم سے موخر ہو یعنی قسم شرط مقدم لیکن کلام اور جزء قسم سے مقدم کر دیا گیا جیسے انا واللہ ان تاتی آخر تک اس میں انا مبتدا کو قسم سے پہلے ذکر اور شرط کو قسم کے بعد میں ان میں سے ہر صورت میں تمہارے لئے جائز ہے کہ جواب میں ان میں سے کسی ایک کا اعتبار کر لیا جائے خواہ قسم کا خواہ شرط کا اور دوسرے کو لغو کر دیا جائے خواہ قسم کو خواہ شرط کو پس اگر قسم کا اعتبار کر کے جواب کو قسم کا جواب بنایا جاوے تو جواب میں قسم کے احکام کی رعایت کی جائے اور جزاء

بين اجزاء الكلام بتقديم الشرط عليه او غيره اى تقديم غير الشرط جاز ان يعتبر القسم ويلغى الشرط وان يلغى القسم ويعتبر الشرط ويحتمل ان يكون المعنى جاز ان يعتبر الشرط ويلغى القسم وان يلغى الشرط ان يعتبر القسم كقولك انا والله ان تاتنى اتك فعلى المعنى الاول هذا مثال لتقديم غير الشرط وجواز الغاء القسم فيكون باعتبار

آئے یعنی قسم اجزاء کلام کے شرط کے مقدم ہونے کی وجہ سے اس پر یا اس کے غیر کے یعنی غیر شرط کی تقدیم کی صورت میں تو جائز ہے کہ قسم کا اعتبار کیا جائے اور شرط لغو ہو جائے اور یہ کہ لغو ہو جائے قسم اور شرط معتبر ہو جائے اور احتمال ہے کہ مطلب عبارت کا یہ ہو کہ جائز ہے کہ معتبر ہو شرط اور لغو ہو قسم اور یہ بھی کہ لغو ہو جائے شرط اور معتبر ہو جائے قسم اسی طرح انا واللہ ان تاتنی آتک ہے پس اول معنی کی صورت میں یہ غیر شرط کی تقدیم کی مثال ہے اور قسم کے لغو کرنے

کے احکام کی رعایت نہ کی جائے مثلاً کہا جائے شرط کو قسم پر مقدم کر کے اور جواب کو قسم کا جواب بنا کر ان تاتنی واللہ لاتینک اس میں قسم کا اعتبار کیا اور شرط لغو کر دیا اگر اس صورت میں شرط کا اعتبار کیا جائے یعنی جواب کو شرط کا جواب بنائیں تو جزاء کے احکام کی رعایت کر کے اس طرح کہیں گے ان تاتنی واللہ آتک میں شرط کی رعایت کر کے آتیک کی یاء کو حذف کر دیا کہ اصل میں آتیک تھا ایسے غیر شرط کو قسم سے پہلے ذکر کرنے میں چاہیے جواب کو قسم کا جواب بنا کر ذکر کریں اور شرط کا جواب بنا کر ذکر نہ کریں اس طرح انا واللہ ان تاتنی لاتینک چاہیے جواب کو شرط جواب بنا کر ذکر کریں اور جزاء کے احکام کی اس میں رعایت اور جواب قسم بنا کر ذکر نہ کیا بلکہ اس کو محذوف قرار دیں اور اس طرح کہیں انا واللہ ان تاتنی آتک مصنف کی عبارت ہے جاز ان یعتبر وان یلغی شارح ؒ اس کے دو مطلب بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ ان یعتبر اور یلغی کی ضمیر قسم یا شرط میں سے ایک طرف معین کر کے لوٹائی اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک کے اعتبار دوسرے کے الغاء کو واجب کرتا ہے پس اگر ضمیر قسم کی طرف لوٹا تو یہ معنی ہوں گے کہ قسم کا اعتبار کیا جاوے اور شرط کو لغو کیا جاوے اور قسم کو لغو کیا جاوے اور شرط کا اعتبار کیا اور اگر ضمیر علی التعیین شرط کی طرف لوٹائی جاوے تو معنی یہ ہوں گے کہ شرط کا اعتبار کیا جاوے قسم کو لغو کر دیا جاوے اور شرط کو لغو کر دیا جاوے اور قسم کا اعتبار کیا دوسرا احتمال یہ ہے کہ غیر معین طریقہ پر دونوں میں سے کسی ایک کی طرف ضمیر لوٹائی جاوے پھر یلغی آخر کی طرف لوٹائی جائے گی مطلب یہ ہوگا کہ دونوں میں کسی ایک کو اعتبار کیا جاوے اور دوسرے کو لغو کر دیا جاوے اس احتمال پر اول دونوں معنی اس میں مندرج ہو جاویں گے اور دونوں میں سے ہر ایک کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ قسم اور شرط کے جو جواب مذکور ہیں کر اس میں اس کی رعایت کی جاوے جس کا اعتبار کیا جاوے اور ان میں سے ہر ایک کے الغاء کا یہ مطلب ہے کہ جواب جو ان کے بعد مذکور اس میں اس کی رعایت نہ کی جاوے جس کو لغو کر دیا پس شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کی عبارت میں دو لف ہیں ایک قسم کا درمیان کلام میں آنا اس طور پر کہ شرط قسم سے پہلے ذکر کر دی گئی یا اس طور سے قسم درمیان کلام میں آئی کہ غیر شرط کو قسم پر مقدم کر دیا پس اس لف میں تقدیم شرط پہلے مذکور ہے اور تقدیم غیر شرط دوسرے نمبر پر مذکور ہے اور دوسرا لف جاز ان یعتبر وان یلغی اور اس کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ ہے قسم کا اعتبار ہو اور شرط کا الغاء اور قسم کا الغاء اور شرط کا اعتبار اور دوسرے معنی میں شرط کا اعتبار ہونا اور قسم کا الغاء اور شرط کا لغو کیا جانا اور قسم کا اعتبار کیا جانا اور مصنف نے مثال یہ دی ہے

التقديم والجواز كليهما نشرًا على غير ترتيب اللف وعلى المعنى الثاني
هذا امثال لتقديم غير الشرط وجواز اعتبار الشرط فيكون النشر
باعتبار التقديم على غير ترتيب اللف وباعتبار جواز اعتبار الشرط
على ترتيبه وان اتيتني والله لا اتيتك وانما اورد في هذا المثال
الشرط بصيغة الماضي على خلاف المثال الاول اشارة الى اشتراط
المضي في الشرط في صورة اعتبار القسم على تقدير توسطه كاشتراطه
على تقدير التقديم فعلى المعنى الاول هذا امثال لتقديم الشرط و

کے جواز کی پس ہوگی مثال تقدیم اور جواز دونوں کے اعتبار سے بیان کرتے ہوئے
لف کی ترتیب کے خلاف اور دوسری صورت میں یہ مثال غیر شرط کی تقدیم
اور شرط کے اعتبار کے جواز کی ہوگی پس بیان باعتبار تقدیم کے غیر ترتیب لف
کے ہوگا اور شرط کے اعتبار کے جواز کے لحاظ سے اس کی ترتیب پر ہوگا وان
اتیتنی واللہ لا اتینک اور اس شرط والی مثال کو بصیغۂ ماضی لایا گیا ہے مثال
اول کے برخلاف اشارہ کرتے ہوئے اس طرف کہ ماضی کا ہونا مشروط ہے شرط میں
قسم کے اعتبار کرنے کی صورت میں اس تقدیر پر کہ وہ وسط میں ہو جیسے اس کا
ہونا شرط ہے، پس اول معنی کی بنا پر یہ تقدیم .... شرط کی مثال

انا والثان تا تی اتنک پس اول معنی پر یہ مثال
غیر شرط کی تقدیم کی اور قسم کے الغا پس
یہ مثال تقدیم اور جواز دونوں کے اعتبار
سے علی الترتیب اللف نہیں بلکہ یہ نشر
علی غیر ترتیب لف ہے اور ثانی معنی کے
اعتبار سے جس کو تحمل کے ساتھ بیان کیا
یہ مثال تقدیم غیر شرط کی ہے اور جواز
اعتبار شرط کی پس اس وقت نشر باعتبار
تقدیم غیر شرط کے غیر لف پر ہے اور
جواز اعتبار شرط اور قسم کے لغو ہونے
کے اعتبار سے نشر ترتیب لف پر ہے

قولہ علی غیر ترتیب اللف یہ مثال
اس صورت میں لف کی ترتیب پر ہے
کیوں کہ لف میں شرط کی تقدیم غیر شرط
کی تقدیم پر مقدم کیا تھا اور مثال میں
غیر شرط کو پہلے کو ذکر کیا اس وجہ سے
علی غیر ترتیب اللف ہے۔

قولہ وباعتبار جواز اعتبار الشرط
علی ترتیبہ۔ یعنی یہ مثال اس اعتبار سے
کہ شرط کو معتبر ماننا اور قسم کو لغو کرنا
جائز ہے لف کی ترتیب پر یہ منشور ہے
کیوں کہ آتک جو مثال میں ثانیاً مذکور ہے
شرط چوں کہ ثانیاً لف میں مذکور ہے اس
اعتبار پر اور لا آتینک ثالث درجہ میں
ہے اس الغاء کی مثال ہے جو لف میں
درجہ ثالث میں مذکور ہے اس وجہ سے
یہ مثال اس جواز اعتبار شرط کی لف
کی ترتیب پر ہے۔

قولہ وان اتیتنی واللہ لا اتینک
یہ مثال قسم پر شرط کی تقدیم اور قسم
کے اعتبار اور شرط کے لغو رکھنے کے
جواز کی ہے۔

قولہ وانما اورد فی ہذا المثال الشرط الخ
مصنفؒ اس مثال میں شرط کو ماضی کے
صیغہ کے ساتھ لایا اول مثال کے خلاف
پر اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے
کہ قسم کی اعتبار کی صورت میں شرط
ماضی کا لانا مشروط ہے جب کہ قسم کا افعال
اس کے درمیان میں آنے کی تقدیر پر
جیسے قسم کا درمیان میں لانا جیسے ماضی
کا شرط کیا جانا اس تقدیر پر ہے
جب کہ شرط کو مقدم کیا جاوے پس
قسم کے اعتبار کی صورت میں شرط میں ماضی
کو لایا جانا اس وجہ سے شرط کیا تاکہ شرط
اور جزاء معنوی ان دونوں میں عمل نہ کرنے
میں مطابق ہو جاوے۔

قولہ فعلی المعنی الاول الخ پس اول معنی
پر یعنی جواز اعتبار قسم والغاء شرط اور
جواز الغاء شرط واعتبار القسم معنی پر یہ
مثال تقدیم الشرط اور جواز اعتبار قسم
کی ہے پس یہ مثال دونوں لفاً کے
(یعنی تقدیم الشرط اور جواز اعتبار القسم)
کے اعتبار کے ساتھ لف کی ترتیب پر

جوازاعتبار القسم فهو باعتبارهما جميعاً نشر على ترتيب اللف وعلى المعنى الثانى مثال لتقديم الشرط وجواز الغائه فالنشر بالاعتبار الاول على ترتيب اللف وبالاعتبار الثانى على غير ترتيبه ففى كل من المثالين يقع من حيث المعنى الثانى اختلاف بين اعتباريه بخلاف المعنى الاول فالحمل عليه اولى وعلى تقدير الحمل عليه و ان كان رعاية كون النشر على ترتيب اللف يقتضى تقديم المثال الثانى

ہے اور قسم کے اعتبار کرنے کے جواز کی پس وہ دونوں کے اعتبار کرنے کی صورت میں لف ونشر کی ترتیب شامل ہے اور معنی ثانی کی صورت میں یہ مثال ہے شرط کی تقدیم اس کے الغاء کے جواز کی یا اول کے اعتبار نشر پایا جاتا ہے لف کی ترتیب پر اور ثانی کے اعتبار سے اس کے غیر کی ترتیب پر پس دونوں مثالوں میں سے ہر ایک واقع ہوگی معنی ثانی کے اعتبار سے دونوں اعتبارات کے درمیان اختلاف ہے بخلاف معنی اول کے لہذا اس پر حمل کرنا اولی ہے اور اس پر حمل کرنے کی صورت میں اگر لف ونشر ترتیب کی رعایت تقاضا کرتی ہے مثال ثانی کی تقدیم کی مثال

نشر ہے چوں کہ ان اتیتنی مثال سے جو کہ اول میں ہے یہ تقدیم الشرط کی مثال ہے اور لاٰتینک جو ثانیاً مذکور ہے اعتبار قسم کی ہے جو ثانیاً اس لف میں مذکور ہے اور اتک متعدد تیسرے درجہ میں ہے یہ الغاء کی مثال ہے جو لف میں تیسرے درجہ میں مذکور ہے۔

قولہ وعلی المعنی الثانی اور دوسرے معنی (یعنی جواز اعتبار الشرط والغاء قسم اور الغاء الشرط واعتبار القسم) پر یہ مثال تقدیم الشرط اور جواز الغاء شرط کی ہے پس یہ نشر اول اعتبار سے لف کی ترتیب پر ہے چوں کہ یہ مثال تقدیم شرط کی مثال پر مشتمل ہے اور شرط مشتمل میں مقدم ہے اور ثانی اعتبار (یعنی جواز الغاء الشرط) کے ساتھ یہ مثال ترتیب لف پر نہیں ہے کیوں کہ یہ مثال ثانی شرط کے الغاء اور قسم کے اعتبار پر مشتمل ہے باوجودیکہ ثانی احتمال میں شرط کا اعتبار الغاء شرط پر مقدم ہونا چاہیے پس الغاء الشرط مشتمل میں اس سے متاخر ہے پس دونوں مثالوں میں سے ہر ایک میں ثانی معنی کے اعتبار سے اس کے دونوں اعتبار کے درمیان اختلاف ہوگا یعنی تقدیم اور جواز ان دونوں اعتباروں کے درمیان اختلاف ہوگا اور اختلاف کا واقع ہونا اس وجہ سے ہے کہ گذرا کہ معنی ثانی پر اول مثال میں نشر تقدیم کے اعتبار سے غیر ترتیب پر ہے اور جواز کے اعتبار سے ترتیب پر اور ثانی مثال میں تقدیم کے اعتبار سے ترتیب پر ہے جواز کے اعتبار سے غیر ترتیب پر اول مثال کے برعکس پس اس کے دونوں اعتباروں کے درمیان اختلاف ثابت ہوا۔

قولہ بخلاف المعنی الاول اور یہ اول معنی خلاف کے ساتھ ثابت ہے۔ اس لئے کہ اول مثال نشر علی غیر ترتیب اللف ہے اول معنی پر دونوں اعتبار کے ساتھ اور ثانی مثال معنی اول پر نشر علی ترتیب اللف ہے پس اول معنی پر حمل کرنا اولی ہے یعنی اول معنی کو ثانی معنی پر رجحان ہے چوں کہ اس معنی پر دونوں اعتبار کے ساتھ نشر علی ترتیب اللف ہے اجتماع کے طریق پر اور معنی ثانی پر تفریق کے طریقہ پر ہے ورنہ اس میں بھی دونوں اعتبار کے ساتھ نشر علی ترتیب اللف ہے اگرچہ نشر علی ترتیب اللف ہونے کی رعایت اس کو مقتضی ہے کہ ثانی مثال کو اول پر مقدم کیا جاوے کیوں کہ ثانی مثال تقدیم الشرط اور اعتبار قسم کی ہے جو معنی اول پر مشتمل میں مقدم ہے بخلاف اول مثال کے یہ تقدیم غیر الشرط کی مثال ہے اور الغاء قسم کی یہ مشتمل میں مؤخر ہے غرضیکہ تقدیم کو اس وجہ سے مقتضی ہے کہ

علی الاول لکنہ اراد اتصال المثال بالممثل لہ بقدر الامکان علی تقدیر تقدم اللفین علی نشریہما من حیث مثالیہما و تقدیر القسم کاللفظ ای کالتلفظ بہ او مقدرۃ کملفوظہ فی صدر الکلام فلزم فی الشرط الذی بعدہ المضی وکان الجواب للقسم نحو قولہ تعالٰی لان اخرجوا لایخرجون ای واللہ لئن اخرجوا فالشرط ماض ولا یخرجون جواب القسم فانہ لوکان جزاء الشرط لکان الجزم بحذف النون اولٰی بہ ای

اول پر لیکن مصنف نے ارادہ کیا ہے مثال کے متصل ہونے کا ممثل لہ کے ساتھ بقدر امکان دونوں لفوں کی تقدیر پر ان کے نشر پر دونوں کی مثالوں کی حیثیت سے اور قسم کی تقدیر جیسے لفظ یعنی جیسے اس کا تلفظ کرنا یا اس کا مقدر کرنا ایسا ہی ہے جیسے اس کا لفظوں میں ذکر کرنا کلام کے شروع میں پس لازم ہے اس شرط میں کہ اس کے بعد ماضی ہو اور وہ قسم کا جواب ہو جیسے اللہ تعالٰی کا قول لئن اخرجوا لایخرجون یعنی اللہ کی قسم اگر وہ نکالے گئے اس مثال میں شرط ماضی ہے اور لایخرجون جواب قسم ہے اس لئے کہ اگر یہ شرط کی جزاء ہوتی تو جزم یعنی نون کا محذوف ہونا اولٰی تھا یعنی لایخرجوا اور اسی طرح اس کا قول

ثانی مثال نشر علٰی ترتیب اللف ہے اور مثال اول لف کی ترتیب پر نشر نہیں اور نشر علٰی ترتیب لف اس میں اظہر ہے کہ وہ غیر ترتیب لف پر ہو۔

قولہ لکنہ اراد الخ لیکن مصنف نے اول مثال کو ذکر میں مقدم کیا تاکہ مثال ممثل لہ کے ساتھ متصل ہو جاوے یعنی اگر ثانی مثال کو اول مثال پر مقدم کرتا جیسا کہ نشر علی الترتیب اللف ہونے کی رعایت اس کو مقتضی ہے تو بہرحال دونوں مثالوں میں سے ایک مثال ممثل لہ کے ساتھ متصل نہ ہوتی اور وہ اس کا قول وان یلی القسم ویعتبر الشرط ہے اور اصل مثال کا ممثل لہ کے ساتھ اتصال ہے پس مصنف نے اس کی رعایت کی جس میں اتصال کی رعایت ہے اگرچہ اول کے تقدم کی مثال کے اعتبار کے ساتھ ہو۔

قولہ علی تقدیر تقدم الخ اور بہرحال جب کہ دونوں لفوں میں سے ہر ایک کی مثال اس کے پہلو میں ذکر کرے تو اس طور پر کہا جاتا اذا توسطا لقسم بتقدیم الشرط علیہ جاز ان یعتبر القسم دلیلی نحو ان اتیتنی واللہ لاتیتک وکذا ان توسط بتقدیم غیرہ نحو انا واللہ ان تاتنی اٰتک تو ہر مثال کا اتصال ممثل لہ کے ساتھ پورا حاصل ہو جاتا یعنی مصنف نے چاہا کہ دونوں نشروں پر دونوں لفوں کو مقدم کرنے کی تقدیر پر بقدر امکان مثال کا ممثل لہ کے ساتھ اتصال ہو جائے ان دونوں کی مثالوں کی حیثیت سے

قولہ من حیث مثالیہما یہ نشر یہما سے حال ہے اس کے ساتھ اس وجہ سے مقید کیا کہ ..... جب کہ اس حیثیت سے دونوں مثالوں کو اعتبار کیا کہ دونوں لفوں کے مجموع کی مثال ہے تو اتصال پورا پورا حاصل ہو جائے گا۔

قولہ وتقدیر القسم کاللفظ یعنی قسم کی تقدیر لفظ کے مانند ہے شارح نے اس کی تفسیر ای کالتلفظ بہ اور مقدرۃ بملفوظہ کی، اس سے شارح اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تقدیر سے مراد جبکہ

اس کے معنی مصدری ہوں تو لفظ سے مراد تلفظ ہے جو کہ وہ اس کے معنے مصدری ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قسم کی تقدیر اس کے تلفظ کی مانند ہے اور اگر تقدیر سے مراد مصدر جو کہ وہ اسم مفعول ہے تو لفظ سے مراد ملفوظ ہے جو کہ وہ اسم مفعول ہے اور یہ جائز نہیں ہے تقدیر سے اس کے معنی مصدری مراد ہوں اور لفظ سے ملفوظ مراد ہو جوں کہ .... اس وقت درست نہ ہوں گے حاصل

یخرجوا وکذا قوله وان اطعتموهم انکم لمشرکون ای والله ان
اطعتموهم انکم لمشرکون فالشرط ماض وانکم لمشرکون جواب
القسم فانه لو کان جزاء الشرط یلزم الاتیان بالفاء لان الجملة
الاسمیة الواقعة جزاء الشرط یجب فیها الفاء واما للتفصیل
ای لتفصیل ما اجمله المتکلم فی الذکر نحو قولك جاء اخوتك
اما زید فاکرمته واما عمرو فاهنته واما بشر فاعرضت عنه
او اجمله فی الذهن ویکون معلوماً للمخاطب بواسطة

یعنی حق تعالیٰ کا وان اطعتموہم انکم لمشرکون یعنی اللہ کی قسم اگر تو نے ان کی اطاعت
کی ہوتی تو تم البتہ مشرک ہوتے پس شرط ماضی ہے اور انکم لمشرکون
جواب قسم ہے کیونکہ اگر یہ شرط کی جزاء ہوتی تو فاء کا لانا لازم ہوتا اسلئے
کہ جب جملہ اسمیہ شرط کی جزاء واقع ہو تو اس میں فاء کا لانا ضروری ہے اور اما
تفصیل کیلئے آتا ہے یعنی تفصیل کیلئے اس کلام کی جس کو متکلم نے ذکر میں اجمال
کیا ہے جیسے تیرا قول جاء اخوتک اما زید فاکرمتہ واما عمرو فاہنتہ اور بہرحال
بشر پس میں نے اس سے اعراض کیا یا اس کو ذہن میں مجمل کیا ہو حالانکہ وہ مخاطب

یہ ہے کہ اگر قسم مقدر ہو تو اس کا حکم ایسے ہی
ہے جیسے قسم ملفوظ کا یعنی اگر کلام صدر کلام
میں ملفوظ ہو تو وہ شرط جو اس کے بعد میں
ہے اس کے لئے فعل ماضی ہونا ضروری ہے
اور وہ جواب جو اس کے بعد آوے قسم
کے واسطے اس کو جواب بنایا جاوے گا
اور اس کو شرط کا جواب بنا کر نہیں لایا جائے
گا بلکہ تلفظ میں شرط کو ملغی کر دیا جاوے گا
اور اس کا جواب محذوف نکالا جاوے گا
اگرچہ معنی میں یہ جواب قسم اور شرط دونوں
کا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول لئن اخرجوا
لا یخرجون اس کی تقدیر ہے واللہ لئن
اخرجوا اس میں قسم صدر کلام میں مقدر کی
گئی پس اخرجوا شرط فعل ماضی ہے اور
لا یخرجون یہ جواب قسم کا جواب ہے کیونکہ
اگر شرط کا جواب یعنی جزاء ہوتی تو
اس کے ساتھ جزم اولیٰ ہوتا اس طور پر
کہ نون حذف کر کے لا یخرجوا لایا جاتا ہی
قولہ کذا قولہ تعالیٰ ان اطعتموہم انکم
لمشرکون واللہ کی قسم اگر تم ان کی فرمانبرداری
کرو گے تو تحقیق کہ تم البتہ مشرک ہو
اس کی تقدیر واللہ ان اطعتموہم انکم
لمشرکون اس میں قسم صدر کلام میں مقدر
ہے اس وجہ سے شرط فعل ماضی لائی
گئی اور انکم لمشرکون جو شرط کے بعد
مذکور ہے اس کو قسم جواب قسم بنا کر لایا
گیا اور شرط ملغی کر دیا گیا کیونکہ اگر
اس کو جواب الشرط یعنی جزاء الشرط
بنا کر لایا جاتا تو اس پر فاء کا لانا ضروری
تھا یا اس کا جو فاء کے قائم مقام ہو
جیسے اذا جو مفاجاۃ کیلئے آتا ہے
کیونکہ جملہ اسمیہ جو شرط کی جزاء واقع
ہو اس میں فاء کا لانا واجب ہوتا ہے
یا اس کا جو فاء کے قائم مقام ہوتا ہے
یعنی اذا مفاجاتیہ اور جملہ اسمیہ پر سے
فاء کا حذف کرنا جبکہ وہ جزاء ہو محض
ضرورۃ شعری کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے
من یفعل الحسنات اللہ یشکرہا اس میں فاء
کا حذف کرنا شعر کی ضرورۃ کی وجہ
سے ہے۔

قولہ اما للتفصیل یعنی اما جو شرط
کیلئے آتا وہ اس شئی کی تفصیل کیلئے آتا
ہے جس کو متکلم ذکر میں مجمل کر دے یعنی
پہلے ایک شئی مجمل بیان کی جاتی ہے پھر
اما شرطیہ سے اس کی تفصیل بیان کی
جاتی ہے پھر جس کو متکلم مجمل بیان کرتا ہے
یا تو اس کو ذکر میں مجمل کرتا ہے جیسے جاء
اخوتک اما زیدٌ فاکرمتہ واما عمروٌ فاہنتہ
اما بشرٌ فاعرضت عنہ اس مثال میں اخوتک
(تیرے بھائی) کو مجمل ذکر کر کے پھر اما
سے اس کی تفصیل کی۔ بہرحال زید پس
میں نے اس کا اکرام کیا اور بہرحال
عمرو پس میں نے اس کی اہانت کی بہرحال
بشر پس میں نے اس سے اعراض کیا
یا اس کو متکلم ذہن میں مجمل کرتا اور اما اس

القرائن وقد جاءت للاستیناف من غیر ان یتقدمها اجمال نحو اما الواقعة فی اوائل الکتب ومتی کانت لتفصیل المجمل وجب تکرارها وقد یکتفی بذکر قسم واحد حیث یکون المذکور ضد الغیر المذکور لدلالة احد الضدین علی الأخر کقوله تعالیٰ فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه فان ما یقابل اما المذکورة ھٰھنا غیر مذکور لکنه مقدر یعنی واما الذین لیس فی قلوبھم زیغ فیتبعون المحکمات ویردون الیھا المتشابھات والحکم بان کلمة اما للشرط للزوم الفاء فی جوابھا

کو معلوم ہوتا ہے بواسطہ قرائن کے اور کبھی استیناف کیلئے آتا ہے بغیر اس کے کہ مقدم ہو اس سے اجمال جیسے وہ اما جو کتابوں کے شروع میں ہوا کرتا ہے اور جب کہ وہ مجمل کی تفصیل کیلئے آتا ہے تو اس کا تکرار واجب ہے اور کبھی قسم واحد کے ذکر پر اکتفار کر لیا جاتا ہے جبکہ مذکور غیر مذکور کی ضد ہو دونوں ضدوں میں سے ایک کی دلالت کی وجہ سے دوسرے پر جیسے حق تعالیٰ کا قول فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه پس اس مثال میں اما جو یہاں مذکور ہے وہ غیر مذکور ہے وہ مقدر ہے یعنی واما الذین لیس فی قلوبھم زیغ فیتبعون المحکمات ویردون الیھا المتشابھات بہر حال وہ لوگ جن کے قلوب میں زیغ نہیں ہے پس وہ محکمات کی اتباع کرتے اور متشابہات کو رد کر دیتے ہیں اور بہر حال یہ حکم کہ بیشک کلمہ اما شرط کیلئے ہے اس کے جواب میں فار کے لازم ہونے

کی تفصیل کے لئے لاتا ہے جس کو ذہن میں مجمل کیا اس وقت ضروری ہے کہ مخاطب کو وہ مجمل قرائن کے ذریعہ سے معلوم ہو ورنہ پھر اس کی تفصیل نہیں آئے گی اور یہ اما استیناف کیلئے آتا ہے اس سے پہلے اجمال نہیں ہوتا جیسے وہ اما جو کتابوں کے اوائل میں واقع ہونے والا ہے جیسے ان کا قول اما بعد فھذہ ۔

قولہ ومتی کانت الخ اور جب کہ اما مجمل کی تفصیل کے واسطے آتا ہے تو اس بنا پر تکرار اما واجب ہوتا ہے اور کبھی ایک قسم کے ذکر پر کتابت کر لی جاتی جہاں کے مذکور غیر مذکور کی ضد ہو اس وجہ سے کہ دو ضدوں میں سے ایک دوسری ضد پر دلالت کریگی جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه (پس بہر حال وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے پس وہ لوگ قرآن شریف سے اس کے پیچھے پڑتے ہیں جو اس قرآن سے ان کی خواہش کے موافق ہے) پس یہاں اس مذکور اما کا مقابل مذکور نہیں لیکن وہ مقدر ہے اور مقدر یہ ہے واما الذین لیس فی قلوبھم زیغ فیتبعون المحکمات (اور بہر حال وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی نہیں پس وہ لوگ محکمات کے پیچھے لگتے ہیں متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹاتے ہیں) زیغ کے معنی باطل کیطرف رغبت کرنا اور اردو میں ترجمہ کجی ہے ۔

قولہ والحکم بان کلمة الخ یہ حکم کہ کلمہ اما شرط کیلئے دو وجہ سے ہے ایک اس کے جواب میں فار کالازم ہونا دوسرے اول کا ثانی کیلئے سبب ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ اما شرط کیلئے ہونے کیواسطے دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے اول اس کے جواب میں فار کالازم ہونا دوسرے اول کا ثانی کے واسطے سبب ہونا پس جو فار کہ اما کے بعد آتی ہے وہ عاطفہ نہیں ہو سکتی چونکہ خبر کا عطف مبتدا پر

نہیں کیا جاتا ہے اور نہ یہ فار زائدہ ہوتی ہے چونکہ فار زائدہ لازم نہیں ہوتی ہے پس یہ فار سببیہ ہے پس یہ دلالت کریگی کہ اما شرط کیلئے ہے شارحؒ نے للزوم الفار کہا اور لدخول الفار نہیں کہا چونکہ فار کا دخول اس پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ اما شرط کے معنی کو متضمن ہے ۔۔۔۔

وسببية الاول للثانى والتزم حذف فعلها الذى هو الشرط و عوض بينها اى بين اما وبين فائها الواقعة فى جزائها جزء مما فى حيزها اى حيز فائها او حيز اما لان حيز الفاء ايضا حيزها

کی وجہ سے اور اول کا ثانی کیلئے سبب ہونے کی بنار پر اور اس کے فعل کا حذف کرنا لازم کیا ہے یعنی وہ فعل جو کہ شرط ہے اور عوض میں لایا گیا ہے اس کے درمیان یعنی اما کے درمیان اور اس کے فار کے درمیان جو کہ اس کی جزار میں واقع ہے جزر ہے اس کلام کا جو اس کے تحت ہے یعنی اس کے فار کے تحت ہے یا اما کے تحت ہو اس لئے کہ فار کا حیز نیز اس کا ماتحت ہے برابر ہے کہ

چوں کہ اس کا شرط کی جگہ میں جاری کرنا جائز ہوگا جیسا کہ حین اور اذا اور اذ میں جیسے زید حین یا اذا یا اذ لقیتہ فاکرمتہ اور اول کا ثانی کیلئے سبب ہونا اس سے یہ مراد ہے کہ اول کا ثانی کے لئے سبب ہونے کا قصد کرنا۔

قولہ التزم حذف الخ یعنی اما کے اس فعل کے جو شرط ہوتا ہے حذف کو لازم پکڑ لیا گیا ہے یعنی اما جس فعل شرط پر داخل ہو رہا ہے اس کا حذف کرنا لازم ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اس کا استعمال کلام میں کثیر ہے دوسرے اس وجہ سے کہ وہ اما اس تفصیل کے واسطے جو اس کے یعنی اما کے تکرار کو متقضی ہے تیسرے اس وجہ سے کہ اما جس فعل پر داخل ہوتا ہے وہ فعل جمیع مواضع ایک طریقہ پر ہوتا ہے عام جیسے ظرف مستقر کا متعلق فعل عام ایک طریق پر ہوتا ہے۔

قولہ عوض الخ جب اما کے فعل شرط جو ہوتا ہے اس کو حذف کر دیا جاتا ہے

تو اما کے درمیان اور اما کے اس فار کے درمیان جو اس اما کی جزار میں واقع ہے تو ان دونوں اما اور فار جزائیہ کے درمیان اس سے ایک جزر عوض میں لایا جاتا ہے جو اس اما کی فار کے حیز میں ہے اور یہ عوض میں لانا اس وجہ سے ہے کہ فعل شرط کے حذف کے بعد اما اور فار دونوں مل جاویں گی اما حرف شرط ہے اور فار جزائیہ ہے تو اس وقت حرف شرط اور حرف جزار میں لگاتاری اور توالی لازم آوے گی جو کلام عرب میں قبیح ہے اور یہ خرابی اس فعل کے حذف کے بعد لازم آتی ہے جو اما کے بعد واقع ہوتا ہے اس لئے اما کی فار کے تحت میں جو شئی ہوتی ہے اس میں کوئی جزار اما اور فار اما کے درمیان رکھدیا جاتا ہے شارح بینہا کی ضمیر مضاف الیہ اور فائہا کی ضمیر مضاف الیہ اما کی طرف لوٹائی اور بین فائہا کی ضمیر بھی اما کی طرف راجع ہے یہاں پر الواقعة فی جزائہا صفت کا اضافہ کر دیا یعنی

.... اما کی ایسی فار جو اما کی جزار میں واقع ہونے والی ہے اس سے شارح نے اس مسامحة کی طرف اشارہ کر دیا جو مصنف کی عبارت میں واقع ہے اور یہ مسامحة فار کی اضافت کلمہ اما کی طرف اضافت سے پیدا ہوا ہے یعنی اما کی طرف اضافت کا مطلب یہ ہے کہ .. اما کی جزار میں جو فار آتی ہے اور حیزہا کی ضمیر مضاف الیہ میں شارح نے دو احتمال بیان کئے ایک یہ کہ فائہا کی طرف اس کی ضمیر لوٹائی جائے اس وقت یہ مطلب ہے کہ اما اور فار اما کے درمیان ایسا جزر لایا جائے جو اس میں سے ہے جو اما کی فار کے حیز میں واقع ہے دوسرا احتمال یہ بیان کیا کہ حیزہا کی ضمیر اما کی طرف لوٹائی جائے یعنی اما اور فار اما کے درمیان وہ جزر لایا جاوے جو اما کے تحت میں واقع ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایسے جزر کے ساتھ تعویض کہ وہ جزر اس شئی سے ہونے والا ہو جو اما کے حیز میں ہو مطلقاً جائز نہیں جب تک کہ وہ فار کے حیز میں نہ ہو۔ لہٰذا ضمیر حیزہا کی فائہا کی طرف لوٹائی جاوے شارح لان حیز الفاء سے اس اعتراض کا جواب دیا کہ فار کا حیز بھی فعل شرط کے حذف کے بعد اما کا بھی حیز ہے۔ تعویض اس وقت ممکن نہیں جب تک فار کا اقتران اما کے ساتھ اعتبار نہ کر لیا جاوے پس اس وقت فار کا حیز اما کا بھی حیز ہے یہ جزر جو اما اور فار کے درمیان لایا جاوے گا اس میں تعمیم ہے

سواء كان ذلك الجزء مبتدأ نحو اما زيد فمنطلق او معمولا لما وقع بعد الفاء نحو اما يوم الجمعة فزيد منطلق مطلقا اى تعويضا مطلقا غير مقيد بحال تجويز تقديم ذلك الجزء على الفاء وعدم تجويزه وهذا مذهب سيبويه فجعل سيبويه لاما خاصية

یہ جزء مبتدا واقع ہو جیسے اما زید فمنطلق یا معمول واقع ہو اس کا جو فاء کے بعد واقع ہے جیسے اما الیوم الجمعۃ فزید منطلق مطلقاً یعنی مطلقاً عوض ہو مقید نہ ہو فاء پر اس جزء کے تقدیم کے جواز کی حالت کے ساتھ اور اس کے جائز نہ ہونے کے ساتھ اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے پس سیبویہ نے اما کے لئے

خواہ وہ جزء مبتدا ہو جیسے اما زید فمنطلق یا اس کا معمول ہو جو فاء کے بعد واقع ہے جیسے اما یوم الجمعۃ فزید منطلق معلوم ہو کہ جزء مما فی حیزہا یعنی ایسا جزء اما فاء کے درمیان لایا جاتا ہے جو کہ اس کلام کا جزء ہوتا ہے جو فاء کے تحت میں ہے اس سے مصنف نے اشارہ کر دیا کہ جملہ تامہ کے ساتھ اما اور فاء کے درمیان فصل کرنا درست نہیں ہے پس کبھی جملہ ناقصہ کے ساتھ فصل کیا جاتا ہے کہ وہ جملہ شرطیہ ہے جیسے قولہ تعالیٰ فاما ان کان من المقربین فروح وریحان اور کبھی جملہ دعائیہ کے ساتھ فصل کرتے ہیں لیکن اس وقت جب کہ کلمہ اما اور جملہ دعائیہ کے درمیان اما کے معمول کے ساتھ فصل واقع ہو جاوے یعنی شرط کے معمول کے ساتھ فصل واقع ہو جائے جیسے اما الیوم رحمک اللہ فلا تفعلن کذا یا کلمہ اما کے جواب کے ساتھ اما اور قسم کے درمیان فصل واقع ہو جاوے جیسے اما زیداً یرحمک فاضرب عز فسیکہ جو جزء اما اور فاء کے درمیان لایا جاتا ہے وہ متکلم کے قصد میں ملزوم ہو خواہ جزء عمدہ ہو یا فضلہ ہو تاکہ وہ عوض اس شرط کے مانند ہو جاوے جو کہ جمیع کلام میں ملزوم اس ملازمت سے جو غرض ہے وہ حاصل ہو جو ملازمت کہ شرط و جزاء کے درمیان مذکور ہے جیسے مثلاً اما زید فذاہب سے غرض زید کیلئے جانے کا لزوم ہے اس کے لزوم کے سبب سے شیٔ فی الدنیا کے وجود کے واسطے پس

جب ہم نے زید کو اس کی جگہ میں رکھا تو اس نے اس کا افادہ کیا۔

قولہ مطلقاً شارح نے اس کی تفسیر تعویضاً مطلقاً سے کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ مطلقاً مفعول مطلق تعویضاً کی صفت یعنی وہ عوض میں لانا قید لگانے سے چھوڑا ہوا ہے یعنی اس جزء کے فاء پر مقدم کرنے کے جائز رکھنے اور اس کے جائز نہ رکھنے دونوں میں سے کسی حال کے ساتھ مقید نہیں کیا خواہ ایسا جزء ہو کہ فاء پر اس کا مقدم کرنا جائز ہو یا جائز نہ ہو ہر دونوں صورت میں اس جزء کو عوض بنایا جا سکتا ہے چنانچہ مبرد اس کو جائز نہیں رکھتا ہے کیوں کہ معمول اس کے نزدیک عامل پر مقدم نہیں ہوتا ہے اسی وجہ سے جب کہ وہ جزء جو اما اور فاء کے درمیان ہے ایسا ہے کہ اس کا مقدم کرنا جائز نہیں ہے تو وہ اس کا شرط کا معمول

قرار دیتا ہے نہ کہ اس کا معمول جو فاء کے حیز میں ہے لیکن سیبویہ وغیرہ کے نزدیک خواہ ایسا جزء ہو کہ فاء پر اس کو مقدم کرنا جائز ہو یا نہ ہو ہر صورت میں اس کو سیبویہ کے نزدیک فاء کے حیز کا جزء قرار دیں گے پس سیبویہ نے اس امر کے ساتھ حکم کیا کہ اما کے واسطے یہ خاصیت ہے کہ اس کا مقدم کرنا جائز ہے جس کی تقدیم ممتنع ہے یہ سیبویہ کے نزدیک جائز اور صحیح ان فائدوں کی وجہ سے ہے کہ کلام میں تخفیف حاصل ہو جاوے گی شرط کو حذف کرنے کے ساتھ اور اس شیٔ کو قائم کرنے کے ساتھ جو حقیقت میں متکلم کے قصد میں ملزوم ہے ادعائی ملزوم کی جگہ میں اور جزء واجب الحذف کا دوسری طرح کے ساتھ مشغول ہونا اور حرف شرط کا حرف جزء کے ساتھ متوالی اور متصل نہ ہونا پس سیبویہ نے اما کے واسطے اس شیٔ کے تقدیم

جواز التقديم لما يمتنع تقديمه مطلقاً وقيل القائل المبرد هو اى ما وقع بينها وبين فائها معمول الشرط المحذوف عملا مطلقاً اى معمولية مطلقة غير مقيدة بحال تجويز التقديم وعدمه مثل اما يوم الجمعة فزيد منطلق فان تقديره على المذهب الاول مهما يكن من شئ فزيد

تقدیم کے جواز کے خاص ہونے کا قول کیا ہے اس کیلئے جسکی تقدیم مطلقاً ممتنع ہو اور کہا گیا ہے کہ اس کا قائل مبرد ہے وہ یعنی وہ جو اس کے درمیان اور اس کے فاء کے درمیان واقع ہو شرط کا معمول ہوتا ہے جو عملاً مطلقاً محذوف ہے یعنی اس کا معمول ہونا مطلق ہے اس حال کے ساتھ مقید نہیں ہے کہ تقدیم جائز ہے یا نہیں جیسے اما یوم الجمعۃ فزید منطلق پس اس جملے کی تقدیر اول مذہب پر مہما یکن من شیئ فزید منطلق یوم الجمعۃ ہے

کی جواز کی خاصیت قرار دیدی جس کی تقدیم مطلقاً ممتنع ہوتی ہے خواہ فاء مانع کے علاوہ کوئی دوسرا مانع ہو یا نہ ہو قرینہ لاحق کی وجہ سے۔

قولہ وقیل الخ اور کہا گیا کہ وہ یعنی جو اما اور فاء اما کے درمیان واقع ہے یعنی شرط عمل کر رہی ہے عمل مطلق یعنی اس کا شرط کا معمول ہونا معمولیت مطلقہ تقدیم کی تجویز اور تقدیم عدم تجویز دونوں میں سے کسی حال کے ساتھ مقید نہیں یعنی وہ جو اما اور فاء اما کے درمیان واقع ہو رہا ہے خواہ ایسا معمول ہو کہ فاء پر اس کا مقدم کرنا جائز ہو یا ایسا معمول ہو کہ فاء پر اس کا مقدم کرنا ممتنع اور جائز نہ ہو شارح مطلقاً کو مصدر محذوف مبنی للمفعول کی صفت بنانے کی طرف عملاً مطلقاً سے اشارہ کیا اور اس

کو ظرف زمان نہیں بنایا اور اس کا ترجمہ فی جمیع الاوقات سے نہیں کیا تاکہ اس مقابلہ کی رعایت ہو جاوے جو اس کے اور اس کے تفصیل کی درمیان ہے جو آنے والی ہے چنانچہ اس تفصیل میں جواز التقدیم اور امتناع التقدیم میں فرق کیا ہے۔

قولہ مثل اما یوم الجمعۃ فزید منطلق پس اس کی تقدیر پہلے مذہب پر مہما یکن من شیئ فزید منطلق یوم الجمعۃ ہے مہما زمان کے علاوہ ما لا یفعل کے واسطے اسم ہے اور یکن تامہ ہے اور اس کا فاعل وہ ضمیر مستتر ہے جو مہما کی طرف راجع ہے اور تعمیم کے زیادہ ہونے کیلئے مہما کیواسطے بیان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مہما تاتنا بہ من آیۃ اور اخفش کے قول

پر من زائدہ ہے قال کے اعتبار سے من استغراقیہ ہے یہ اخفش کا وہم ہے غرضیکہ اول مذہب پر اس کی تقدیر مہما یکن من شیئ فزید منطلق یوم الجمعۃ ہے فعل شرط جو لہ یکن من شیئ ہے حذف کر دیا اور مہما کی جگہ میں اما قائم کر دیا اب اما فزید منطلق یوم الجمعۃ ہو گیا اور یوم الجمعہ کو اما اور فاء اما کے درمیان میں لے آئے تاکہ شرط اور جزاء کے دونوں حرفوں میں توالی لازم نہ آئے پس اما یوم الجمعۃ فزید منطلق ہوا جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

قولہ من شیئ الخ پس قولہ یوم الجمعۃ انطلاق کے واسطے ظرف ہے پس مہما شرط کے معنی کو متضمن ہے اور اس کی خبر صرف فعل شرط ہے یا تنہا جواب یا دونوں کا مجموعہ اس میں مختلف اقوال ہیں اور یکن تامہ یوجد کے معنی میں ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جو مہما کی طرف راجع ہے اور من شیئ اس کا بیان ہے اور اس کا فائدہ بیان اور تعمیم کا زیادہ ہونا ہے کیونکہ من زائدہ ہے اور شیئ یکن کا فاعل ہے اور اس وقت مبتدا بلا عائد کے رہتی ہے اور عائد کی تقدیر باوجودیکہ اس کی ضرورت نہیں پس اس طرح ترکیب تکلف ہے اور بعض نے کہا کہ مہما یکن کی خبر ہے اس بنا پر کہ وہ ناقصہ ہے اور شیئ اس کا اسم ہے اور من زائدہ ہے بعض نے کہا کہ اس کی اصل ان یکن فی الدنیا شیئ ہے پس شرط حذف کرکے ماکو ان کے ساتھ زیادہ کر دیا پھر نون کو میم کرکے ادغام کر دیا اور حرف

منطلق یوم الجمعۃ حذف فعل لشرط الذی ھو یکن من شیٔ و اقیم اما مقام مھما و وسط یوم الجمعۃ بین اما و فائھا لئلا یلزم توالی حرفی الشرط والجزاء فصار اما یوم الجمعۃ فزید منطلق کما تری واما علی المذھب الثانی فتقدیرہ مھما یکن من شیٔ یوم الجمعۃ فزید منطلق فیوم الجمعۃ معمول الفعل الشرط فلما حذف فعل الشرط صار اما یوم الجمعۃ فزید منطلق فھذا القائل لم یجعل لاما خاصیۃ جواز التقدیم اصلاً وقیل والقائل المازنی

حذف کر دیا گیا ہے شرط کا وہ فعل جو کہ یکن من شیٔ ہے اور قائم کر دیا گیا ہے اس کی جگہ اما کو اور یوم الجمعۃ کو اما اور اس کے فاء کے درمیان وسط میں لایا گیا ہے تاکہ دونوں حروف شرط اور جزاء کی توالی و تسلسل لازم نہ آئے پس اما یوم الجمعۃ فزید منطلق ہو گیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور بہرحال مذہب ثانی کی بنا پر تو پس اس عبارت کی اصل یہ ہے کہ مھما یکن من شیٔ یوم الجمعۃ فزید منطلق پس یوم الجمعۃ شرط کے فعل کا معمول ہے پس جب کہ شرط کا فعل حذف کر دیا گیا ہے اور اما یوم الجمعۃ فزید منطلق ہو گیا پس اس قائل نے اما کے لئے تقدیم کے جواز کا خاصہ ہونا بالکل قرار نہیں دیا اور کہا گیا ہے اور قائل مازنی ہیں اگرچہ وہ جو اما اور اسکے عوض شرط کا معمول ہے اور وہ فاء پر مقدم ہے .

شرط کے ہمزہ کو فتحہ دیدیا تاکہ اما عاطفہ کے ساتھ اس کا التباس لازم نہ آوے اور اس کے باوجود اس کا فتحہ اس تخفیف سے ہے جو اس کے مناسب ہے چونکہ اس کا استعمال کثیر ہے اور اس ترکیب کے مذکور کے معنی میں کہا گیا کہ اس کے معنی ہے ای شیٔ یا ای حالۃ یکون فزید فیہا منطلق یوم الجمعۃ یعنی جو شیٔ ہو یا جو حالت ہو پس زید جمعہ کے دن اس میں چلنے والا ہے .

قولہ واقیم اما مقام مھما الخ اس میں اس پر رد ہے جس نے یہ کہا کہ اما کی اصل مھما ہے اولاً اس میں قلب کیا یعنی ہار کو شروع میں لگا کر میم کو مؤخر کر کے ادغام کر دیا ہما ہوا اس کے بعد ہار کو ہمزہ سے بدل لیا اما ہو گیا اس قول کو رد اس وجہ سے کہا کہ اس میں قلب اور ابدال کے ساتھ اسم کو حرف بنانا لازم آرہا ہے .

قولہ لئلا یلزم الخ تاکہ حرف شرط اور حرف جزاء دونوں کی لگاتار ہی لازم نہ آوے کیوں کہ یہ ایک تو اس کا وہم ڈالتا ہے معطوف علیہ کے بغیر معطوف مذکور ہے دوسرے اس کا وہم ہوتا ہے سبب کے بغیر مسبب موجود ہے اس وجہ سے دونوں میں فصل مذکور کیا گیا .

قولہ واما علی المذہب الخ اور دوسرے مذہب پر اس کی تقدیر مھما یکن من شیٔ یوم الجمعۃ فزید منطلق ہے یعنی یوم الجمعۃ شرط کا ظرف اور اس کی قید ہے اور انطلاق بے قید ہے پس یوم الجمعۃ اسی تقدیر پر فعل شرط کا معمول ہے پس جب فعل شرط حذف کیا گیا تو اما یوم الجمعۃ فزید منطلق ہو گیا پس اس قائل اما کے واسطے تقدیم کی جواز کی خاصیت بالکل قرار نہیں دی شارح نے بتایا کہ اس قول کا قائل اگرچہ مصنف نے نہیں بیان کیا مجہول صیغہ قیل لاکر مبہم کر دیا لیکن اس کا قائل مبرد ہے پس اس شی کی تقدیم کا جواز فاء پر جو فاء کے تحت میں ہے سیبویہ کا مذہب ہے کیوں کہ مبرد کے نزدیک

قولہ وقیل والقائل المازنی اور کہا گیا شارح فرماتے ہیں کہ اس قول کا قائل مازنی ہے اس نے سیبویہ اور مبرد کے قول میں محاکمہ کو اختیار کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ فاء کے حیز میں جو جزء ہے وہ اما اور فاء کا عوض اور واسطہ بن سکتا ہے خواہ اس جزء کا فاء پر مقدم کرنا جائز ہو یا نہ ہو یہ مطلقاً حکم نہیں ہے بلکہ جب کہ اس جزء کا فاء پر مقدم کرنا جائز

ان كان ما يتوسط بين اما وفائها جائز التقديم على الفاء مع قطع النظر عن الفاء كالمثال المذكور فمن قبيل القسم الاول فهو ان يكون المتوسط جزء الجزاء قدم على الفاء والّا اى وان لم يكن جائز التقديم مع قطع النظر عن الفاء بل انضم اليها مانع آخر مثل امّا يوم الجمعة فان زيداً منطلق فان ما فى حيز ان لا يعمل فيما قبلها فمن قبيل القسم الثانى وهو ان يكون المتوسط معمول الشرط المحذوف وهذا القائل ميز بين ان لا يكون وراء الفاء مانع آخر وبين ان يكون فجعل لاما قوة رفع حكم الامتناع

فار کے درمیان واقع ہے جائز التقدیم ہو فار پر فار سے قطع نظر کرتے ہوئے جیسے مذکورہ مثال میں تو از قبیل قسم اول ہوگا اور وہ یہ ہے کہ متوسط جزار کا جزء واقع ہو فار پر مقدم کیا گیا ہے اور ورنہ یعنی اگر جائز التقدم مع قطع النظر عن الفاعل نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا مانع ملا ہوا ہو جیسے اما یوم الجمعۃ فان زیداً منطلق اس وجہ سے کہ جو ان کے حیز میں واقع ہے وہ اپنے ماقبل پر عمل نہیں کرتا پس وہ از قبیل ثانی ہوگا اور وہ یہ کہ متوسط شرط محذوف کا معمول ہو اور اس قائل نے تمیز کی ہے درمیان اس کے کہ فار کے ماوراء کوئی مانع نہ ہو اور اس کے درمیان کہ کوئی مانع موجود ہو پس اس نے اول سے اما کے لئے امتناع کے حکم کی قوت

نہ ہو تو عوض نہیں بن سکتا ہے صرف اس وقت عوض بن سکتا ہے جبکہ فار پر اس جزء کا مقدم کرنا جائز ہے ایسے ہی جو مبرد نے ذکر کیا کہ فار کا مابعد جزار وا ما و فار کے درمیان شرط کا عوض بن کر واسط نہیں بن سکتا خواہ فار پر اس جزء کا مقدم کرنا جائز ہو یا جائز نہ ہو یہ مطلقاً حکم درست نہیں ہے بلکہ وہ شرط کا معمول ہے اس کا یہ قول علی الاطلاق درست نہیں بلکہ جب کہ فار

کا مابعد ایسا ہو کہ اس کا مقدم کرنا جائز نہیں تو شرط کا عوض نہیں ہے بلکہ شرط کا معمول ہے اور اگر وہ جزء ایسا ہے کہ فار پر مقدم ہو سکتا ہے تو پھر وہ جو اما و فار کے درمیان ہے شرط کا معمول نہیں بلکہ جزار کا جزء ہے غرضیکہ ہر دو کا قول علی الاطلاق درست نہیں چنانچہ یہ قائل کہتا ہے ۔

قولہ ان کان ما یتوسط الخ شارحؒ ما یتوسط اما و فائہا کان ضمیر جو اسم کان ہے اس کا مرجع بیان کرتے ہیں یعنی اما اور اما کی فار کے درمیان دیکھا اگر درمیان جو واقع ہے اس کا فار مقدم کرنا جائز ہے فار سے قطع نظر کرتے ہوئے یعنی فار کے علاوہ کوئی دوسرا مانع نہ ہو جیسے مثال مذکور اما زید فذاہب تو وہ قسم اول کے گروہ سے ہے یعنی وہ متوسط جزار کا جزء ہوگا جو فار پر مقدم کر دیا۔ چوں کہ اما کے واسطے خاصیت ہے جس کی وجہ سے اس کو جو فار کے حیز میں ہوگا وہ فار پر مقدم ہو سکتا ہے اور اگر وہ متوسط ایسا ہے کہ فار سے قطع نظر کرنے کے باوجود ہی اس کا فار پر مقدم کرنا جائز نہیں یعنی فار کے مانع کے ساتھ دوسرا کوئی مانع اس کے ساتھ مل گیا جیسے اما یوم الجمعۃ فان زیداً منطلق پس اس مثال میں ایک تو فار مانع ہے اس کے ساتھ ان مانع مل گیا کیوں کہ ان کے حیز میں جو ہوتا ہے وہ اس میں عمل نہیں کرتا جو ان کے ماقبل میں ہو تو وہ قسم ثانی کے گروہ سے ہے یعنی وہ یہ ہے کہ متوسط شرط محذوف کا معمول ہے اور اس کے قائل مازنی نے اس کے درمیان فرق کر دیا کہ اس فار کے علاوہ دوسرے مانع نہ ہو اور اس کے درمیان کہ اس کے فار مانع کے علاوہ دوسرا مانع ہو اسی وجہ سے اول قسم میں کہا کہ فار مانع کے علاوہ دوسرا مانع فار کے ساتھ نہ ملا ہو فار مانع سے قطع نظر کرنے کے ساتھ اور دوسری قسم فا مانع

عن اول دون الثانی ھذا تقدیر الکلام اذا کان ما بعد اما منصوبا واما اذا کان مرفوعا نحو اما زید فمنطلق فتقدیرہ علی المذھب الاول مھما یکن من شئ فزید منطلق اقیم اما مقام مھما وحذف فعل الشرط ووسط زید بین اما والفاء لما ذکر فصار اما زید فمنطلق فارتفاع زید بالابتداء کما کان اولاً وعلی المذھب الثانی مھما یکن زید فمنطلق ای فھو منطلق اقیم اما مقام مھما وحذف فعل الشرط فصار اما زید فمنطلق فزید فاعل لفعل المحذوف واما تقدیرہ علی تقدیر الرفع

رکھی ہے نہ کہ ثانی سے کلام کی تقدیر یہ ہے جب کہ اما کا مابعد منصوب ہو اور بہرحال جب مرفوع ہو جیسے اما زید فمنطلق تو اس کی تقدیر اول مذہب پر مہما یکن من شئ فزید منطلق ہو گی اما کو مہما کی جگہ قائم کیا گیا ہے اور شرط کا فعل حذف کردیا گیا ہے اور زید کو وسط میں لایا گیا ہے اما اور فاء کے جیسا کہ ذکر کیا گیا پس اما زید فمنطلق ہو گیا پس زید کا رفع ابتداء کی وجہ سے ہے جیسا کہ شروع میں تھا اور مذہب ثانی کی بنا پر مہما یکن زید فمنطلق ہے یعنی فھو منطلق، اس مثال میں اما کو مہما کی جگہ قائم کیا گیا ہے اور شرط کا فعل حذف کردیا گیا ہے پس وہ اما زید فمنطلق ہو گیا پس اس مثال میں زید فعل محذوف کا فاعل واقع ہے اور بہرحال اس کی اصل رفع کی تقدیر پر مہما یکن زید فھو منطلق کے

کے علاوہ دوسرا مانع بھی فاء کے ساتھ موجود ہو مع قطع فاء مانع کے پس اس قائل نے ان دونوں کے اندر تمیز کردی پس اس قائل نے اما کے واسطے یہ قوت قرار دی کہ وہ اما اول سے امتناع کا حکم دیتا ہے اور ثانی سے نہیں اٹھا دیتا ہے یعنی وہ امتناع جو قسم اول میں ہے اس امتناع کے قوت امتناع کے واسطے پس قولہ عن القسم الاول اس قوت کے متعلق ہے جو رفع کے ساتھ متعلق ہے حاصل یہ ہے کہ اس قائل نے اما کے واسطے تقدیم کے جواز کی خاصیت اس تقدیر پر قرار دی جو اما اور فاء کے درمیان متوسط ہے فاء پر اس کی تقدیم اس وقت جائز ہے جب کہ دوسرا مانع فاء کے ساتھ نہ ہو اور سیبویہ کے مختار کے مانند اس کے واسطے مطلقاً خاصہ قرار نہیں دی ۔

قولہ ہذا تقدیر الکلام الخ یہ کلام کی تقدیر اس وقت ہے جب کہ وہ چیز جو اما کے بعد میں ہے منصوب ہو اور جب کہ متوسط ظرف کے علاوہ اور مفاعیل میں سے ہو جیسے مفعول بہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں فاما الیتیم فلا تقہر تو اس میں تقدیر ثانی کا جاری ہونا محل بحث ہے کیوں کہ مہما یکن الیتیم کہنا درست نہیں ہوتا ہے اس پر الیتیم فعل شرط کا معمول ہو اور بہرحال وہ شئی جو اما کے بعد میں مرفوع ہو جیسے اما زید فمنطلق پس اول مذہب پر اس کی تقدیر مہما یکن من شئی فزید منطلق ہے اما کو مہما کی جگہ میں قائم کردیا گیا اور فعل شرط کو حذف کردیا گیا اور زید اما اور فاء کے درمیان قائم کردیا اس وجہ سے جو ذکر کیا گیا یعنی تاکہ حرف شرط وحرف جزاء کی توالی لازم نہ آئے پس اما زید فمنطلق ہو گیا پس زید کا مرفوع ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے جیسے وہ اول میں مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع تھا یعنی فاء پر مقدم کرنے سے پہلے جیسے مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ویسے ہی فاء پر مقدم ہونے کے بعد مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے ۔

قولہ علی المذہب الثانی دوسرے مذہب پر اس کی تقدیر مہما یکن زید فمنطلق یعنی فھو منطلق ہے اما کو مہما کی جگہ میں قائم کردیا اور فعل شرط کو حذف کردیا پس اما زید فمنطلق ہو گیا اس مذہب پر زید فعل محذوف کا فاعل ہے ۔

قولہ واما تقدیرہ علی تقدیر الرفع الخ بعض

بمهما يذكر زيد فهو منطلق بصيغة الفعل لغائب المجهول على ان يكون زيد مرفوعاً بانه فاعل لفعل المحذوف وتقديره على تقدير النصب بمهما تذكر يوم الجمعة بصيغة الفعل المخاطب المعلوم على ان يكون يوم الجمعة منصوباً بانه مفعول به للفعل المحذوف فوجهه غير ظاهر مع انه يوهم جواز اما زيداً فمنطلق بالنصب بتقدير تذكر على صيغة المعلوم المخاطب و جواز اما يوم الجمعة فزيد منطلق برفع اليوم بتقدير يذكر على صيغة المجهول الغائب مع عدم جوازهما بلا خلاف وانما مثل

ذریعہ فعل غائب مجہول کے صیغہ کے ذریعہ اس شرط پر کہ زید مرفوع ہے اس وجہ سے کہ وہ فعل محذوف کا فاعل ہے اور اس کی اصل نصب کی تقدیر پر مہما تذکر یوم الجمعۃ کے ذریعہ فعل حاضر معروف کے صیغہ کے ساتھ اس شرط پر کہ یوم الجمعہ منصوب ہو اس وجہ سے کہ وہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے تو اس کی وجہ ظاہر نہیں ہے اسی کے ساتھ یہ بھی وہم کیا جاتا ہے کہ اما زیداً فمنطلق نصب کے ساتھ جائز ہے تذکر کی تقدیر پر اس بنا پر کہ وہ صیغہ حاضر معروف ہے اور اما یوم الجمعۃ فزید منطلق کا جائز ہونا الیوم کے رفع کے ساتھ یذکر کی تقدیر پر صیغہ مجہول غائب کی وجہ سے بلا کسی اختلاف کے دونوں کے جائز نہ ہونیکے باوجود اور مصنف نے

حضرات اس کی تقدیر رفع کی تقدیر پر مہما یذکر زید فہو منطلق کرتے ہیں فعل غائب مجہول کے صیغہ کے ساتھ اس بنا پر کہ زید مرفوع ہے اس وجہ سے کہ وہ فعل محذوف کا فاعل ہے یعنی فاعل حکمی یعنی نائب الفاعل ہے اور مہما سے مراد احوال اور روابط محذوف ہے یعنی ای حالۃ یذکر زید علیہا فہو منطلق اور نصب کی تقدیر پر اس کی تقدیر مہما تذکر زید یوم الجمعۃ کرتے فعل مخاطب معلوم کے

صیغہ کے ساتھ اس پر یوم الجمعۃ فعل محذوف کے واسطے مفعول بہ یعنی جو فعل مقدر کیا جاتا ہے وہ ذکر فعل سے مشتق ہے اور فعل عام کون سے مشتق نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں یعنی اس صورت میں جب کہ اما کے بعد میں مرفوع ہو اور اس صورت میں بھی جب کہ اما کے بعد منصوب واقع ہو شارح فرماتے ہیں اس تقدیر کی وجہ ظاہر نہیں ہے غالباً اس کی وجہ یہ

ہے کہ یہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے اس قول فاما الیتیم فلا تقہر میں جاری ہوتی ہے اور یکن کی تقدیر جاری نہیں جیسا کہ پہلے گذرا لیکن یہ تقدیر مفعول لہ اور حال اور جار مجرور میں جاری نہیں ہوتی پس قولہ اما تقدیرہ الخ مبتدا ہے اور قولہ فوجہہ غیر ظاہر اس کی خبر ہے اور یہ جملہ استینافیہ ہے اور ظاہر نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تذکر فعل محذوف خاص ہے اور فعل خاص کا قرینہ خاص کے بغیر جائز نہیں ہے بخلاف یکن کے کہ یہ فعل عام ہے۔

قولہ مع انہ یوہم جواز اما زیداً فمنطلق یعنی اول تو اس تقدیر کی وجہ ظاہر نہیں ہے اور اس کے باوجود یہ تقدیر اس کا وہم ڈالتی ہے کہ اما زیداً فمنطلق نصب کے ساتھ جائز ہو کر اس کی تقدیر تذکر کے ساتھ کرلی جو کہ صیغہ معلوم مخاطب پر ہے ایسے ہی یہ تقدیر اس کا وہم ڈالتی ہے اما یوم الجمعۃ فزید منطلق یوم کے رفع کے ساتھ کہ یذکر علی الصیغۃ المجہول الغائب باوجودیکہ بلا خلاف جائز نہیں بعض حواشی میں کہا کہ مصنف نے اس سے اس پر دلیل پکڑی ہے کہ جب کہ اما زید فمنطلق کہا جائے تو انطلاق زید کی خبر دیتا ہے پس جب یہ کہا جائے اما یوم الجمعۃ فزید منطلق یوم کے ذکر سے غرض ہے کہ جمعہ کا دن انطلاق کے واسطے ظرف ہے اور اس معنی کی تحقیق اس کو باطل کردیتی ہے جس کا وہ ذکر کررہے ہیں ــــ قولہ انہ یوہم الخ شارحؒ یوہم کہا کیوں کہ تقدیر سے مقصود اس رفع و نصب کی صورت میں جو استعمال میں واقع

المص بما تکون الواسطة بین اما وفائها منصوبة بظهور امثلة کونهما مرفوعة لکثرتها حرف الردع کلا الردع هو الزجر والمنع تقول لشخص فلان یبغضك فیقول کلا ردعا لك ای لیس الامر کما تقول و قد یجئ بعد الطلب لنفی اجابة الطالب کقولك لمن قال لك افعل کذا کلا ای لا اجاب الی ذلك وقد جاء ای کلا بمعنی حقا والمقم

مثال میں ذکر کیا اس کو جو کہ اما اور اس کے فاء کے درمیان واسطہ ہے اور منصوب ہے اس لئے کہ اس کے مرفوع ہونے کی مثالیں ظاہر ہیں کیوں کہ وہ بکثرت ہیں اور حروف ردع کلاّ ہے ردع کے معنی زجر اور منع کرنے کے ہیں تم فلاں آدمی سے کہتے ہو فلان یبغضک پس وہ کہتا ہے کلاّ ہرگز نہیں، تمہاری تردید کرتے ہوئے یعنی واقعہ نہیں ہے جیسا کہ تم کہتے ہو اور کبھی طلب کے بعد بھی مستعمل ہے طالب کے جواب کی نفی کرنے کے لئے جیسے تمہارا قول اس شخص کیلئے جس نے تم سے کہا افعل کذا ہرگز نہیں یعنی اس کو قبول کرنے کی طرف اور تحقیق کہ ثابت ہے یعنی کلا حقا کے

ہے اعراب کی وجہ بیان کرتی ہے اور استعمال تقدیر پر متفرع نہیں ہے لیکن مقید کا تعدد دونوں حالتوں میں اس کا وہم ڈالتا ہے کہ اعراب تقدیر کے تابع ہے اور اس سے ظاہر ہوا کہ تمہاری زید کی تقدیر میں ابہام نہیں ہے کیوں کہ تمام صورتوں میں مقدر ایک ہے اور اعراب تقدیر کے اختلاف کے ساتھ دائر نہیں ہے۔

قولہ جواز اما الیوم الجمعۃ فزید منطلق برفع الیوم بتقدیر یذکر الخ اس کا جائز نہ ہونا تذکر کے تقدیر کے ساتھ بلا خلاف ہے ورنہ تو اس کا جواز عائد کی تقدیر پر موجح ہے۔

قولہ جواز اما الیوم الجمعۃ الخ یعنی اس کا جواز بھی وہم ڈالتا ہے کہ فعل محذوف کے واسطے حکمی فاعل ہے۔

قولہ انما مثل المصنف الخ مصنف نے ایسی مثال بیان کی جس میں واسطہ اما اور فاء کے درمیان منصوب ہے یعنی یہ مثال بیان کی اما الیوم الجمعۃ فزید منطلق اور ایسی مثال بیان نہیں کی جس میں ان دونوں (اما اور فاء) کے درمیان واسطہ مرفوع کا ہو چوں کہ اس کی مثال ظاہر ہے کیوں کہ وہ کثیر ہے اور بہر حال ایسی مثالیں جس میں واسطہ ان دونوں کے درمیان منصوب کا ہو ظاہر نہیں ہے اس وجہ سے اس کی مثال بیان کر دی۔

قولہ حروف الردع کلا، ردع کے حروف جب مصنف حروف شرط کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب حروف ردع کے بیان کو شروع کرتے ہیں چنانچہ کہا حروف الردع ردع کے معنی زجر کرنا، اور روکنا ہے جیسا کہ تم ایک شخص کو یہ کہو

فلان یبغضک فلاں مجھ کو مبغوض رکھتا ہے پس وہ شخص کہتا ہے کلا یعنی ہرگز ایسا نہیں ہے کہ فلاں شخص مجھ کو مبغوض رکھتا ہو پس حرف ردع کلا ہے جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کلا بسیط ہے ابن یعیش کہتا ہے کہ کلا مرکب ہے کاف تشبیہ اور لا سے اس کے بعد اس کو مشدد کر دیا تاکہ تشبیہ سے نکل جائے

قولہ فیقول کلا ردعا الخ قولہ یقول غائب کے صیغہ کے ساتھ یعنی مخبر کے مقابلہ میں وہ کہتا ہے کلا درست ہونے کلا کے ردع اور منع تیرے واسطے پس یہ کلا مخبر کو ردع اور روکنا ہے اور اسکے خبر کی نفی ہے۔

قولہ ای لیس الامر کما تقول یعنی امر ایسا نہیں ہے جیسا کہ تو کہتا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فعل جو

اس کے تمام سے ہے محذوف ہے کیوں کہ حرف مستقل نہیں ہوتا ہے ایسے ہی رضی میں ہے لیکن اس میں یہ اعتراض ہے کہ یہ کلا کلام سابق سے زجر ہے پس اس سے تعلق کیلئے یہ کافی ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ مغیر ہے اور مغیر کیلئے ہوتا ہے اس لئے تقدیر ضروری ہے۔

قولہ قد یجئ بعد الطلب الخ کلا کبھی طلب کے بعد اجابت کی نفی کے واسطے آتا ہے جیسے ایک شخص نے آپ سے کہا افعل کذا آپ نے جواب میں کہا کلا یعنی اس کی طرف جس کو تم کرتے ہو اجابت نہیں کی جاوے گی رضی میں ہے کہ طلب کے بعد بھی کلا ردع یعنی منع اور زجر کے لئے آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا اے میرے رب لوٹا دو مجھکو

منه تحقيق مضمون الجملة كقوله تعالیٰ كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ وإذا كان بمعنى حقا جاز ان يقال انه اسم بنى لكون لفظه كلفظة كلا الذى هو حرف ولمناسبة معناه لمعناه لانك تردع المخاطب عما يقوله تحقيقا لضده لكن النحاة حكموا بحرفيته اذا كان بمعنى حقا ايضا لما فهموا من ان المقصود به تحقيق مضمون الجملة كالمقصود بان فلم يخرجه ذلك عن الحرفية تاء التانيث الساكنة

معنی میں اور اس سے مقصد مضمون جملہ کی تحقیق ہوتی ہے جیسے حق تعالیٰ کا فرمان کلا ان الانسان لیطغیٰ اور جب وہ حقا کے معنی میں ہو تو جائز ہے کہ کہا جائے کہ یہ اسم مبنی ہے کیونکہ اس کا لفظ لفظ کلا کی طرح ہے جو کہ حرف ہے اور اس کے معنی کے مناسب ہونے کی وجہ سے اس کے معنی کے ساتھ اس لئے کہ تو مخاطب کو زجر کرتا ہے اس بات سے جو وہ کہتا ہے اس کی ضد کے ثابت کرنے کے لئے لیکن نحویوں نے حکم کیا ہے اس کے حرف ہونے کا جب کہ وہ حقا کے معنی میں ہو نیز اس لئے کہ جب انہوں نے سمجھا کہ اس سے مقصود مضمون جملہ کی تحقیق ہوتی ہے جیسے کہ ان سے مقصود ہوتا ہے پس اس کو حرفیت سے خارج نہیں کیا تاء تانیث ساکنہ نہ کہ

امید ہے کہ عمل کروں میں اچھا اس میں جس کو میں نے چھوڑا) اور ظاہر جو شارح نے ذکر کیا کیونکہ مقصود طالب کی اجابت کی نفی ہے اس کی مسئول کی طرف اور طلب سے زجر نہیں ہے اجابت کے معنی جواب دینا جیسے اجاب عن سوالہ اور اجابت کے معنی قبول کرنا جیسے اجاب اللہ دعاءہ۔

قولہ قد جاء احمی کلا بمعنی حقاً یعنی کلا حقا کے معنی میں آیا ہے اور اس سے جملہ کے مضمون کی تحقیق ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول کلا ان الانسان لیطغیٰ۔ اور اس وقت جائز ہوتا جواب القسم کے ساتھ جواب دینا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ان الانسان لیطغیٰ اور قسم کے ساتھ جواب نہیں دیا جاتا جیسے قولہ تعالیٰ کلا بل تحبون العاجلة

قولہ واذا کان حقاً الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب حقاً اسم ہے تو یہ معرب کیوں نہیں ہوتا پس شارح نے جواب دیا کہ جب یہ بمعنی حقا ہوتا ہے تو یہ جائز ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ اسم مبنی ہے اور بناء کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کلا بمعنی حقاً کا لفظ اور معنی میں اس کلا کے ساتھ لفظ اور معنی میں مماثلت اور مناسبت رکھتا ہے جو کہ حرف ہے بمعنی ردع اس اعتبار سے اس کو مبنی قرار دیا دونوں میں مماثلت لفظی تو ظاہر ہے اور دونوں میں معنی کے اعتبار کے مناسبت اس جہت سے ہے کہ کلا جو کہ حقا کے معنی میں ہے اس سے غرض مخاطب کو زجر اور ردع ہے اس وجہ سے کہ اس کی ضد متحقق ہے بعض نے کہا کہ یہ وہم ہو نکہ دونوں کلا کے دونوں معنوں کے منافی ہے اس کے جواب کی طرف شارح نے اپنے قول لانک تردع المخاطب سے اشارہ کیا کہ یعنی کسی شئ سے روکنا، اس شئ کی نقیض کے حق ہونے کے اعتقاد سے منفک نہیں ہوتا پس تم مخاطب کو اس سے جھڑکتے ہو جو مخاطب کہتا ہے اس کی ضد کو ثابت کرنے کی غرض سے کیونکہ شئ کی حقیقت کا بیان اس کی نقیض سے ردع کیلئے ہوتا ہے پس اس اعتبار سے دونوں معنی میں طلازمت ہے معلوم ہو کہ قرآن مجید میں یہ لفظ کلا تینتیس ۳۳ جگہ آیا ہے ان تمام جگہوں میں ان کا ردع کے واسطے ہونا صحیح نہیں ہے اسی وجہ سے کلا کے معنی ردع پر اور معنی کو زیادہ کرتے ہیں پس کسائی نے کہا کہ کلا بمعنی حقا بھی ہوتا ہے اور نصیر ابن شمیل نے کہا کہ کلا حرف جواب ہوتا ہے اسے اور نعم کے درجہ میں۔

قولہ لکن النحاۃ حکموا لیکن نحویوں نے جب کہ کلا بمعنی حقا ہوتا ہے اس وقت بھی اس کے حرف ہونے کا حکم کیا کیونکہ اس سے مقصود مضمون جملہ کی تحقیق ہے اس کے مانند جو ان سے مقصود ہے۔

لا المتحركة لانها مختصة بالاسم تلحق الفعل الماضي لتكون من اول الامر علامة لتانيث المسند اليه فاعلا كان او مفعول مالم يسم فاعله وانما جعلت هذه التاء ساكنة بخلاف تاء الاسم لان اصل الاسم الاعراب و اصل الفعل البناء فتنبّه

متحرکہ کیوں کہ وہ اسم کے ساتھ مختص ہے، لاحق ہوتی ہے فعل ماضی کے ساتھ تاکہ اول وہلہ میں علامت بن جائے مسند الیہ کے مؤنث ہونے کی خواہ فاعل ہو یا مفعول مالم یسم فاعلہ ہو اور بیشک اس تار کو ساکن کیا گیا ہے بخلاف اس تار کے جو اسم میں داخل ہوتی ہے کیوں کہ اسم کی اصل اعراب کا اس پر داخل ہونا ہے اور فعل کی اصل مبنی ہونا ہے پس تنبیہ کی ہے اول امر سے کہ اس کو

پس اس وجہ سے انہوں نے اس کو حرفیت سے خارج نہیں کیا چوں کہ جب تحقیق مضمون جملہ کرتا ہے جیسے ان وہ حرف ہے پس اس کا تحقیق مضمون جملہ کیلئے ہونا اس کو حرفیت سے خارج نہیں کرتا ہے اس وجہ سے نحاۃ نے اس کے حرف ہونے کا حکم کیا۔

قولہ تا ما التانیث الخ۔ تانیث کی ساکن تار یہ تار اصل وضع میں اعتبار سے ساکن ہے اگرچہ عارض کی وجہ سے یہ متحرک ہوجاتی ہے جیسے اس کے بعد کوئی آجائے تو اس کو کسرہ کی حرکت دی جاتی ہے جیسے ہند ضربت الرجل اور جب اس کے بعد الف تثنیہ آتا ہے تو عارض الف کی وجہ سے فتحہ کی حرکت آجاتی ہے جیسے ضربتا اسی وجہ سے لام کلمہ جو دو ساکن کے ہونے کی وجہ سے ہوجاتا ہے نہیں لوٹتا ہے جیسے رمتا اور غزتا میں نہیں لوٹا۔

قولہ لا المتحرکۃ الخ یعنی ساکنہ کی قید سے متحرکہ خارج ہوگی۔ تار متحرکہ حروف میں شمار نہیں ہوتی کیوں کہ اسم کے ساتھ مختص ہے یہاں تک کہ یہ تار متحرکہ جس اسم کیساتھ ملی ہوتی ہے اس کیلئے یہ جزء کے مانند ہوتی ہے اور اس پر اعراب جاری ہوتا ہے اس کے احکام مبحث التذکیر والتانیث مؤنث کے بیان کی تبعیۃ میں بیان کردیے گئے بخلاف تار ساکنہ کے یہ فعل کے ساتھ مختص نہیں ہے یہ حرف پر بھی داخل ہوتی ہے جیسے تحتہ پس یہ تار التانیث الساکنہ مستقل کلمہ ہے پس اسی وجہ سے اس کو حرف شمار کیا اور اس کے احکام کو بالاستقلال بیان کیا۔

قولہ لانہا مختصۃ بالاسم یعنی متحرک تار اسم کے ساتھ مختص ہے اگر اس تار تانیث کو قید ساکنہ کے ساتھ مقید نہ کیا جاوے تو مصنف کا قول یلحق الفعل الماضی درست اور صحیح نہیں ہوگا شارح نے یہ جو بیان کیا کہ اس سے اتم ہے جو فاضل ہندی نے کہا کہ ساکنہ کی قید سے متحرکہ سے احتراز ہوگیا کیوں کہ وہ مسند الیہ کی تانیث کے واسطے نہیں ملائی جاتی ہے بلکہ نفس اخود اسم کی تانیث کے لئے لگائی جاتی ہے اور شارح کا قول اتم اس وجہ سے ہے کہ فاضل ہندی کے قول پر منع وارد ہوتا ہے اور تانیث کی متحرک تار حروف سے شمار نہیں کیا اور نہ علامت تثنیہ اور دونوں جمع کی علامتوں کو اسمار سے شمار نہیں کیا صرف اس وجہ سے کہ یہ تار التانیث متحرکہ جس کے ساتھ لاحق ہوتی ہے اس کے ساتھ ملکر ایک کلمہ

کے درجہ میں ہو سکتے ہے اور تثنیہ اور دونوں جمع کی علامتوں کو اس وجہ سے شمار نہیں کیا کہ وہ اسمار میں اور ان سے ان کی علامتوں کی طرف اشارہ کے اعتبار سے حروف ہونا ضعیف لغت ہے تار التانیث کے حکم کے تابع بنادیا۔

قولہ فاعلاً کان او مفعول مالم یسم فاعلہٗ۔ یعنی تانیث کی ساکن تار فعل ماضی کے آخر میں لگائی جاتی ہے تاکہ اول الامر سے مسند الیہ کی تانیث کے واسطے علامت ہوجائے یہ مسند الیہ کبھی فاعل ہوتا ہے کبھی مفعول مالم یسم فاعلہ مصنف نے مسند الیہ اس وجہ سے کہا تاکہ مسند اور مسند الیہ دونوں کو شامل ہوجاوے کیوں کہ مفعول یسم فاعلہٗ مصنف کے نزدیک فاعل نہیں ہے۔

قولہ وانما جعلت الخ اس ساکن تار کو مسند الیہ کیلئے مؤنث ہونے کو اول امر سے بتانے کیلئے فعل ما　　کے آخر میں لگاؤ

من اول الامر بسکون هذه على بناء ما لحقته وبحركة تلك على الاعراب ماوليته لانهما كالحرف الاخير مما تلحقانه فان كان اي المسند اليه اسما ظاهرا غير مؤنث حقيقي فخير اي فانت مخير بالحاق التاء التانيث وبين عدمه او فهو اي

ساکن لاکر مبنی ہونے کی طرف اس کے جس سے یہ ملی ہوئی ہے اور اس کو حرکت دیکر معرب ہونے پر جس کا تونے اس کو والی بنایا ہے یعنی جو اعراب تونے اس کو سونپ دیا ہے کیوں کہ یہ دونوں آخری حرف کے مانند ہیں اس کے جس کو یہ لاحق ہوں یعنی جس کے آخر میں یہ لاحق ہوں پس اگر وہ یعنی مسند الیہ اسم ظاہر غیر مؤنث حقیقی ہو پس اختیار دیا گیا ہے یعنی پس تو مختار ہے تاء تانیث کے لاحق کرنے کے درمیان اور اس کے عدم کے درمیان (لاحق کرے

.... جاتی ہے اس کو ساکن کیوں قرار دیا تاء اسم کے برخلاف پس اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس تاء کو ساکن اور اسم کے ساتھ لگنے والی تاء کو متحرک اسی وجہ سے قرار دیا کہ اسم کی اصل اعراب (معرب ہونا) ہے اور فعل کی اصل بناء (مبنی ہونا) ہے پس اول امر سے اس کے سکون کے ساتھ اس کے مبنی ہونے پر تنبیہ کر دی جس کے ساتھ یہ ساکن تاء لاحق ہوتی ہے اور اسم کے ساتھ لاحق ہونے والی تاء حرکت سے اس کے معرب ہونے پر تنبیہ کر دی جس کے ساتھ یہ لگتی ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں تاء جن کے ساتھ یہ لگتی ہیں ان کے اخیر حرف کے مانند ہے۔

قولہ من اول الامر یعنی اس سے پہلے کہ اس کے فعل ماضی ہونے کا علم ہو کیوں کہ فعل ماضی کا صیغہ کبھی اسم کے وزن پر ہوتا ہے جیسے ضرب اور سمع اور کرم کہ فرس اور کتف اور عضد کے وزن پر ہوتا ہے اور کبھی حرف کے وزن پر ہوتا ہے جیسے ان مفتوحہ مشددہ کہ یہ حرف کے وزن پر فعل ماضی ہے پس جب سامع کو کلام کے معنی میں غور کرنے سے پہلے اس کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ کو لاحق کر دیا جاوے گا تو شروع ہی سے سامع جان لیگا کہ یہ فعل ماضی مبنی ہے اور متحرک تاء کے شروع میں لگنے سے معلوم ہو گیا کہ یہ ملحق بہ معرب اور مبنی ہونا اور ان میں تاء تانیث ساکنہ اور تاء تانیث متحرکہ لگانے سے ملحق بہ مبنی اور معرب ہونا اس وجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ متحرک تاء اور ساکن تاء ملحق بہ کا حرف اخیر کے مانند ہوتا ہے پس جب تاء متحرکہ پر اعراب جاری ہوتا ہے تو معلوم ہو جاوے گا کہ جس کے ساتھ یہ تاء متحرکہ لگی ہوئی ہے معرب ہے اور تاء ساکن چوں کہ معرب نہیں بلکہ مبنی ہے پس معلوم ہو جاویگا کہ وہ کلمہ جس کے ساتھ تاء ملحق ہے مبنی ہے اور اس امر کا قرینہ کہ تاء متحرکہ اور ساکنہ ملحق بہ کے حرف اخیر کے مانند ہے تو تاء متحرکہ میں تو یہ بات ظاہر ہے چوں کہ اس پر اعراب جاری ہوتا ہے اور تاء تانیث کے حرف اخیر ہونے کا قرینہ فعل کے اس کا شدۃ اتصال ہے چوں کہ اس کا تلفظ فعل کے بغیر ممکن نہیں ہے اسی وجہ سے تاء کو فاعل پر مقدم کیا جاتا ہے باوجودیکہ فاعل بھی جزء کے مانند ہے۔

قولہ کالحرف الاخیر حرف اخیر کے مانند اس وجہ سے ہے تاء اسم پر اعراب جاری ہوتا ہے اور تاء تانیث ساکنہ فعل کے ساتھ اتصال بہت زیادہ ہے بغیر فعل کے اس کا تلفظ ممکن نہیں ہے اسی وجہ سے اس کو اس فاعل پر مقدم کیا جاتا ہے جو کہ فعل سے اس جزء کے مانند ہے

قولہ فان کان الخ پس اگر وہ مسند الیہ اسم ظاہر غیر مؤنث حقیقی ہو تو تاء التانیث کے لگانے اور اس کے نہ لگانے کے درمیان اختیار دیا ہوا ہے چاہے تم اس صورت مذکورہ میں تاء تانیث ساکنہ کے فعل کے ساتھ لگانے اور نہ لگانے میں مختار ہو چاہے لگاؤ چاہے نہ لگاؤ معلوم ہو کہ فخیر ان کان ظاہرا الخ شرط کی جزاء ہے اور جزاء جملہ ہوتی ہے اس وجہ سے شارح نے فانت مقدر کر کے بتایا کہ انت

الحاق تاء التانیث مخیر فیہ علی الحذف والایصال وھذہ المسألۃ قد تقدمت الا انہا ذکرت فیما تقدم من حیث انہا من احکام المؤنث وھٰھنا من حیث انہا من احکام تاء التانیث

واما الحاق علامۃ التثنیۃ والجمعین ای جمعی المذکر والمؤنث فی مثل قاما الزیدان وقاموا الزیدون وقمن النساء فضعیف لعدم احتیاجہما الی ھذہ العلامات مثل احتیاج المسند الیہ

یا نہ کرے) یا پس وہ یعنی تاء تانیث کا لاحق کرنا حذف کرنے اور ایصال میں اختیار دیا گیا ہے اور یہ مسئلہ تحقیق پہلے گذر چکا ہے مگر ما سبق میں ذکر کیا گیا تھا اس حیثیت سے کہ وہ مؤنث کے احکام میں سے ہے اور یہاں پر اس حیثیت سے کہ تاء تانیث کے احکام میں سے ہے اور بہر حال علامت تثنیہ اور جمع کی یعنی جمع مذکر اور مؤنث کی قاما الزیدان اور قاموا الزیدون اور قمن النساء جیسی مثالوں میں تو وہ ضعیف ہے اسکے محتاج نہ ہونے کی بنا پر ان علامتوں کی طرف ایسی

مبتدا مقدر ہے اور مخبر خبر پھر جملہ اسمیہ کی طرف راجع ہے دوسری صورت یہ ہے کہ ہو ضمیر مبتدا مقدر کی جائے یہ ضمیر الحاق تاء التانیث کی طرف راجع ہے جو تلحق الفعل الماضی الخ مفہوم ہو رہا ہے اس وقت فیہ علی الحذف والایصال مخبر کا متعلق محذوف ہے یعنی اگر مسند الیہ اسم ظاہر غیر حقیقی ہو پس وہ ملانا تاء التانیث الساکنۃ پس اس الحاق میں اختیار دیا ہوا ہے حذف اور ایصال پر ۔

قولہ ہذہ المسألۃ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جس کو صاحب المتوسط نے ذکر کیا کہ یہ تکرار ہے کیوں کہ مصنف اس مسئلہ کو پہلے مذکر و مؤنث کی بحث میں ذکر کر چکا ہے شارح جواب دیتے ہیں کہ تکرار لازم نہیں آتا ہے کیونکہ اس مسئلہ کو دونوں جگہوں میں ذکر کرنا دو مختلف حیثیتوں کی وجہ سے ہے کیونکہ مذکر و مؤنث کی بحث میں اس کا ذکر مقصود بالذات ہونے کی حیثیت سے ہے کیوں کہ اسمیں اسم مؤنث پر حکم قصداً ہے اور یہاں پر اس کا مقصود حکم سابق کے تابع ہونے کے اعتبار سے ہے یعنی ساکن تاء تانیث کا لاحق ہونا مسند الیہ کے مؤنث ہونے کے اعتبار سے کیوں کہ اس سے تمام صورتوں میں وجوب متبادر ہوتا ہے پس اس سے صورت نکالدیا کہ اس میں اس کا فعل کے ساتھ اختیار پر ہے پس گویا کہ یہ اس سے استثناء ہے اسی وجہ سے یہاں پر اس سے اسی قدر پر کفایت کرلی اور الحاق کی تمام صورتوں کو نہیں بیان کیا ۔

قولہ واما الحاق علامۃ یعنی تثنیہ وجمع کی علامتوں کا فعل کے ساتھ لگانا یہ مستانفہ الی المعانی ہے اس سے ایک وہم کو دور کرنا ہے تثنیہ وجمع کی علامتوں کا لگانا تاء التانیث کے لگانے کے مانند ہے مسند الیہ کے مثنی اور مجموع ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے اور مصنف نے اس الحاق کو ماضی اور فعل کے ساتھ مقید نہیں کیا اس سے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ علامت اور جمع کے ملانے کا حکم عام ہے چنانچہ ان کا ماضی اور مضارع اور صفت سب کے ساتھ ہوتا ہے

قولہ ای جمعی المذکر والمؤنث الخ یعنی تثنیہ کی علامت کا لگانا جیسے قاما الزیدان اور مذکر و مؤنث دونوں کی جمع کا علامت کا لگانا یعنی مذکر غائب کی علامت کا لگانا جیسے قاموا الزیدون اور جمع مؤنث کی علامت کا لگانا جیسے قمن النساء غرضیکہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں لگانا ضعیف ہے لیکن یہ ضعیف ہونا اس وقت ہے جبکہ ان کی اسناد اسم ظاہر کی طرف ہو جوں کہ یہ تثنیہ اور دونوں جمع مذکر غائب اور مؤنث غائب اس وقت ان علامتوں کی طرف محتاج نہیں ہیں جیسے مسند الیہ تانیث کی علامت کی طرف محتاج ہے کیوں کہ مسند الیہ کی تانیث کبھی معنوی ہوتی ہے جیسے زینب اور کبھی سماعی جیسے الشمس (سورج) اور تثنیہ اور جمع کی علامتیں اکثر

الی علامۃ التانیث لان تانیثہ قد یکون معنویا او سماعیا وعلامۃ التثنیۃ والجمع غالباً ظاہرۃ غایۃ الظہور واذا الحقت علٰی ضعفہا فلیست بضمائر لئلا یلزم الاضمار قبل الذکر من غیر فائدۃ بل ہی حروف اتی بہا للدلالۃ من اول الامر علٰی احوال الفاعل کتاء التانیث وفی شرح الرضی ہذا ما قالہ النحاۃ ولا منع من جعل ہذہ الحروف ضمائر وابدال الظاہر منہا والفائدۃ فی مثل ہذا الابدال ما مر فی بدل الکل من الکل او تکون الجملۃ خبر المبتدا المؤخر والغرض کون الخبر مبہما التنوین

جیسی احتیاج مسند الیہ کو ہوتی ہے علامت تانیث کی طرف کیوں کہ اس کی تانیث کبھی معنوی ہوتی ہے یا سماعی ہوتی ہے اور علامت تثنیہ اور علامت جمع غالباً ظاہر ہی ہوتی ہے اور ظہور بھی غایت درجہ کا اور جب یہ علامتیں ضعف کے باوجود لاحق ہو گئیں تو وہ ضمیر نہیں ہوئیں تاکہ اضمار قبل الذکر بلا فائدہ کے لازم نہ آوے بلکہ یہ حروف ہوتے ہیں جن کو لایا جاتا ہے اول امر میں دلالت کرنے کیلئے فاعل کے حالات پر جیسے "تار تانیث اور شرح رضی میں لکھا ہے یہ وہ قول ہے جس کو نحویوں نے کہا ہے اور ان حروف کے ضمائر قرار دینے میں کوئی مانع نہیں ہے اور ان سے ظاہر کے بدل دینے میں اور فائدہ ان جیسی تقدیر و توضیح سے بدلنا ہے اس کو جو گذر چکا ہے بدل کل من الکل کی بحث میں یا جملہ مبتدا موخر کی خبر ہو اور غرض مبہما کا خبر ہونا ہے تنوین اصل میں نونتہ کا مصدر ہے یعنی میں نے

بہت ظاہر ہوتی ہو البتہ جب کہ مدغم ہوں یا التقاء ساکنین کی وجہ سے محذوف ہو ایسے من اور ما جب کہ ان دونوں جمع مراد ہو تو اس وقت تثنیہ اور جمع کی علامتیں ظاہر نہیں ہوتی ہیں اس وجہ سے فعل کے ساتھ تثنیہ اور جمع کی علامتیں لگانا ضعیف ہوگا۔ قولہ واذا الحقت علٰی ضعفہا یعنی

جب کہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں فعل کے ساتھ لگائی جاویں باوجودیکہ ان کا لگانا ضعیف ہے پس یہ ضمیریں نہیں ہوں گی تاکہ اضمار قبل الذکر بلا فائدہ لازم نہ آوے بلکہ وہ ایسے حروف ہیں جن کو اسی وجہ سے لایا گیا تاکہ اول الامر ہی فاعل کے احوال پر دلالت ہو جاوے جیسے تا رنیث کی تار

شارح نے فرمایا تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آوے اور یہ نہیں کہا تاکہ ایک فعل کیساتھ دو فاعل کا جمع ہونا لازم نہ آوے جس کا بیان عنقریب آویگا چوں کہ اسم ظاہر کا ام سے بدل ہونا یا جملہ کا مبتدا موخر کی خبر ہونا جائز ہے معلوم ہو کہ شارح نے فرمایا کہ بلا فائدہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آوے بلا فائدہ کی قید اس وجہ سے لگادی تاکہ نعم رجلاً اور ربہ رجلا اور باب التنازع سے احتراز ہو جاوے چوں کہ ان میں فائدہ کی بنا پر اضمار قبل الذکر جو لازم آتا ہے جائز ہے۔ قولہ فی شرح الرضی الخ شرح رضی میں ہے کہ وہ ہے جس کو وہ نحاۃ نے کہا کہ یہ علامتیں حروف ہی ہیں تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آوے لیکن اگر ان علامتوں کو حروف قرار نہ دیں بلکہ ان حروف کو ضمیریں ہی قرار دیں اور اسم ظاہر کو ان ضمیروں سے بدل بنالیں تب اس وقت اضمار قبل الذکر بے فائدہ لازم نہ آوے گا بلکہ اس صورت میں ایسا ہی فائدہ حاصل ہوگا جیسا کہ بدل الکل من الکل بنانے میں ہے یعنی تقریر یا توضیح کا فائدہ حاصل ہوگا اس وجہ سے ان حروف کو ضمیریں قرار دینا ممنوع نہیں ایسے ہی اگر ان حروف کو ضمیریں قرار دیکر فعل فاعل سے جملہ فعلیہ بناکر خبر مقدم قرار دیں اور اسم ظاہر کو مبتدا موخر تب بھی اضمار قبل الذکر بلا فائدہ لازم نہیں آویگا اس لئے ان علامتوں ضمیریں قرار دینا ممنوع نہیں ہے قمن اور قاما اور قاموا اسم ظاہر مبتدا موخر ہے اور یہ جملہ فعلیہ ہو کر النساء اور الرجلان

فی الاصل مصدر نونته ای ادخلته نونا فسمی مابه ینون الشی اعنی النون تنوینا اشعارا لحدوثه وعروضه لما فی المصدر من معنی الحدوث ولهذا سمی سیبویه المصدر حدثا او هی فی الاصطلاح نون ساکنة ای بذاتها فلا تضرها الحرکة العارضة مثل عاد الاولیٰ وهی شاملة نون من ولدن ولم یکن وامثالها فاخرجها بقوله تتبع حرکة الاخر ای اخر الکلمة فان هذه اواخر تلک الکلمات لا توابع حرکات اواخرها ف

اس میں نون کو داخل کیا پس نام رکھا گیا اس شئی کا جس کے ذریعہ تنوین دی گئی ہو یعنی نون کا نام تنوین رکھدیا گیا خبر دیتے ہوئے اس حادث ہونے اور عارض ہونے کی طرف کیوں کہ مصدر میں حدوث کے معنی پائے جاتے ہیں اسی لئے سیبویہ نے تو مصدر کا نام حدوث رکھا ہے اور وہ اصطلاح میں نون ساکنہ ہے یعنی بذاتہ باعتبار وضع کے پس حرکت عارضی اس کو مضر نہیں ہے جیسے عادن الاولی اور یہ شامل ہے من، لدن، لم یکن اور ان جیسوں کی نون کو پس خارج کر دیا ان کو اپنے اس قول سے "تتبع حرکۃ الاخر" آخر کی حرکت کے تابع ہوتی ہے یعنی کلمہ کے آخر کے کیوں کہ مذکورہ یہ من، لدن، لم یکن کے نون ان کلمات کے آخری حرف میں آخر کی حرکتوں کے توابع نہیں ہیں اور مصنف نے کہا ہے تتبع حرکۃ

اور الرجال کی خبر مقدم ہے پس اس وقت اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا ہے کیوں کہ مبتدا میں تقدیم ہے پس وہ رتبۃً مقدم ہے اور شارح نے خبر کے مقدم کرنے کی علت قولہ والغرض کون الخبر مہما سے بیان کر دی یعنی خبر کا مقدم کرنا اس غرض سے ہے کہ خبر مہتم بالشان اور مہم ہے۔

قولہ التنوین یہ باب تفعیل سے مصدر ہے باب تفعیل کا خاصہ تصییر اور صیرورۃ ہے اول پر اس کے معنی ہے نون والا کر دینا اور ثانی پر اس کے معنی ہے نون والا ہو جانا یعنی شئی پر نون داخل کر کے شئی کو نون والا بنا دینا پس تنوین اصل میں مصدر ہے بولتے ہیں نونتہ یعنی نون والا بنا دیا شارح نے ادخلتہ نونا جو ترجمہ کیا یہ اس کے حاصل معنی کا بیان ہے اس کے بعد اس کا نام رکھدیا جس کے ساتھ شئی نون والا کرتے ہیں یعنی نون کا نام تنوین رکھدیا گیا نون کا تنوین مصدر کے ساتھ نام رکھنا یعنی تنوین کے ساتھ نام رکھنا اس شئی کے حدوث اور عروض سے خبر دینا ہے جس کے ساتھ تنوین آتی ہے یعنی نون چوں کہ مصدر میں حدوث کے معنی ہیں اسی وجہ سے سیبویہ نے مصدر کا نام حدث رکھا ہے پس مابہ ینون الشئی میں با سببیت یا آلہ کے لئے ہے یعنی کلمہ پر نون داخل کر کے کلمہ کو نون والا بنا دینا۔

قولہ وہی فی الاصطلاح نون ساکنۃ اور وہ تنوین اصطلاح میں ساکن نون ہے یعنی ایسا نون ہے کہ وہ بذاتہا ساکن ہے یعنی اس کے قطع نظر کرنے کے ساتھ جو اس سے خارج ہے اس طور پر کہ اس کی وضع سکون پر ہوا ہے پس اگر اس نون پر عارضی حرکت آجائے جیسے عادن الاولی میں تو اس عارضی حرکت آنے سے اس تنوین کو کچھ مضر نہیں ہے پس متحرک اصل میں ساکن ہے پس اب اس تعریف پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ یہ تعریف جامع نہیں ہے کہ ساکنہ کی قید سے تنوین متحرکہ خارج ہو گئی ایسے ہی محسن اور صائن جس وقت کہ یہ وقف پر ہوں کیوں کہ ان کے نون کا سکون تحریک کے موجب کے منتفی ہونے کی بنا پر ہے پس ان کا نون ساکن تنوین نہیں ہے۔

قولہ وہی شاملۃ الخ یعنی تنوین کی یہ تعریف من اور لدن اور لم یکن اور ان کے امثال کے نون اس تعریف میں داخل ہے اور یہ تعریف تنوین ان نون کو شامل ہے باوجودیکہ یہ نون تنوین نہیں ہیں پس مصنف نے ان نون تنوین کی تعریف سے اپنے قول تتبع حرکۃ الاخر سے خارج کر دیا الاخر میں لام بدل مضاف

انما قال تتبع حركة الأخر ولم يقل تتبع الأخر لان المتبادر من متابعتها الأخر لحوقها به من غير تخلل شئ وههنا الحركة متخللة بين أخر الكلمة والتنوين فان قلت فأخر الكلمة هي الحركة فلاحاجة الى ذكر الحركة قلت المتبادر من الأخر الحرف الأخر ولم يقل أخر الاسم ليشمل تنوين الترنم في الفعل لا لتاكيد الفعل فخرج به نون التاكيد الخفيفة ولاينتقض التعريف

الاخر اور نہیں کہا ہے تتبع الاخر اس لیئے کہ ان کے آخر کی متابع ہونے سے متبادر ہوتا ہے ان کا لاحق ہونا آخر میں بغیر کوئی چیز درمیان میں آئے ہوئے اور یہاں پر حرکت آخر کلمہ اور تنوین کے درمیان داخل ہونے والی ہے پس اگر تو اعتراض کرے کہ حرکت ہی آخر کلمہ ہے تو پھر حرکت کے ذکر کرنے کی حاجت نہ تھی میں جواب دوں گا کہ آخر سے متبادر حرف آخر ہے اور نہیں کہا ہے آخر الاسم تاکہ فعل میں جو تنوین ترنم آتی ہے یہ اس کو بھی شامل ہو جائے نہ کہ فعل کی تاکید کے لئے پس اس سے نون تاکید خفیفہ خارج ہو گیا اور تعریف اس نون سے نہیں

الیہ یا عہد کا ہے اس سے مراد آخر الکلمہ یعنی کلمہ کا اخیر یعنی کلمہ کے آخر حرف کی حرکت کے تابع ہو یعنی جس حرف پر کلمہ اپنی نہایت کو پہنچتا ہے اس کی حرکت تابع ہو اور من اور لدن اور لم یکن اور ان کی امثال میں جو نون ہیں وہ نون کلمات کے خود آخر حرف ہیں اور آخر کی حرکت کے تابع نہیں ہیں اور قائمۃ اور اصری اور قاض کلمات کے نون چونکہ ان کے حرف اخیر کی حرکت کے تابع ہیں اس وجہ سے تنوین کی تعریف میں داخل رہے چونکہ آخر کلمہ سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اس حرف کی طرف منتہی ہوئے قائمۃ میں ۃ اور بصری میں ی اس معنی کے اعتبار

سے کلمہ کا اخیر حرف ہے کہ کلمہ ان کی طرف منتہی ہوتا ہے۔

قولہ انما قال تتبع حرکۃ الآخر یعنی مصنف نے صرف یہ کہا کہ جو نون ساکن کلمہ کے آخر حرف کی حرکت تابع ہو نون تنوین اور مصنف نے یہ نہیں کہا کہ کلمہ آخر حرف کے جو ساکن نون تابع ہوتا ہے وہ نون تنوین ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ کہتے تو نون کا آخر حرف کے متابع ہونے سے یہ متبادر ہوتا کہ یہ تنوین کلمہ کے آخر حرف کے ساتھ کسی شئی کے درمیان میں آنے کے بغیر لاحق ہوتی ہے حالانکہ یہ نون ساکن (تنوین) کلمہ کے آخر حرف کو جو لاحق ہوتی

ہے تو کلمہ کا آخر حرف اور اس نون ساکن کے درمیان حرکت حائل اور متخلل ہوتی ہے اس وجہ سے یہ کہا کہ یہ نون ساکن کلمہ کے آخر حرف کی حرکت کے تابع ہوتا ہے۔

قولہ فان قلت الخ، پس اگر تم یہ کہو کہ کلمہ کا آخر خود یہ حرکت ہی ہوتی ہے اس وجہ سے حرکت کے ذکر کی طرف کچھ حاجت نہ تھی پس شارح اس کا جواب قلت سے دیتے ہیں کہ الآخر سے متبادر الی الذہن حرف اخیر ہے نہ کہ حرکت پس اگر مصنف آخر الکلمۃ کہتے تو اس کا فائدہ یہ کلام نہ دیتا جو مراد ہے کیونکہ آخر سے مراد وہ مطلقاً آخر مراد نہیں بلکہ متبادر کے قرینہ کے ساتھ وہ حرف اخیر ہے جس کے ساتھ حرکت قائم ہوتی ہے۔

قولہ ولم یقل آخر الاسم، مصنف نے الاخر کلمہ کا آخر حرف کہا اور اسم کا آخر حرف نہیں کہا کیونکہ اگر اسم کا آخر حرف کہتے تو تنوین ترنم خارج ہو جاتی کیونکہ یہ تنوین ترنم اسم کے آخر حرف کے تابع نہیں ہوتی بلکہ فعل اور اسم اور حرف تینوں کے ساتھ یہ لگ کر آتی ہے پس تاکہ تنوین الترنم کو بھی یہ تعریف شامل ہو جاوے اس وجہ سے اخر الاسم نہیں کہا بلکہ آخر الکلمہ کہا۔

قولہ لا لتاکید الفعل یعنی وہ ساکن نون فعل کی تاکید کے واسطے نہ ہو یعنے تنوین ساکن نون ہوتا ہے جو کلمہ کے آخر حرف کی حرکت تابع ہوتا ہے تو فعل کے ساتھ جو نون تاکید خفیفہ لگ کر آتا ہے یہ بھی ساکن نون ہے جو کلمہ (فعل) کے ... آخر حرف کی حرکت کے تابع ہے

بالنون فی نحو یارجل انطلق فان المراد بتبعیتها حرکۃ الآخر تطفلہا لہا فی الوجود تطفل العارض للمعروض ولیست نون انطلق تابعۃ لحرکۃ لام الرجل بہذا المعنی وھوای التنوین للتمکن وھو ما یدل علی امکنیۃ الکلمۃ ای کون الاسم لم یشبہ

ٹوٹی جو یارجل انطلق جیسی مثالوں میں موجود ہے کیوں کہ اس کی آخر کی حرکت کے تابع ہونے سے مراد اس کا اس کے طفیلی بن کر آنا ہے وجود میں جیسے عارض طفیلی ہوتا ہے معروض کے یہاں پر انطلق کا نون رجل کی لام کی حرکت کے اس معنی کے لحاظ سے تابع نہیں ہے اور وہ یعنی تنوین تمکن کیلئے آتی ہے اور تمکن وہ ہے جو دلالت کرے کلمہ کے منصرف درجہ دینے والا ہونے پر اس بات

اس لئے یہ نون خفیفہ بھی تنوین ہو حالانکہ یہ نون ساکن خفیفہ تنوین نہیں کیوں کہ اس کے معنی فعل کی تاکید کرنا اور تنوین کے یہ معنی نہیں یعنی تنوین سے تاکید فعل غرض نہیں ہے اس وجہ سے کسی قید سے اس کا تنوین کی تعریف سے خارج کرنا ضروری ہو اس لئے لالتاکید الفعل کی قید لگا کر اس کو خارج کر دیا یعنی نون ساکن جو آخر میں واقع ہوتا ہے تنوین اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ فعل کی تاکید کے واسطے نہ ہو

قولہ لا یتحقق التعریف بالنون الخ۔
یعنی یارجل انطلق میں جو نون ہے یہ تنوین نہیں ہے بلکہ باب انفعال کا نون ہے حالاں کہ اس پر تنوین کی تعریف صادق آتی ہے چوں کہ رجل کا جو ضمہ ہے کہ یہ اخیر حرف لام کی حرکت ہے نون اس حرکت کے تابع ہو رہا ہے لہذا تنوین کی تعریف کہ ساکن نون آخر کی حرکت کے تابع ہو اور وہ نون فعل کی تاکید کے واسطے نہ ہو یہ تعریف یارجل انطلق کے نون پر صادق آتی ہے لہذا تنوین مانع نہیں رہی پس شارح جواب دیتے ہیں تنوین کی یہ تعریف یارجل انطلق کے نون پر صادق نہیں آتی ہے کیوں کہ کلمہ کی آخر حرف کے حرکت کے نون کے تابع ہونے سے مراد یہ ہے کہ نون وجود اور عدم میں کلمہ کے آخیر حرکت کے طفیلی بنا رہا ہو اس طور پر کہ حرکت کے وجود اور عدم میں تابع ہو جیسے عارض اپنے معروض کا طفیلی یعنی تابع ہوتا ہے وجود اور عدم میں اور انطلق کا اگرچہ یارجل کے اخیر حرف کی حرکت تابع لیکن وجود اور عدم میں نہیں یعنی یارجل کی حرکت اگر معدوم ہو جاوے تب بھی یہ نون رہتا ہے پس شارح کے تطفل سے مراد وجود اور عدم میں تابع ہونا یہ معنی تطفل کے تطفل العارض للمعروض کے تشبیہ سے مفہوم ہوتے ہیں پس جب تطفل کی یہ تفسیر اور معنی ہیں یہ اعتراض واقع نہیں ہوگا کہ نون تاکید خفیفہ کو خارج کرنے کے لئے لان کید الفعل کی قید کی ضرورت نہیں چوں کہ یہ تاکید کا نون اگرچہ اخیر حرف فعل کے وجود میں تابع ہے لیکن عدم میں تابع نہیں اس وجہ سے اعتراض مذکور وارد نہیں ہوتا ہے

قولہ وھوای التنوین اور وہ یعنی تنوین ضمیر ہو دو احتمال رکھتی تھی ایک یہ التنوین معرف کی طرف راجع ہو دوسرے معرف میں جو نون اس کی طرف راجع ہو پس شارح اول کو ترجیح دی کہ ضمیر التنوین معرف کی طرف راجع ہے کیوں کہ اصل بھی ہے کہ معرف کی تقسیم ہوتی اس اعتبار سے کہ معرف اس کے افراد پر صادق ہوتا ہے

قولہ للتمکن یعنی وہ تنوین پانچ معنی کے لئے آتی ہے ایک تمکن کے واسطے۔ شیخ رضیؒ نے فرمایا کہ تمکن کے معنی ہے کون الاسم معربا یعنی اسم کا معرب ہونا، سید المحققین سند المدققین میر سید شریفؒ نے فرمایا کہ یہ اولیٰ اس سے ہے کہ جو تمکن کی تعریف میں کہا گیا کہ تنوین التمکن وہ تنوین ہے جو کلمہ کے امکن ہونے پر دلالت کرے یعنی کون الاسم لم یشبہ

قولہ وھو مایدل علی امکنیۃ الکلمۃ
ضمیر ہو تنوین تمکن کی طرف راجع ہے تمکن کی طرف اور یہ ظاہر ہے اور ایسے حال باقیوں میں ہے اور امکنیۃ الکلمۃ سے مراد کلمہ کا منصرف ہونا مراد ہے کیونکہ تمکن (قوۃ اصالۃ ہے) اسمیہ میں

الفعل بالوجهين المعتبرين فى منع الصرف وحينئذٍ لايتصور معناه فى غير المنصرف والتنكير وهو الفارق بين المعرفة والنكرة فهو الدال على ان مدخوله غير معين نحو صهٍ اسكت سكوتاً ما فى وقت ما واما صه بغير التنوين فمعناه

کی طرف کہ اسم فعل کے مشابہ نہیں ہے دونوں معتبر وجوہ سے منع صرف میں اور اس صورت میں یہ معنی غیر منصرف میں نہیں پائے جائیں گے اور تنکیر نکرہ لانا اور یہ فرق کرنے والا ہے معرفہ اور نکرہ کے درمیان پس وہ دلالت کرنیوالا ہے اس بات پر کہ اس کا مدخول غیر معین ہے جیسے صہٍ یعنی اسکت سکوتاً چپ ہو جیب ہونا کسی نہ کسی وقت میں اور بہرحال صَہ بغیر تنوین کے تو اس کے معنی ہیں اسکت

یعنی اسم معرب کے منصرف ہونے میں اس لئے اعراب میں اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں میں تینوں حرکتوں کے ساتھ ہو اور یہ صرف اسم معرب منصرف میں پایا جاتا ہے اس لئے اسم مبنی اسم ہونے میں غیر متمکن ہے اور اسم ہونے میں اسم معرب بالحروف اور اسم معرب بالحرکات متمکن غیر امکن ہے اور تینوں حرکتوں کے ساتھ جو اسم معرب ہوتا ہے وہ بھی اسم معرب امکن ہے اس تحقیق پر یہ لازم آتا ہے کہ جمع مؤنث سالم غیر منصرف کے مانند امکن نہیں اور امکن مفرد اور جمع مکسر منصرف میں منحصر ہے اور اسی وجہ سے تنوین جمع المؤنث کو تنوین التمکن میں شمار نہیں کیا معلوم ہوا امکن افعل اسم تفضیل کے وزن پر ہے یا علی الشذوذ تمکن سے ماخوذ ہے یا مکانۃ سے ماخوذ ہے اس کی شرافت کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا پس امکن کے زائد فی التمکن کے معنی ہے کیوں کہ غیر منصرف بھی فی الجملہ متمکن ہے .

قولہ ای کون الاسم لم یشبہ الخ یہ امکنیۃ الکلمہ کی تفسیر ہے یعنی کلمہ کا امکن ہونا اسم کا فعل کے مشابہ نہ ہونا ہے یعنی اسم فعل کے ایسی دو وجہوں کے ساتھ مشابہ نہ ہو جو غیر منصرف میں معتبر ہے اور وہ دو وجہیں یہ ہے کہ غیر منصرف فعل کے مشابہ ہوتا ہے دو فرعیتوں کے متحقق اور ثابت ہونے میں جن کو غیر المنصرف کے بحث میں بیان کیا جا چکا ہے معلوم ہو کہ شارح نے یہ کہا کہ وہ فعل کے مشابہ نہ ہو ان دو وجہ میں غیر منصرف میں معتبر ہیں اور یہ نہیں کہا کہ وہ حرف یا فعل دونوں کے مشابہ نہ ہو جیسا کہ عامۃ الکتب میں ہے کیوں کہ امکن غیر منصرف کے مقابلہ میں ہے اور تنوین دونوں کے درمیان فرق کرتی ہے

قولہ وحینئذ لایتصور الخ اور اس وقت تنوین التمکن کے معنی یعنی امکنیۃ مذکورہ

صرف باب غیر منصرف ہی میں متحقق ہوتے ہیں ضرورۃ اور تناسب کی وجہ سے جو اس میں ایک صورت نکلتی ہے وہ بھی تنوین تمکن ہی میں داخل ہے کوئی چھٹی قسم ان سے علیحدہ نہیں ہے جیسا کہ اس کو ان کے بعض نے شمار کیا .

قولہ والتنکیر لغت میں اس کے معنے اجنبی سمجھنا اور اجنبی قرار دینا اور اصطلاح میں اس کے معنی ہے اسم کا نکرہ ہونا اور تنوین التنکیر وہ تنوین ہے جو معرفہ اور نکرہ کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی اس تنوین تنکیر کا ہونا اسم کے نکرہ ہونے کی علامت ہے یعنی جس اسم پر یہ تنوین تنکیر ہو وہ اسم نکرہ اور جس پر یہ تنوین تنکیر نہ ہو وہ معرفہ ہے پس ان تنوین کا اسم پر داخل نہ ہونا اس اسم کے معرفہ ہونے کی علامت ہے ، پس یہ تنوین اس پر دلالت کرنے والی ہے کہ اس کا مدخول اسم نکرہ غیر معین ہے جیسے صہٍ اس کے معنی ہے اسکت سکوتاً ما فی وقت ما یعنی کسی وقت میں چپ رہو تو کیسا ہی چپ رہنا معنی میں سکوتاً کے ساتھ اور وقت کیساتھ مالگا کر سکوت اور وقت کے مبہم غیر معین کو بتانا ہے اور جب صہ کو بلا تنوین بولا جاوے تو اس کے معنی اسکت السکوت الآن (اب چپ رہے) تو خاص قسم کا چپ رہنا السکوت پر لام تعریف اور الآن سے صہ کے معنی جو سکوت معین ہے اس کو بیان کرنا ہے شارح نکرہ غیر معینہ کی مثال خاص صہ سے بیان کی کیوں کہ غیر منصرف پر اس کو نکرہ کے مانند

اسکت السکوت الآن واما التنوین فی نحو رب احمد وابراھیم فلیس للتنکیر بل ھو للتمکن قال الشارح الرضی وانا لا اری منعا من ان یکون تنوین واحد للتمکن والتنکیر معا فاقول التنوین فی رجل یفید التنکیر ایضاً فاذا جعلتہ علما تمحض للتمکن والعوض دھو ما لحق الاسم عوضا عن المضاف الیہ لتعاقبہما علی اٰخر

السکوت الآن ابھی اس وقت خاموش ہو جا بہرحال منع کیا گیا ہے کہ ایک ہی تنوین تمکن اور تنکیر ساتھ دونوں کے لئے ہو تو میں کہتا ہوں کہ رجل کی تنوین تنکیر کا بھی فائدہ دیتی ہے اور جب تو نے اس کو علم محض بنا دیا تو تمکن کے لئے ہو گئی اور عوض یہ وہ تنوین ہے جو اسم کو لاحق ہوتی ہے مضاف الیہ کے عوض میں دونوں کے ایک دوسرے کے بعد آنے کی وجہ سے کلمہ کے آخر میں جیسے یومئذ یعنی یوم اذا کان کذا اس

بنانے کے بعد تو عدم تعیین میں وہ نکرہ کے بعد ہو جاتا ہے خواہ ایک سبب باقی رہے یا نہ رہے تو ان کی تنوین تنکیر کے نہیں ہوتی ہے بلکہ تمکن کیلئے ہوتی ہے کیوں کہ وہ موانع صرف کو زائل کرنے والی ہے پس جب تنوین تمکن کے داخل ہونے سے مانع زائل ہو گیا تو وہ تنوین تمکن لوٹ آئی بخلاف سیبویہ کے کہ وہ اس کو مبنی قرار دیتا ہے پس جب اس کو نکرہ بنایا گیا تو اس میں تنوین تنکیر داخل ہو گئی۔

واما التنوین فی نحو رب احمد الخ اور جو تنوین رب احمد وابراہیم میں ہے پس وہ تنوین تنکیر کے لئے نہیں ہے بلکہ تمکن کے لئے ہے شارح رضی رح نے فرمایا کہ ایک تنوین تمکن اور تنکیر دونوں کے لئے اکٹھی ہو جاوے تو اس کو ممنوع نہیں سمجھتا ہوں پس رب احمد اور رب ابراہیم تنکیر کے بعد جو اس میں تنوین ہے تو یہ تنوین تنکیر اور تمکن دونوں کے لئے ایک ساتھ ہوتی ہے کیوں کہ یہ تنوین تنکیر اور تمکن دونوں پر دلالت کریگی پس رجل میں تنوین جہاں یہ تنوین اس کے متمکن امکن (منصرف) ہونے کا فائدہ دے رہی ہے تنکیر (نکرہ ہونے) کا بھی فائدہ دے رہی ہے اب یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر رجل پر یہ تنوین تنکیر کے لئے ہو تو اس کے علم ہونے کے بعد تو اس پر تنوین باقی نہ رہے حالاں کہ اس وقت بھی یہ تنوین اس پر باقی رہتی ہے پس معلوم ہوا کہ رجل پر تنوین تنکیر کیلئے نہیں ہے پس شارح رح فاذا جعلتہ علما تمحض للتمکن سے اس کا

جواب دیتے ہیں کہ رجل جب تک علم نہیں ہوتا تو یہ تنوین تنکیر اور تمکن دونوں کے لئے ہوتی اور علم بننے سے اگرچہ نکرہ نہیں رہا بلکہ معرفہ ہو گیا تو اب اس پر تنوین تنکیر نہیں رہی اب خالص تمکن کے لئے ہے کیوں کہ اسم منصرف ہے رضی کے بعض نسخوں میں اس طرح عبارت ہے واما التنوین فی نحو رب احمد وابراہیم فلم یمحض للتنکیر بل ہو للتمکن ایضاً لان الاسم منصرف قولہ انا لا اری پس اس نسخہ پر قول رضی واما التنوین الخ اپنی جانب سے کلام ہے وانا لا اری اس پر معطوف پر ہے اور اس نسخہ پر جس کو شارح جامی رح نے نقل کیا یہ کلام قوم کی طرف سے ہے اور وانا لا اری یہ شیخ رضی کا قول اپنی طرف سے استیناف ہے اور تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ قوم کے کلام کو اس پر

حمل کر لیا جائے جس کو شیخ رضی نے اختیار کیا ــــ قولہ وہو مالحق الخ یعنی تنوین عوض وہ تنوین ہے جو مضاف الیہ کے عوض میں اسم کو لاحق ہوتی ہے خواہ مضاف الیہ مفرد ہو یا جملہ ہو کیوں کہ مضاف الیہ اور تنوین دونوں میں سے ہر ایک کلمہ کے آخر پر متعاقب ہونے والی ہے یعنی ان میں سے ہر ایک دوسرے کے عقب میں آنے والی ہے شارح رح لتعاقبہما سے تنوین عوض اور مضاف الیہ میں مناسبت بیان کر دی تاکہ دونوں ایک دوسرے کا عوض ہو سکے شارح عوضا عن المضاف الیہ کہا اور حرف اصلی سے عوض ہو جیسے جوار یا زائدہ ہو جیسے جندل کہ اس میں تنوین جنادل کے الف کے عوض میں زائد ہے یا مضاف الیہ کے عوض میں ہو یہ اس وجہ سے نہیں کہا جوار میں تنوین اور جندل

الکلمة کیومئذٍ ای یوم اذا کان کذا فالیوم مضاف الی اذا واذ کانت مضافة الی الجملة التی کانت بعدها فلما حذفت الجملة للتخفیف الحق بها التنوین عوضاً عن الجملة لئلا تبقی الکلمة ناقصة وکذلک حینئذٍ وساعتئذٍ وعامئذٍ وجعلنا بعضهم فوق بعضٍ ای فوق بعضهم ومررت بکلٍ قائماً ای بکل واحد وامثال ذلک والمقابلة وهو ما یقابل نون جمع المذکر السالم کمسلمات فان الالف فیه علامة الجمع کما ان الواو علامة فی جمع المذکر السالم ولم یوجد فیه ما یقابل النون فی ذلک فزید التنوین فی اٰخرہ لیقابله وتوهم بعضهم

مثال میں یوم مضاف ہے اذ کی طرف اور اذ کانت مضاف ہے جملہ کی طرف جو اس کے بعد واقع ہے پس جب تخفیف کی وجہ سے جملہ کو حذف کر دیا گیا تو اس کے ساتھ تنوین کو جملہ کے عوض میں لاحق کر دیا گیا تاکہ کلمہ ناقص نہ باقی رہ جائے، اسی طرح حینئذٍ، ساعتئذٍ اور عامئذٍ بھی ہیں اور رکھا ہے ہم ان میں سے بعض کو بعض کے اوپر یعنی ان میں سے بعض کے اوپر اور مررت بکلٍ قائماً یعنی بکل واحد اور اسی طرح دوسری مثالیں۔ اور مقابلہ یہ وہ ہے جو جمع مذکر سالم کے نون کے مقابل ہے جیسے مسلمات اس لئے کہ اس میں الف جمع کی علامت ہے جس طرح بیشک واو اس کی علامت ہے جمع مذکر سالم میں اور پایا جاتا ہے اس میں وہ جو اس میں نون کے مقابل ہے پس اس کے آخر میں تنوین زیادہ کر دی گئی تاکہ اس کے مقابل ہو جائے

میں تنوین آیا کہ عوض کے لئے ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے پس مبرد کے نزدیک جوار میں تنوین صرف کے لئے ہے اور جنادل میں تنوین ابن مالک کے نزدیک صرف کے لئے ہے اور الف جو کہ جمعیت کی علامت ہے اس کا زائل ہونا ایسا نہیں جیسا کہ جوار میں سے یاء زائل ہوئی ہے اور شارح کا اذ اور کل اور بعض کے ساتھ مثالوں کو خاص کرنا اس سے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ تنوین عوض انہی کلمات کے ساتھ خاص ہے۔

قولہ کیومئذٍ الخ جیسے یومئذٍ اصل میں یوم اذ کان کذا تھا پس یوم اذ کی طرف مضاف ہے اور اذ جملہ کان کذا کی طرف مضاف ہے جو اس کے بعد ہے پس جب جملہ کو تخفیف کی غرض سے حذف کیا گیا تو اذ کے ساتھ جملہ کے عوض میں تنوین لاحق کر دی گئی نقصان کے جبر کے واسطے پس اگر اس کا جبر تنوین کے ساتھ پورا نہ کیا جاتا تو کلمہ ناقص باقی نہیں رہتا شارح کے قول لئلا تبقی الکلمة ناقصة د تاکہ کلمہ ناقص نہ رہے کے یہی معنی ہے یوم اذ کان کذا میں یوم معین زمانہ جس کا مبدأ طلوع الشمس یا طلوع الفجر ہے اور اس کا منتہیٰ غروب الشمس ہے اور کبھی وقت مطلق میں مستعمل ہوتا ہے پس اول پر اضافت بیانیہ ہے اور ثانی معنی یوم اضافت لامیہ ہے ساعتئذٍ اور حینئذٍ اور عامئذٍ میں صرف بیانیہ اضافت ہے۔

قولہ وجعلنا بعضهم فوق بعضٍ میں فوق بعضٍ فوق بعضهم تھا ضمیر هم مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کے بدلے میں تنوین لگا دی معلوم ہو کہ بعض نسخوں میں اس سے پہلے قولہ تعالیٰ اس پر شارح پر اعتراض ہوتا ہے کہ شارح نے غیر آیت کو آیت قرار دیدیا کسی محشی کا اس سے تعرض نہ کرنا تعجب کی بات ہے اور شمس الدین اصفہانی نے اپنی شرح حل الایاب والابیات اس قول کے بعد ان کلمات کی تفسیر کرتے ہوئے یہ لکھا جعلنا بعض الناس فوق بعضهم بالفقر والغناء والحریة والرق اور یہ فی الحقیقة آیات القرآن سے نہیں ہے بلکہ نظم آیت اٹھارویں جز میں اس طرح ہے جعلنا بعضکم لبعضٍ فتنة اور مررت بکلٍ قائماً اصل میں بکل واحد۔

قولہ وهو ما یقابل الخ یہ تنوین مقابلہ کی تعریف ہے یعنی تنوین مقابلہ وہ تنوین

انه للتمکن وهو خطاء لانه اذا سمیت مسلمات مثلا امراۃ یثبت فیها التنوین ولوکان للتمکن لزال للعلتین العلمیۃ والتانیث والظاهر انه لیس بتنوین التنکیر لوجوده فیما کان علما کعرفات ولا تنوین العوض لعدم مساعدۃ المعنی ولا تنوین الترنم لوجوده فی غیر اواخر الابیات والمصاریع فتعین ان یکون للمقابلۃ لانها معنی مناسب لحمل التنوین علیه والترنم وهو ما لحق اواخر الابیات

اور بعض نے وہم کیا ہے کہ یہ تنوین تمکن کی ہے اور یہ خطاء ہے اس لئے کہ مثلاً جب کوئی عورت مسلمات کے نام سے نام رکھدی جائے تو اس میں تنوین ثابت رہے گی اور اگر یہ تنوین تمکن کی ہوتی تو دو علتوں کی بنا پر یہ زائل ہو جاتی یعنی علمیت اور تانیث اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تنوین تنکیر بھی نہیں ہے اس کے پائے جانے کی وجہ سے اس صورت میں کہ یہ علم بن جائے جیسے عرفات اور نہ یہ تنوین عوض ہے معنی کے درست نہ ہونے کی وجہ سے اور نہ تنوین ترنم بیت اور مصرعہ کے آخر کے علاوہ اس کے پائے جانے کی وجہ سے پس متعین ہو گیا کہ وہ مقابلہ کے لئے ہو گی۔ اس لئے کہ یہ مناسب معنی ہیں تنوین اس کا احتمال رکھتی ہے اور ترنم اور یہ وہ ہے جو

ہے جو جمع مذکر سالم کے مقابلہ میں آتی ہے جیسے مسلمات چنانچہ الف اس میں جمع کی علامت ہے جیسا کہ جمع مذکر سالم میں واو جمع کی علامت ہے اور جمع مونث سالم میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو اس نون کے مقابل ہو جو مذکر سالم میں ہے اس وجہ سے جمع مونث سالم میں تنوین زیادہ کردی گئی تاکہ وہ اس نون کے مقابل ہو جاوے جو نون کہ جمع مذکر سالم میں ہے اور ان کے بعض رصاحب کشاف م نے یہ وہم کیا ہے کہ جمع مونث سالم جیسے مسلمات میں تنوین تمکن کے واسطے یہ اس کا قول خطا ہے کیوں کہ مسلمات مثلاً کے ساتھ کسی عورت کا نام رکھدیا جائے تب بھی یہ تنوین اس میں ثابت رہتی ہے اور اگر یہ تنوین تمکن کے لئے رہتی تو دونوں علتوں کے زائل ہونے سے یہ تنوین زائل ہو جاتی۔ اور وہ دو علتیں علمیت اور تانیث ہیں اور زمخشری نے کہا مسلمات میں تنوین صرف کی ہے اگرچہ اس کے ساتھ کسی مونث کا نام رکھدیا کیوں کہ اس کی تاء خالص تانیث کے لئے نہیں ہے کیوں کہ مسلمات مثلاً کی تاء مع الالف جمع کی علامت ہے اور اس کی تاء اور کسی کے لئے ماننا درست نہیں کیوں کہ اس تاء اختصاص جمع مونث کے ساتھ اس سے انکار کرتا ہے جیسے اخت اور بنت کی تاء کیوں کہ ان دونوں کی تاء واو سے بدل کر آئی ہے اور اس کی تاء موجودگی دوسری تاء کے تقدیر سے روکتی ہے جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ تنوین تمکن کی نہیں ہوسکتی کیوں کہ اگر یہ تنوین تمکن ہو تو مسلمات کے ساتھ اگر کسی کا علم بنادیا جائے تو دو

علتوں کی وجہ سے یہ تنوین زائل ہونا چاہئے کیوں کہ وہ علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا اور غیر منصرف میں تمکن کی تنوین نہیں آتی ہے اور جمع مونث میں تنوین ظاہر یہ ہے کہ تنوین تنکیر نہیں ہے چوں کہ اس صورت میں یہ تنوین موجود ہوتی ہے کہ وہ علم ہو جیسے عرفات یہ موضع معروف کا علم ہے اور اعلام میں تنوین التنکیر نہیں آتی ہے اور یہ تنوین جمع مونث میں عوض کی بھی نہیں ہوسکتی ہے کیوں کہ مثلاً مسلمات کے معنی عوض کے معنی کی موافقت مساعدۃ نہیں کرتے ہیں عوض کے معنی کی مساعدت اس وجہ سے نہیں کرتے

مسلمات مثلاً کے معنی اضافت پر نہیں ہیں یہاں تک کہ مضاف الیہ کی تنوین عوض بن جائے اور ایسے ہی کوئی شئ یہاں محذوف نہیں ہے کہ یہ تنوین عوض کی تنوین بن جائے غرضیکہ نہ مضاف الیہ محذوف ہے کہ اس کے عوض میں تنوین ہو اور نہ یاء محذوف ہے جیسا کہ جوار میں محذوف ہے کہ یاء کے عوض میں تنوین آگئی۔

قولہ ولا تنوین الترنم الخ اور جمع مونث سالم میں تنوین ترنم بھی نہیں ہوسکتی ہے۔ چونکہ تنوین ترنم کا وجود بیتوں اور مصرعوں کے آخر میں ہوتا ہے جمع مونث سالم مثلاً

والمصاريع لتحسين الانشاد ولانه حرف يسهل به ترديد لصوت في الخيشوم وذلك الترديد من اسباب حسن الغناء وانما اعتبروا ما لحق اواخر الابيات والمصاريع وان كان للحروف والكلمات الواقعة في اثنائها جائزا بل واقعا كما نشاهد من اصحاب الغناء لان محل التغني به انما هو الآخر لئلا يختل سلك النظم بتخلله بين كلمات

ابیات اور مصرعوں کے آخر میں لاحق ہوتی ہے، پڑھنے میں حسن پیدا کرنے کیلئے کیونکہ ترنم وہ حرف ہے جس سے ناک میں آواز کا لوٹانا آسان ہوجاتا ہے اور یہی تردید صوت گانے کے محاسن میں سے ہے اور بیشک انہوں نے ابیات اور مصرعوں کے اواخر کا اعتبار کیا ہے یہ وصف ان حروف اور کلمات میں بھی پایا جاتا ہے جو ان کے درمیان میں واقع ہیں اور جائز بھی ہے بلکہ واقع ہے جیسا کہ ہم گانیوالوں سے اسے سنتے بھی ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں کیونکہ تغنی کا محل و مقام آخر ہی ہوا کرتا ہے تاکہ نظم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے اس کے درمیان میں واقع ہوجانے کی وجہ

مسلات نہ بیتوں کا آخر ہے اور نہ مصرعوں کا آخر پس متعین ہوا کہ یہ تنوین جو جمع مؤنث میں آتی ہے۔ نون جمع مذکر کے مقابلہ میں ہے کیوں کہ نون جمع مذکر سالم کا مقابلہ ایسے معنی میں کہ اس پر تنوین کو حمل کیا جاسکے کیوں کہ یہ تنوین جمع مذکر سالم کے نون سے مشارکت رکھتی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اسم کے فقط تام ہونے کی علامت ہے دوسری کسی شئ پر دلالت کے بغیر۔

قولہ والترنم وہو ما لحق الخ: تنوین الترنم وہ ایسی تنوین ہے جو بیتوں اور مصرعوں کے آخر میں لاحق ہوتی ہے شعر کے پڑھنے کو خوبصورت بنانے کے لیئے بیت کے معنی کوٹھری کے ہیں اس کے بعد شعر کو بیت کہتے ہیں جب بیت کوٹھری کے معنی میں آتا ہے تو جمع بیوت آتی ہے اور جب شعر کے معنی میں آتا ہے تو جمع ابیات آتی ہے مصاریع مصراع کی جمع ہے دردو بازد ہوتی ہیں ہر بازد کو مصراع کہتے ہیں اس کے بعد شعر کے دو حصوں میں سے ہر حصہ کو مصراع کہتے ہیں دروازہ کے دونوں مصرعوں سے استوا میں تشبیہ دے کر اور تحسین کے معنی خوبصورت کرنا، انشاد کے معنی ہے شعر پڑھنا۔

قولہ لانہ حرف یہ اس کی تعلیل ہے جو سابق سے مستفاد ہوتا ہے تنوین ترنم جو ابیات اور مصاریع کے آخر کو لاحق ہواؤ اس کا نام تنوین ترنم اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ ایسا حرف ہے کہ اس کے ذریعہ سے خیشوم (ناک کی جڑ) میں آواز کا گھومنا آسان ہوتا ہے اور یہ آواز کا گھومنا ٹھننے کی خوبی کے اسباب سے ہے ترنم کے معنی لغت میں تغنی (گانا) ہے اور یہ ایسا حرف ہے کہ اس کے ذریعہ سے آواز کا گھومانا سہل ہوتا ہے چوں کہ یہ حروف اغنی الحروف ہے اور خیشوم میں آواز کا گھومانا حسن الغناء کے اسباب سے ہے اور اسی وجہ سے مغنی کا نام مغنی رکھا گیا کیوں کہ مغنی اپنے آواز میں غنہ کردیتا ہے مغنی اصل میں مغنن تین نون کے ساتھ تھا تیسرے نون کو یاء سے بدل دیا گیا پس تنوین الترنم کے معنی ایسی تنوین ہے کہ وہ ترنم کے حاصل کرنے کے واسطے لگائی جاتی ہے اور ابن یعیش اسی کی طرف گیا ہے اور مصنف نے شرح مفصل میں اس کو اختیار کیا دوسرے یہ کہتے ہیں اس تنوین کا نام تنوین ترنم اس وجہ سے رکھا گیا کہ یہ ترنم کے چھوڑنے کے واسطے لاحق کی جاتی ہے کیوں کہ حروف اطلاق ترنم کے واسطے صلاحیت رکھتے ہیں چوں کہ ان میں آواز کا دراز کرنا ہے پس ان کو جب ترنم کے چھوڑنے کی خبر دینے کا قصد ہوتا ہے تو ان حروف اطلاق کو تنوین سے بدل دیتے ہیں چوں کہ یہ تنوین مد سے خالی ہے الخیشوم بفتح المعجمہ مقدم الانف بالفارسیۃ دماغ ابیات اور مصاریع کے آخر میں اس کے لحوق کا اس وجہ سے اعتبار کیا گیا خیشوم میں آواز کی تردید کا محل وہ آخر ہے اس وجہ سے آخر میں اس کے لحوق کا اعتبار کیا گیا اگرچہ اس تنوین ترنم کا لاحق ہونا ان حروف اور کلمات کیساتھ جائز ہے جو ابیات اور مصاریع کے درمیان میں واقع ہوتے ہیں بلکہ واقع بھی ہے

الابیات والمصاریع ولا یخل لفهم المعانی وهو اما یلحق القافیۃ المطلقۃ وهی ما کان رویها متحرکا مشتبعاً باشباع حرکتہ واحدا من الالف والواو والیاء وسمیت هذہ الحروف حروف الاطلاق لاطلاق الصوت بامتدادها ولحوق النون بهذہ

سے ابیات اور مصرعوں کے اور معانی کے سمجھنے میں بھی اس کی وجہ سے خلل نہ ہو اور یا مطلق کا فیہ میں لاحق ہو گی اور یہ وہ مقام ہے کہ جس کا روی متحرک اور مشتبع ہو واو الف اور یار کے داخل ہو جانے کی وجہ سے اوران حروف کا نام حروف اطلاق رکھا گیا ہے آواز کے مطلق پر غیر مقید ہونے کی وجہ سے اس کے ممتد اور کھینچنے کے باعث

جیسا کہ گانے والوں سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کیوں کہ محل التغنی ترنم کے ساتھ وہ حرف آخری ہے کیوں کہ ابیات اور مصاریع کے درمیان اگر لاحق کی جائے تو نظم کی لڑی خراب ہو جائے گی اور ابیات اور مصاریع کے معانی کے سمجھنے میں خلل واقع ہو گا پس نظم کی لڑی تاکہ خراب اور مختل نہ ہو اور نہ معانی کے سمجھنے میں خلل واقع ہو اس وجہ سے ابیات اور مصاریع کے آخر کو لاحق ہوتی ہے پس وہ تنوین ترنم جو وسط میں لاحق ہو اگرچہ واقع ہے لیکن وہ اپنے محل میں نہیں ہے اس وجہ سے انہوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا لیکن اسمیں بحث ہے کیونکہ گانے والوں کے واسطے گانے کی ہر نوع میں آواز کے دراز کرنے اور چھوٹا کرنے اور اس کے گھمانے وغیرہ وغیرہ کے لئے مقامات ہیں خواہ آخر میں ہو یا وسط میں۔

قولہ وهو اما یلحق القافیۃ المطلقۃ

اور یہ تنوین یا قافیہ مطلقہ کو لاحق ہوتی ہے اور قافیہ مطلقہ وہ قافیہ ہے جس کا روی متحرک ہو اپنی حرکت کے اشباع کے ساتھ الف اور واو اور یار میں سے کسی ایک کو تابع بنانے والا ہو معلوم ہو کہ خلیل کے نزدیک قافیہ بیت کے حرف آخر سے لیکر ایسے اول ساکن تک ہے جو حرف آخر سے متصل ہے مع اس حرکت کے جو اس ساکن سے پہلے ہے اور نیز خلیل سے مروی ہے کہ وہ متحرک جو اس ساکن سے پہلے ہے وہ اول قافیہ ہے قافیہ قفو سے مشتق ہے اس کے معنی تابع ہونے کے ہیں کیونکہ قوافی ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں

اس وجہ سے قافیہ کو قافیہ کہتے ہیں اور روی وہ حرف ہے جس پر قصیدہ مبنی ہوتا ہے اور اس کی طرف منسوب ہوتا ہے مثلاً قصیدہ لامیہ اور قصیدہ نونیہ بولا جاتا ہے یا تو رویت الحبل سے مشتق ہے اس کے معنی بٹنا ہے یا رویۃ البعیر سے مشتق ہے اس کے معنی ہے اونٹ پر رداء باندھنا اور رداء اس رسی کو کہتے ہیں جس سے بوجھ کو باندھتے ہیں یا ری سے مشتق کے معنی سیراب کرنا ہے پس بیت اس حرف پر پہونچنے پر سیراب ہوکر ختم ہو جاتی ہے، مشتبعاً اسم فاعل ہے اس کے معنی ہے تابع بنانے والا یعنی حرف روی کی حرکت الف اور واو اور یار میں سے کسی کو اپنے تابع بناتا ہے پس اگر حرف روی کی حرکت اگر فتحہ کی ہے تو وہ الف کو تابع بناتی ہے اور اگر اس کی حرکت ضمہ کی ہے تو واو کو تابع بناتی ہے اور اگر اس کی حرکت کسرہ کی ہے تو یار کو تابع بناتی ہے۔

قولہ سمیت هذہ الحروف اوران حروف (واو، یار اور الف) کا نام حروف الاطلاق رکھا جاتا ہے چوں کہ ان کو دراز کرنے کے ساتھ آواز کو چھوڑ دیا جاتا ہے یعنی آواز کو لمبا ہونے کیلئے ان کو کھینچا جاتا ہے اور یہاں سے قافیہ مطلقہ نام رکھنے کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی کیوں کہ اس قافیہ میں حروف اطلاق واقع ہوتے ہیں اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔

قولہ ولحوق النون الخ اور اس قافیہ میں نون کا لاحق ہونا صرف اس طور پر ہوتا ہے کہ نون کے ساتھ حروف اطلاق کو بدل لیا جاتا ہے چوں کہ یہ حروف حروف زوائد سے اور سکون لازم ہے غرضیکہ بیت قول شاعر میں والعتابن اور اصابن میں جو نون ہے وہ الف تھا اس الف کو نون سے بدل لیا اس بیت میں حرف روی یار ہے اس یار کے فتحہ کے اشباع سے الف حاصل ہو گیا

القافیۃ انما یکون بابدال حروف الاطلاق به کما فی قول الشاعر: اقلی اللوم عاذل والعتابن ۞ وقولی ان اصبت لقد اصابن ۞ فروی هذا البیت الباء وحصل باشباع فتحتها الالف وعوض عن الالف عند التغنی نون التنوین واما یلحق القافیۃ المقیدۃ وهی ما کان رویها حرفا ساکناً صحیحاً کان او غیر صحیح سمیت مقیدۃ لتقیید الصوت بها وامتناع الامتداد لانه لیس هناک حرکۃ یحصل من اشباعها حروف الاطلاق لتیسیر امتداد الصوت کقول الشاعر شعر وقاتم الاعماق خاوی المخترقن ۞

مشتبه الاعلام لماع الخفقن ۞

اور اتفاقاً ان میں نون بھی لاحق ہو جانے کی وجہ سے اس وقت ہوتا ہے جب حروف اطلاق کو اس سے بدل دیا جاتا ہے جیسے شاعر کے قول میں ؎ ایسے ملامت کرنے والے ملامت کو کم کردے اور عتاب کو اور اگر میں نے درست کام کیا ہے تو تو میری تائید کر پس روی اس بیت میں ب ہے اور اس کے فتحہ کے اشباع سے الف حاصل ہوا ہے اور الف کے عوض تغنی کے وقت تنوین کا نون لایا گیا ہے اور بہرحال قافیہ مقید لاحق کیا جاتا ہے یہ وہ ہے کہ جس کا حرف روی حرف ساکن ہو خواہ صحیح ہو یا غیر صحیح نام رکھا جاتا ہے اس کا مقیدہ آواز کو اس کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ سے اور امتداد کے ممتنع ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ وہاں ایسی حرکت نہیں پائی جاتی کہ جس کے اشباع سے حروف اطباق حاصل ہوں امتداد صوت کے آسان کرنے کیلئے جیسے شاعر کا قول ہے ؎ بعض جوانب تاریک ہوتے ہیں جن کے اطراف دور اور راستے درختوں سے خالی ہوتے ہیں۔ اور علامتیں مشتبہ ہوتی ہیں الخ۔

عتاباً اور اصاباً ہو گیا تغنی کے وقت اس الف کے عوض میں نون لے آئے فتحہ کا اشباع شعر کا وزن حاصل کرنے کے لئے ضروری ہوا اور الف کے عوض میں نون کا لانا تغنی کے وقت نہیں ہے ۔ قولہ اقلی الخ یہ جریر کا شعر ہے بحر وافر سے۔ اقلی صیغہ واحد مؤنث حاضر امر اقلال سے بمعنی کم کرنا مراد نہ کرنا۔ اللوم بالفتح بمعنی ملامت عاذل اس کی اصل یاعاذلہ ہے یا حرف ندا کو حذف کر دیا اور عاذلہ میں ترخیم کر لی گئی العتاب بمعنی مواخذہ اور غضب جواب شرط محذوف ہے قولہ قولی اس پر دلالت کرتا ہے۔ قولی صیغہ واحد مؤنث حاضر امر حاضر قول سے بمعنی کہنا۔ اصابت صواب اور درستی کو پہونچنا۔ ترجمہ کم کر تو مجھ سے ملامت کو اے ملامت کرنے والے اور کہو تو اگر صواب کو پہونچوں میں البتہ تحقیق کہ صواب کو پہنچا۔

قولہ واما یلحق القافیۃ المقیدہ الخ دوسری قسم وہ تنوین ہے جو مقید قافیہ کو لاحق ہوتی ہے اور قافیہ مقیدہ وہ قافیہ ہے جس کا حرف روی ساکن ہو خواہ حرف ساکن صحیح ہو یا غیر صحیح ہو پس اس قافیہ مقید کا اول حرف ساکن ہوگا وقف پر دلالت کی وجہ سے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب کہ اس قافیہ مقید کا اول حرف ساکن ہے تو اس پر تنوین کیسے صادق ہوگا کہ آخر کی حرکت کے تابع تنوین ترنم ہوتی ہے جواب:۔ حرکۃ الاخر سے مراد عام ہے خواہ حرکت لفظی ہو یا حرکت تقدیری۔

قولہ سمیت مقیداً الخ اس قافیہ مقید کا نام مقیدہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ آواز کو اس قافیہ کے ساتھ مقید کر دی جاتی ہے اور آواز کے امتداد کو یعنی اس امتداد کو جو اطلاق صوت ہے روک دیا جاتا ہے کیوں کہ وہاں ایسی حرکت نہیں

"بقیہ صفحہ آئندہ"

فان روی القافیۃ فی ھذا البیت القاف الساکنۃ ولا یمکن مد الصوت بہا فحرکت عند التغنی بالفتح والکسر والحق بہا النون نقیل المخترقن والخفقن ویسمی ھذا القسم من التنوین الغالی لان الغلو ھو التجاوز عن الحد وقد تجاوز البیت بلحوق ھذا التنوین عن حد الوزن ولھذا یسقط عن التقطیع ولیس للقسم الاول اسم یختص بہ واعلم ان تنوین الترنم لیس موضوعاً بازاء معنی من المعانی بل ھو موضوع لغرض الترنم لا ان معناہ الترنم

اس بیت میں قافیہ کا روی قاف ساکنہ ہے ۔ اس آواز میں امتداد ممکن نہیں ہے اس لئے تغنی کے وقت اس کو فتحہ اور کسرہ کی حرکت دی گئی اور اس کے ساتھ نون کو لاحق کر دیا گیا اور مختر "قن اور خفقن کہدیا گیا اس قسم کی تنوین کا نام غالی رکھا جاتا ہے ۔ کیونکہ غلو حد سے تجاوز کرنے کا نام ہے اور تحقیق کہ تجاوز کر گیا ہے شعر اس تنوین کے لاحق ہونے کی وجہ سے وزن کے حد سے اسکے لئے تقطیع کے وقت وہ مساوی ہو جاتا ہے اور قسم اول کیلئے کوئی ایسا نام نہیں ہے جو اس کے ساتھ مختص ہو اور جان تو کہ تنوین ترنم معانی میں سے کسی معنی کے مقابلے میں وضع نہیں کی گئی بلکہ وہ ترنم کی غرض سے وضع کی گئی ہے نہ یہ کہ اس کے معنی ترنم کے ہیں

اس کا نام تنوین غالی رکھا جاتا ہے چونکہ غلو کے معنی حد سے تجاوز کے ہیں ...... اس تنوین رکھنے کی وجہ سے بیت وزن کی حد سے متجاوز ہو جاتی اسی وجہ سے جب شعر کی تقطیع کی جاتی ہے تو یہ تنوین تقطیع سے ساقط ہو جاتی ہے اور تنوین ترنم کی پہلی قسم کے واسطے کوئی ایسا نام نہیں ہے جو اسی کے ساتھ مختص ہو ۔
قولہ واعلم ان تنوین الترنم الخ شارح

تنوین ترنم اور دیگر اقسام تنوین کے متعلق تحقیق کرتے ہیں ان میں سے کونسی تنوین معنی کے لیے موضوع ہے اور کونسی نہیں، پس کہتے ہیں کہ معلوم ہو کہ تنوین ترنم معنوں میں سے کسی معنی کیلئے موضوع نہیں ہے بلکہ وہ غرض ترنم کیلئے موضوع ہے اور وہ اس لئے کہ اس سے مقصود خارج میں ترنم کا حاصل ہونا ہے اور ترنم کے معنی کا افہام اور اس کا ذہن میں حاصل

ہوتی ہے جس کے اشباع سے حروف اطلاق واو و یاء و الف حاصل ہو آواز کو دراز کرنے کو آسان کرنے کیلئے ۔

قولہ قاتم الاعماق الخ یہ بیت روبہ کی ہے بحر رجز واو بمعنی رب اور جواب محذوف ہے یعنی قطعت القاتم بہت سیاہ کہا جاتا ہے اسود قاتم اور مکان قاتم تاریک جگہ جس کے کنارے متغیر ہوں القتام سے ماخوذ بمعنی غبار الاعماق عمق بالفتح کی جمع یا عمق بالضم کی جمع جس جنگل کے بہت دور کنارے ہوں ۔ الخاوی خوی البیت سے خالی ہوا بیت ۔ المخترق بفتح المیم وفتح الراء وہ جگہ جو خالی ہو اس کو ہوا پھاڑتی ہو یعنی اس میں ہوا چلے الاعلام علم کی جمع وہ نشان جس کے ذریعہ سے راستہ کی راہ ملتی ہو پہاڑ جھنڈ ۔ لماع مبالغہ لامع بہت چمکنے والا ۔ الخفق چمکتا ریت خفق السراب سے بنا جس کے معنی ہے ۔ ریت جھلملا ہوا یعنی کا نام اس کے مصدر سے رکھا ہے ۔ ترجمہ ۔ بہت سے اطراف والے بے نشان خالی ہوا ون کے پھاڑ ہوئے مشتبہ نشان والے چمکتے ریت والے میدان میں میں ان کو قطع کیا ۔

قولہ فان روی القافیۃ اس بیت میں قافیہ کا حرف روی ساکن قاف ہے جس کے ساتھ آواز کا دراز کرنا ممکن نہیں پس تغنی کے وقت فتح یا کسر کی حرکت دیدی اور اس کے ساتھ نون کو لاحق کر کے المخترقن اور الخفقن بولا ۔

قولہ ویسمی ھذا القسم الخ یعنی وہ تنوین ترنم جو قافیہ مقیدہ کو لاحق ہوتی ہے

کما ان حروف التہجی موضوعۃ لغرض الترکیب لا بازاء معنی من المعانی ففی عد تنوین الترنم من اقسام الحروف التی ھی من اقسام الکلمۃ المعتبر فیہا الوضع تساھل وتسامح واما التنوینات الاخر ففی اعتبار الوضع فی بعضھا ایضا تامل و یحذف ای التنوین وجوبا من العلم حال کونہ موصوفا بابن حال کون الابن مضافاً الی علم اٰخر نحو جاءنی زید بن عمرو

جس طرح کہ حروف تہجی ترکیب کی غرض سے موضوع ہیں نہ کہ معانی میں سے کسی معنی کے مقابلے میں، پس تنوین ترنم کے شمار کرنے میں حروف کی اقسام میں سے جو کہ کلمہ کی اقسام میں سے ہے اور جس میں وضع کا اعتبار کیا گیا ہے تساہل اور تسامح ہے اور بہر حال دوسری تنوینیں تو ان میں سے بعض کے اعتبار کرنے میں وضع کا اس میں بھی دخل ہے اور حذف کر دیا جاتا ہے یعنی تنوین کو وجوباً علم سے اس حال میں کہ وہ ابن کا موصوف ہے اس حال میں کہ ابن مضاف ہو دوسرے علم کی جانب جیسے جاءنی زید بن عمرو میرے پاس زید عمرو کا لڑکا آیا۔

ہونا مقصود نہیں ہے جیسا کہ تنوین الترنم کی تعریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ تنوین ترنم وہ تنوین ہے جو بیتوں اور مصرعوں کے آخر میں لائی جاتی ہے۔ تنوین الترنم غرض ترنم کیلئے موضوع ہونا ایسا ہے کہ جیسا کہ حروف التہجی کا غرض ترکیب کے لئے موضوع ہونا اور معنوں میں سے کسی معنی کیلئے موضوع نہ ہونا پس مصنف رح کا تنوین ترنم کو ایسے حروف کے اقسام سے شمار کرنا جو اس کلمہ کی قسموں میں سے ہے جس میں وضع کا اعتبار کیا گیا ہے تساہل اور تسامح ہے شئی کی غرض کو اس کے معنی کے درجہ میں اتار لیا ہے۔

قولہ واما التنوینات الخ اور بہر حال دوسری تنوینیں پس ان میں سے اور بعض کے اندر بھی وضع کے اعتبار کرنے میں تامل ہے اور وہ تنوین مقابلہ ہے چنانچہ اس کے لاحق کرنے سے مقصود مقابلہ ہے چوں کہ یہ تنوین مقابلہ مخاطب کو مقابلہ کا فائدہ دیتی ہے بخلاف تنوین تنکیر پس وہ اپنے مدخول کے غیر معین ہونے کو سمجھانے کے واسطے ہے اور تنوین العوض پس مضاف الیہ کی جگہ میں قائم ہے جو معنی پر دلالت کرنے والا ہے پس اس تنوین سے مضاف الیہ کے معنی بالواسطہ مفہوم ہوتے ہیں۔

اور تنوین التمکن اس سے مقصود اس کے مدخول کا منصرف ہونا سمجھانا ہے اور منصرف کی تحصیل مقصود نہیں ہے۔ پس مصنف کے قول للتمکن الخ کے معنی یہ ہیں کہ تنوین التمکن وغیرہ کے لئے آتی ہے پس یہ مطلب معنی اور غرض دونوں کو شامل ہے حق یہ ہے کہ تمکن اور تنکیر اور مقابلہ اور عوض اور ترنم یہ سب تنوین کے فوائد ہیں جیسا کہ تسہیل کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے چنانچہ صاحب تسہیل نے کہا کہ تنوین ایسا ساکن نون ہے کہ وہ اسم کے آخر میں زیادہ کیا جاتا ہے اسم کی اضافت کو بیان کرنے یا اس کی تنکیر کو یا تعویض یا جمع مذکر کے مقابلہ کو بیان کرنے کے واسطے یا ترنم کے ترک کی خبر دینے کیلئے روی مطلق میں لغت تمیم میں۔

قولہ ویحذف الخ۔ مصنف رح حذف تنوین کا قاعدہ بیان کرتے ہیں وہ قاعدہ یہ ہے علم ابن کے ساتھ موصوف ہو اور یہ لفظ ابن دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو پہلے علم پر سے تنوین کو وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے جاءنی زیدُ بن عمرو پس زیدٌ پر سے تنوین کو حذف کر دیا۔ چوں کہ زید علم ابن کے ساتھ موصوف ہے۔ زید بن عمر کی طرف مضاف ہے کیا اس تنوین سے جو حذف کی جاتی ہے تنوین تمکن مراد ہے اس لئے کہ جو علم ابن کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اس میں تنوین تنکیر اور تنوین عوض اور تنوین نہیں پائی جاتی ہے یہ تنوین ترنم صرف تحسین انشاد اور حسن الغناء کے لئے زیادہ کی جاتی ہے اور حذف

اس سے منافات رکھتا ہے اور تنوین تقابل صرف جمع مؤنث سالم میں ہوتی ہے معلوم ہوکر شارح نے وجوباً زیادہ کردیا یعنی یہ حذف تنوین واجب ہے کیونکہ یہ حذف مستقل ہے اس سے استمرار مستفاد ہوتا ہے یہ وجوب کا قرینہ ہے اور یہ حذف سعۃ یعنی نثر میں ہے رہا ضرورت یعنی نظم میں بھی حذف نہیں کی جاتی کیوں کہ ضرورات محضورات کو مباح کرتا ہے اور اس علم اور علم ثانی سے مراد اعم ہے کنیت اور لقب اور اسم سے موصوفاً العلم سے حال ہے اور موصوفاً سے یہ مراد ہے کہ ابن کے ساتھ موصوف وصف نحوی بلا واسطہ ہو اسی وجہ سے زید الظریف ابن عمرو سے تنوین حذف نہیں کی جائے گی اور علم سے مراد مذکر کا علم ہے کیوں کہ عرب رجل کو اس کی ماں کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں اور مضافاً ابن سے حال واقع ہو رہا ہے علم آخر سے مراد یہ ہے کہ پہلے علم کے مغائر ہو۔

قولہ ذلک لکثرۃ الخ علم اول سے اس صورت میں تنوین کا حذف کرنا اس وجہ سے ہے ابن کا ایسے دو علموں کے درمیان استعمال بہت زیادہ ہے کہ ان دو علموں میں سے ایک ابن کے ساتھ موصوف ہو اور دوسرا مضاف الیہ ہو اس ابن کے واسطے اس لیے اس کے موصوف سے تنوین کو حذف کرنے کیساتھ لفظاً تخفیف طلب کی جاتی ہے اور ابن کے الف کے حذف کے ساتھ خطاً تخفیف

وذلك لكثرة استعمال ابن بين علمين احدهما موصوف به والآخر مضاف اليه فيطلب التخفيف لفظاً بحذف التنوين من موصوفه وخطاً بحذف الف ابن وكذلك قولهم هذا فلان ابن فلان لانه كناية عن العلم ويعلم منه

اور یہ ابن کے استعمال کے کثیر ہونے کی وجہ سے ہے دو علم کے درمیان ان میں سے اس کا موصوف اور دوسرا اس کا مضاف الیہ ہوتا ہے۔ پس طلب کی گئی تخفیف لفظوں میں اس کے موصوف سے تنوین کو حذف کرکے اور خط سے ابن کے الف کے حذف کرنے کے ساتھ اسی طرح ان کا قول ہذا فلان ابن فلان کیوں کہ وہ علم سے کنایہ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ اس کی صفت جب علم

طلب کی جاتی ہے مطلب یہ ہے اس کا اس شان کے ساتھ استعمال بہت زیادہ ہے اور کثرۃ استعمال تخفیف اس سے مناسبت رکھتی ہے یعنی دو علموں کے درمیان استعمال کا کثیر ہونا ان دونوں کے درمیان اتصال کے شدید ہونے کے ساتھ ہے گویا کہ ایک کلمہ ہے اور تنوین تمام اور انفصال کی علامت ہے اس وجہ سے حذف کرنا واجب ہے اور یہ حذف کرنا التقاء ساکنین کی وجہ سے نہیں چوں کہ التقاء الساکنین حذف کو واجب نہیں کرتا ہے کیوں کہ کسرہ کی حرکت سے متحرک کرنا جائز ہے جیسا کہ ساکن میں اصل ہے معلوم ہو خطاً سے کتابت ہے یعنی کتابت میں الف کو حذف کردیا جاتا ہے خطاً کا عطف لفظاً پر ہو رہا ہے۔ یعنی ابن لفظاً اور خطاً تخفیف کو طلب کرتا ہے اور ابن کا خطاً تخفیف کو طلب کرنا لفظاً تخفیف کو طلب کرنے کے منافی نہیں ہے پس وہ اعتراض جو فاضل حلوانی نے بیان کیا وارد نہیں ہوتا کہ الف کا حذف کرنا خط کے ساتھ مختص نہیں بلکہ وہ لفظ میں ہی تخفیف ہے اور اس صورت میں خط میں بھی حذف ہو جاتا اگرچہ تلفظ میں حذف ہونا تنوین کے حذف کے حال کے ساتھ مختص نہیں ہے

قولہ وکذلک قولہم الخ اسی طرح ان کا یہ قول فلاں ابن فلاں ہے کیوں کہ فلاں علم سے کنایہ ہے پس علم اعم ہے خواہ صریح ہو خواہ کنائی ہو ایسے ہی جو علم کی جگہ میں جاری ہو اس کا بھی یہی حکم ہے جیسے سید ابن سید اور ضل بن ضل اور طامر بن طامر اور امی بن امی۔

قولہ ویعلم منہ انہ الخ اور اس سے یہ جانا جاتا ہے کہ ابن جب کہ غیر علم کے واسطے صفت ہو یا غیر علم کی طرف مضاف ہو

انه اذا كان صفة لغير العلم اذ كان مضافا الى غير العلم نحو جاءني رجل ابن زيد وزيد بن عالم لم يحذف التنوين من اللفظ والالف ابن من الخط لقلة الاستعمال ويعلم من قوله موصوفا انه لايحذف اذا لم يكن الابن صفة نحو زيد ابن عمرو على ان يكون ابن عمرو خبرا عن زيد وحكم الابنة حكم الابن في جميع ماذكرنا الا في حذف همزتها فانها لاتحذف حيثما كانت لئلا يلتبس ببنت في مثل هذه هند ابنة عاصم

کے علاوہ کیلئے ہو یا مضاف ہو غیر علم کی طرف جیسے جاءنی رجل ابن زید اور زید ابن عالم تو تنوین کو لفظ سے حذف نہیں کیا جاتا اور الف کو ابن سے خط میں قلت استعمال کی وجہ سے اور اس کے قول موصوفا سے معلوم ہوا کہ اس کو حذف نہیں کیا جائے گا جب کہ ابن موصوف واقع نہ ہو جیسے زید بن عمرو۔ اس صورت میں کہ ابن عمرو زید کی خبر واقع ہو اور ابنۃ کا حکم وہی ہے جو ابن کا حکم ہے تمام ان صورتوں میں جو ہم نے ذکر کی ہیں البتہ اس کے ہمزہ کے حذف کرنے میں کیونکہ اس کا ہمزہ جہاں کہیں بھی ہو حذف نہیں کیا جاتا تاکہ بنت کے ساتھ التباس نہ ہو ہذہ ہند ابنۃ عاصم جیسی مثالوں میں۔

یعنی ابن کا موصوف علم ہو لیکن مضاف الیہ غیر علم ہو حاصل یہ ہے کہ دونوں شرط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جاوے یا دونوں شرط مفقود ہو جاویں تو پھر نہ موصوف سے تنوین حذف ہوگی اور نہ ابن کا الف کتابت میں حذف ہوتا ہے مثلاً موصوف عالم نہ ہو جیسے جاءنی رجل ابن زید یا صفت علم نہ ہو جیسے زید ابن عالم یا دونوں علم نہ ہوں جیسے رجل ابن عالم تو تنوین تلفظ میں حذف نہ ہوگی بلکہ تنوین کو اس میں ظاہر کیا جائے گا۔ جب کہ رفع کا اعراب اس پر لفظ میں دیا جائے اور ابن کا الف خط و کتابت سے حذف نہ ہوگا کیونکہ ابن کا استعمال ایسی دو شیئ کے درمیان کہ ان میں سے ایک موصوف ہو اور دوسرا مضاف الیہ لیکن موصوف غیر عالم ہو یا مضاف الیہ غیر عالم ہو بہت قلیل ہے۔

قولہ ویعلم من قولہ موصوفا اور قولہ موصوفاً سے یہ جانا جاتا ہے کہ جب کہ ابن صفت نہ ہو بلکہ خبر ہو تو تب بھی تنوین کو حذف نہیں کریں گے جیسے زید بن عمرو ابن عمرو کو زید کی خبر بنادیں تو زید پر سے تنوین حذف نہ ہوگی اور نہ ابن کا الف کتابت میں حذف ہوگا۔

قولہ حکم الابنۃ الخ ابنۃ کا حکم ابن کا ہے اس تمام میں جو ذکر کیا گیا البتہ ابنۃ کے ہمزہ کو کتابت میں حذف نہ کریں۔ جہاں بھی ہو یعنی نہ التباس کی جگہ میں نہ عدم التباس کی جگہ میں اور یہ حذف نہ کرنا اس وجہ سے ہے تاکہ ھٰذہ ھند ابنت عاصم کے مثل میں بنت سے التباس نہ ہو یعنی اس مقام میں جہاں کہ مؤنث کی صفت ہو اس کا صرف جائز ہو پس اگر تنوین کو حذف کر دیا جاوے اور ابنۃ کے الف کو تو یہ نہ جانا جاویگا کہ یہ لفظ ابنۃ ہے کہ موصوف کی تنوین حذف کی اور باء کو ساکن کیا گیا ہے۔ یا یہ لفظ بنت ہے کہ اس کے موصوف میں تنوین اور عدم تنوین دونوں درست ہے اور باء ساکن نہیں کی جاتی۔ یہاں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ التباس نہیں ہوگا کیونکہ بنت کی تاء مطول کی جاتی ہے اور ابنۃ کی تاء مدور (گول) لکھی جاتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ التباس کاتب کے ذہول پر ہے تاء کے مطول اور مدور ہونے سے لیکن فی الحقیقت یہ التباس غیر معتبر ہے چونکہ اس کے ساتھ مقصود متعارف نہیں ہوتا ہے۔ معلوم ہو کہ ابنۃ کا حکم ابن کا ہے اور بنت کا حکم ابن کا نہیں ہے کیونکہ تنوین کا حذف کرنا بنت کے ساتھ واجب نہیں ہوتا ہے۔

نون التاکید قسمان خفیفة ساکنة لانها مبنیة والاصل فی البناء السکون ومشددة مفتوحة لثقلها وخفة الفتح مع غیر الالف ای غیر التثنیة نحو اضربان والف الجمع ای الالف الفاصل بین نون الجمع المؤنث والنون المشددة نحو اضربنان فانها تکسر معها لشبهها فیما بنون التثنیة تختص ای نون التاکید بالفعل المستقبل الکائن فی ضمن

اور نون تاکید کی دو قسمیں ہیں اول خفیفہ ساکنہ اسلئے کہ وہ مبنی ہے اور اصل بناء میں سکون ہے اور دوسری قسم مشددہ مفتوحہ ہے اس کی ثقل کی وجہ سے اور فتحہ کے خفیف ہونے کی بنا پر الف کے غیر کے ساتھ یعنی الف تثنیہ کے علاوہ کے ساتھ جیسے اضربان اور الف جمع یعنی وہ الف جو جمع مؤنث کے نون اور نون مشدد کے درمیان فصل کرنے والا ہو جیسے اضربنان اس لئے کہ وہ اس کے ساتھ کسرہ دیا جاتا ہے اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں میں تثنیہ کے نون کے ساتھ مختص ہے یعنی نون تاکید فعل مستقبل کے ساتھ جو ضمن میں امر کے

بلکہ اس میں دونوں وجہ حذف کرنا اور حذف نہ کرنا دونوں جائز ہے۔

قولہ نون التاکید الخ تاکید کا نون دو قسم پر ہے۔ شارح نے قسمان کہکر اسطرف اشارہ کیا کہ تاکید کے دونوں نون خفیفہ اور ثقیلہ اصل ہیں۔ بصریوں کا یہی مذہب ہے اور کوفیوں نے کہا کہ ثقیلہ اصل ہے اور دونوں کے معنی تاکید ہیں اور خلیل نے کہا ثقیلہ میں تاکید ابلغ یعنی زیادہ۔ نون تاکید کی ایک قسم خفیفہ ساکنہ ہے کیوں کہ وہ مبنی ہے اور بناء میں اصل سکون ہے نون تاکید کی دوسری قسم مشددہ مفتوحہ ہے یہ مشددہ مفتوح اس وجہ سے ہے کہ یہ خود ثقیل ہے یہ اپنے ثقل کی وجہ سے خفت کو چاہتا ہے اور فتحہ خفیف ہے غرضیکہ مشددہ حرکت کو مستلزم ہے اسی وجہ سے اصل تحریک کا نکتہ عارض نہیں ہو غرضیکہ نون مشددہ میں اس کا اصل متحرک کرنا ہے تاکہ التقاء ساکنین لازم نہ آوے اور ایک نون کا حذف نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ حذف کرنا غرض کے منافی ہے یعنی افادہ تاکید کے منافی ہے پس یہ نون مشددہ خود اس کے ثقل اور فتحہ کے خفت کی وجہ سے مفتوح ہے لیکن یہ نون تاکید مشددہ کا مفتوح ہونا اس وقت ہے جب کہ وہ الف کے ساتھ نہ ہو یعنی نہ الف تثنیہ کے ساتھ ہو جیسے اضربان اور نہ الف جمع کے ساتھ یعنی اس الف کے ساتھ نہ ہو جو نون جمع مؤنث اور نون مشددہ کے درمیان فاصل ہوتا ہے جیسے اضربنان

شارح نے الف الجمع اضافہ کے ساتھ الف التثنیہ کی رعایت کی وجہ سے اختیار کیا اور قوم کی عبارت کو اس کی تفسیر بنا دی اور شائع اور مشہور الف الفصل ہے جیسا کہ رضی میں ہے اور لفظ الفاصل کے اضافت کے معنی پس وہ اولی مناسبت کی وجہ سے ہے۔ پس ان دونوں الف تثنیہ اور الف جمع کے ساتھ نون تاکید مشددہ مکسور ہوتا ہے کیوں کہ اس وقت اس نون تاکید مشددہ کی مشابہت نون تثنیہ کے ساتھ ہوتی ہے کیوں کہ دونوں میں سے ہر ایک الف کے بعد واقع ہے۔ شارح نے لشبہها فیما دلوجہ

ان دو نون کے ان دونوں کے ساتھ مشابہت نہیں کہا باوجودیکہ اس میں ضمائر کا تفکک بھی نہیں ہے کیوں کہ یہ وہم ڈالتا ہے کہ نون دونوں الف کے ساتھ نون تشبیہ کے ساتھ ہے اولی یہ تھا کہ شارح فیما کو حذف کر دیتے چوں کہ اس کی طرف حاجت نہیں ہے۔

قولہ تختص الخ۔ شارح نے تختص کی ضمیر فاعل نون التاکید کی طرف راجع کی وحدۃ الضمیر کی رعایت کی وجہ سے اور بعض نے کہا کہ ضمیر کل واحد من الخفیفۃ و الثقیلۃ کی طرف راجع ہے اور اس طرف راجع کرنا قرب مرجع کی رعایت

الامر نحو اضربن بالتخفیف واضربن بالتشدید و النهی نحو لا تضربن والاستفهام مثل هل تضربن و التمنی نحو لیتک تضربن والعرض نحو الا تنزل بنا فتصیب خیرا او القسم نحو واللہ لافعلن بالتخفیف و التشدید فی جمیع هذه الامثلة وانما اختصت هذه النون بهذه المذکورات الدالة علی الطلب دون الماضی و

ہو جیسے اضربن تخفیف کے ساتھ اور اضربن تشدید کے ساتھ اور نہی کے ضمن میں جیسے لا تضربن اور استفہام جیسے ہل تضربن اور تمنی جیسے لیتک تضربن اور عرض جیسے الا تنزل بنا فتصیب خیرا۔ ہمارے پاس آجاؤ تو بھلائی پاؤ گے اور قسم جیسے واللہ لافعلن تخفیف و تشدید کے ساتھ ان تمام مثالوں میں اور یہ نون مختص ہے ان مذکورہ بالا صورتوں کے ساتھ جو طلب پر دلالت کرنیوالی ہیں

کی وجہ سے ہے اور اس کے باوجود ان دونوں میں سے ہر ایک میں حکم کی تصریح بھی ہو جاتی ہے ہر دو صورت پر تختص الخ جملہ مستانفہ ہے اور خبر بعد خبر نہیں ہے خبر جملہ میں عاطف کا ہونا ضروری ہے۔

قولہ بالفعل المستقبل الخ یعنی تاکید کے ہر دو نون فعل مستقبل کے ساتھ مختص ہیں۔ یہاں پر فعل مستقبل سے مراد فعل اصطلاحی ہے اس نون تاکید کا دخول اسم فاعل پر اس اعتبار سے ہے کہ اسم فاعل کو مضارع کے مشابہ کر دیا گیا جیسا کہ شاعر کے اس قول میں ہے اقائلن احضروا الشہودا ایسے ہی ماضی پر داخل ہوتا جیسا کہ شاعر کے اس قول میں ہے دامن سعدک ان رحمت متیما غرضیکہ ان دونوں میں داخل ہونا نظم میں اضطراری ہے اور اختصاص سے مراد سعت منثرم میں داخل ہونا۔ یعنی نثر میں صرف فعل مستقبل پر داخل ہوتا ہے۔ فعل ماضی اور اسم فاعل وغیرہ پر داخل نہیں ہوتا۔

قولہ الکائن فی ضمن الامر یعنی فعل مستقبل امر کے ضمن میں ہونے والا ہو اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض اور قسم کے ضمن میں وہ فعل مستقبل ہونے والا ہو۔ امر کی مثال جیسے اضربن بالتخفیف اور اضربن بالتشدید اور نہی کی مثال نون خفیفہ میں لا تضربن اور نون ثقیلہ میں لا تضربنّ اور استفہام کی ہل تضربن اور ہل تضربنّ اور تمنی کی مثال لیتک تضربن۔ لیتک تضربنّ اور عرض کی مثال جیسے الا تنزلن بنا د بالنون الخفیفہ و الثقیلہ) بنا فتصب خیراً اور قسم کی مثال واللہ لافعلن ان سب مثالوں میں نون تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ پڑھا جاتے۔

معلوم ہو کہ امر کے ضمن میں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ یہ فعل مستقبل امر کے ضمن میں اس طور پر ہو کہ فعل مستقبل لفظاً ہو جیسا کہ امر مخاطب کے ماسوا میں یا حکماً یا تقدیراً جیسا کہ امر مخاطب میں کہ امر مخاطب اصل میں مضارع ہے اس سے لام کو کثرۃ استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا پس وہ تقدیر میں فعل مستقبل ہے لام الامر کے ضمن میں جیسے امر غائب و متکلم پس امر سے مراد عام ہے امر بغیر لام اور باللام توسع کے طور پر یا امر بغیر لام مراد ہے اور اس سے امر باللام کا حکم بطریق اولیٰ سمجھا جاتا ہے۔ شارح رح استفہام کی مثال میں ہل داخل کیا جیسے ہل تضربن اور ایسے ہی باقی ادوات پر استفہام کا حکم ہے خواہ اسمی ہوں یا حرفی بعض نے ہمزہ کے ساتھ اس حکم کو خاص کیا اس پر رد کرنے کے لئے جن نے اس کو ہمزہ کے ساتھ خاص کیا۔

وانما اختصت ہذہ النون یہ نون ان مذکورات جو کہ طلب پر دلالت کرنے والے ہیں اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ نون صرف اس کی تاکید کرتا ہے جو مطلوب ہو کیونکہ اس کی وضع شئی کے حصول کی طلب کی تاکید کے واسطے ہوتی ہے خواہ خارج میں یا ذہن میں اور ماضی اور حال اور خبر مستقبل

الحال لانہ لا یؤکد الا ما یکون مطلوبا وقلت ای نون التاکید فی النفی فلا یقال زید ما یقومن الا قلیلا لخلوہ عن معنی الطلب وانما جاز قلیلا تشبیہا لہ بالنہی ولزمت ای نون التاکید فی مثبت القسم ای فی جوابہ المثبت لان القسم محل التاکید فکرھوا ان یؤکدوا الفعل بامر منفصل عنہ وھو القسم من غیر ان یؤکدوہ بما یتصل بہ وھو النون بعد صلاحیتہ

نہ کہ ماضی اور حال پر کیوں کہ تاکید نہیں لائی جاتی مگر اس کی جو مطلوب ہو یعنی اس کو طلب کیا گیا ہو اور قلیل ہے یعنی نون تاکید نفی میں پس نہیں کہا جاتا زید مایقومن لیکن بہت قلیل اس کے خالی ہونے کی وجہ سے طلب کے معنی سے اور بیشک بطور قلیل یعنی کمی کے ساتھ جائز ہے اس کو نہی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اور لازم ہے یعنی نون تاکید مثبت قسم میں یعنی اس کے مثبت جواب میں اس لئے کہ قسم محل تاکید ہے پس انہوں نے مکروہ سمجھا کہ وہ فعل کی تاکید لائیں اس چیز سے جو اس سے جدا ہو اور وہ قسم ہے بغیر اس کے کہ اس کو مؤکد کریں اس چیز سے جو اس سے متصل ہو اور وہ نون ہے اسکے صلاحیت رکھنے کے باوجود

مطلوب نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے یہ نون نہ ماضی پر داخل ہوتا ہے نہ حال پر اور نہ خبر مستقبل پر۔

قولہ دون الماضی والحال النون سے حال ہے یعنی وہ نون تجاوز کرنے والا ہے اس سے جو ماضی اور حال پر دلالت کرنے والا ہے یا الدلالۃ میں جو ضمیر مستتر ہے اس سے حال ہے یعنی ماضی وحال ان مذکورات سے متجاوز ہو جو طلب پر دال ہیں۔

قولہ وقلت الخ یعنی نون تاکید نفی میں کم آتا ہے پس زید مایقومن نہیں بولا جاتا ہے۔ مگر چوں کہ وہ معنی طلب سے خالی ہے یہ مثال ما کے ساتھ اس وجہ سے لائے تاکہ نفی بلا کا حکم بالطریق الاولیٰ معلوم ہو جاوے کیوں کہ اس کی مشابہت لا ناہیہ کے ساتھ اتم ہے اور نفی کے ساتھ نون تاکید کا لانا جائز اس وجہ سے ہے کہ اس کی مشابہت نہی کے ساتھ ہے اگرچہ نفی کے ساتھ آنا قلیل ہے

قولہ ولزمت الخ اور نون تاکید کا مثبت قسم میں آنا لازم ہوا ہے یعنی قسم کے مثبت جواب میں اس سے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ مثبت سے مراد جواب ہے کیوں کہ وہی اثبات کے ساتھ موصوف ہے نہ قسم اور جس نے مثبت کی اضافت قسم کی طرف کی ہے وہ اضافت اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے گروہ سے ہے جیسے جرد قطیفہ جیسا کہ اس کو شارح مہدی نے اختیار کیا پس وہ مسامحت کا ارتکاب اھ

تساہل کا التزام ہے اور قسم کے مثبت جواب میں اس وجہ سے نون تاکید لازم ہوا ہے قسم محل تاکید ہے پس انہوں نے اس کو برا سمجھا ایسے امر سے فعل کی تاکید کریں جو اس سے منفصل ہیں اور وہ قسم ہے بلا اس کے کہ اس کی تاکید ایسے امر سے کریں کہ جو اس سے متصل ہو یعنی اولاً فعل کی تاکید ایسے امر سے کی جائے جو فعل کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ اور وہ نون ہے پھر اس کی تاکید امر منفصل سے کی جاوے غرضیکہ جواب قسم میں جو فعل ہے اس کی تاکید امر منفصل سے

کرنے کے بغیر قسم سے تاکید کرنا ناپسندیدہ امر ہے جب کہ اس فعل میں صلاحیت اور قابلیت بھی ہے کہ نون تاکید کے ساتھ مؤکد کر دیا جاوے

قولہ محل التاکید معلوم ہو کہ اس میں تسامح ہے کیوں کہ محل تاکید جواب القسم ہے خود قسم نہیں ہے بلکہ وہ قسم تاکید کا فائدہ کرنے والا ہے۔

قولہ ان یؤکدوا الفعل بامر منفصل عنہ یعنی فعل کی تاکید اس امر سے کی جاوے جو فعل سے منفصل ہو اور وہ امر منفصل قسم ہے بلا اس کے کہ اس فعل کی تاکید

له و فی قوله لزمت اشارة الی ان زیادة نون التاکید فیما
عدا مثبت القسم غیر لازم بل جائز وکثرت ای نون التاکید
فی مثل اما تفعلن ای الشرط الموکد حرفه بما نانه لما اکدوا
الحرف قصدوا تاکید الفعل ایضاً لئلا ینتقض المقصود

اور مصنف کے قول لزمت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نون تاکید کی
زیادتی مثبت قسم کے ماسوا میں الدم نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور کثیر ہے یعنی
نون تاکید اما تفعلن جیسی مثالوں میں یعنی وہ شرط کہ مؤکد ہو اس کا حرف
ما کے ساتھ اس لئے کہ جب انہوں نے حرف کو مؤکد کیا تو قصد کیا ہے فعل کی
تاکید کا بھی تاکہ اس کے غیر سے مقصد ٹوٹ نہ جائے ۔

اس شئ سے کی جاوے جو فعل کے ساتھ
متصل ہوتا ہے اور وہ نون تاکید ہے
بعد اس کے فعل امر متصل کے ساتھ تاکید
کی صلاحیت بھی رکھتا ہے یعنی نون تاکید
کے ساتھ تاکید کے قابل ہے کیونکہ وہ
فعل کے ساتھ متصل ہے بخلاف قسم کے کہ
وہ فعل کے ساتھ متصل نہیں ۔

قولہ بعد صلاحیتہ لہ : اس کے بعد
کہ فعل کی صلاحیت امر متصل کے ساتھ پوری
قابلیت ہے بعد صلاحیتہ لہ کی قید سے اس
سے احتراز ہوگیا جو بالکل صلاحیت نہیں
رکھتا ہے جیسے جملہ اسمیہ اور فعل ماضی
مثبت اور وہ جس میں مانع موجود ہو ایسے
ہی اس سے احتراز ہوگیا کہ جو فعل کہ صلاحیت
رکھتا ہے لیکن پوری قابلیت نہیں رکھتا ہے
جیسے مستقبل منفی چونکہ فی النفی وہ نفی ہے
مطلوب ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا ہے
جیسا کہ اس پر قلت قول دلالت کرتا ہے

پس حاصل یہ ہے کہ مثبت قسم میں نون
تاکید کا لزوم صلاحیت تامہ کے ساتھ
مشروط ہے مصنف رح نے اس شرط کو اس
وجہ سے ذکر سے چھوڑ دیا یہ شرط خوب
ظاہر تھی اور یہاں سے اعتراض مشہور کا
اندفاع ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ قولہ
لزمت فی مثبت القسم سے لزوم مطلق
مفہوم ہوتا ہے اور یہ صحیح نہیں اسلئے
کہ لزوم مذکور مشروط ہے اس شرط
کے ساتھ کہ فعل مضارع حروف تنفیس
سے خالی ہو چونکہ نون تاکید فعل مضارع
کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا ہے جبتک
کہ وہ حروف تنفیس خالی نہ ہو جیسے قولہ
تعالیٰ ولسوف یعطیک ربک فترضی
اس لئے کہ دو حرف جو کہ معنی میں متحد ہوں
ان کا جمع ہونا مکروہ ہے اور ایسے ہی
کلمہ قد سے خالی ہونا بھی ضروری ہے
جیسے واللہ لقد اطن زیداً منطلقاً چونکہ

قد حرف استقبال کے ساتھ جمع نہیں
ہوتا ہے اور نون تاکید حروف استقبال
سے ہے ۔

قولہ لزمت اشارۃً یعنی مصنف کے
قول لزمت میں اس طرف اشارہ ہے کہ
نون تاکید کی زیادۃ مثبت قسم کے ماسوا
میں لازم نہیں ہے بلکہ جائز ہے لہذا
فعل منفی جو صلاحیت رکھتا ہو کہ نون
تاکید اس کے ساتھ لگ جاوے تو اس
میں لازم نہیں بلکہ لگنا اس کے ساتھ
جائز ہے ۔

قولہ وکثرت الخ اور نون تاکید کا
اما تفعلن کے مثل میں لگنا بہت ہوا ہے
مثل اما تفعلن سے مراد یہ ہے کہ جو شرط
ایسی ہے کہ اس شرط کا حرف ما کے ساتھ
موکد کیا گیا ہے تو اس میں نون تاکید
بکثرت لگتا ہے اس لئے کہ جب حرف
کے شرط کو مؤکد کیا گیا تو انہوں نے فعل کی
تاکید کا بھی قصد کیا تاکہ غیر مقصود مقصود
سے کم درجہ نہ ہو جاوے کیونکہ مقصود
فعل کی تاکید ہے اس کے غیر سے یعنی
حرف سے ۔ قولہ کثرت سے مصنف نے
اس طرف اشارہ کردیا کہ کبھی نون تاکید شرط
کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے اگرچہ اس کو
ما کے ساتھ مؤکد نہ کیا گیا ہو جیسے ان
تفعل افعل اور اس سے اس طرف بھی
اشارہ ہوگیا کہ نون تاکید کبھی جزا کے ساتھ
لگا دیا جاتا ہے جب کہ اس کی شرط
ان میں سے ہو جس کے ساتھ نون تاکید کا
لحوق جائز ہو اور حرف شرط کا ما کے
ساتھ مؤکد کرنا اس میں تقبیح ہے خواہ

من غيره (وماقبلها) اى ماقبل نون التاكيد خفيفة كانت او ثقيلة (مع ضمير المذكرين) وهو الواو (مضموم) ليدل على الواو المحذوفة لالتقاء الساكنين ان اشترط فى التقاء الساكنين على حدة ان يكون الساكنان فى كلمة واحدة فان النون المشددة كلمة اخرى اولثقل الواو بعد الضمة وقبل النون المشددة ان لم يشترط فى التقاء الساكنين ماذكر (ومع ضمير المخاطبة) وهو الياء (مكسور) ليدل على الياء المحذوفة لالتقاء الساكنين

اور اس کا ماقبل یعنی نون تاکید کا ماقبل خفیفہ ہو یا ثقیلہ دونوں مذکر کی ضمیر کے ساتھ اور وہ واو ہے مضموم ہوتی ہے تاکہ اس واو پر دلالت کرے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اگر علاحدہ مشروط ہو التقاء ساکنین میں کہ دونوں ساکن ایک ہی کلمہ میں واقع ہوں اس لئے کہ نون مشددہ دوسرا کلمہ ہے یا پھر ضمہ کے بعد واو کے ثقیل ہونے کی وجہ اور نون مشددہ سے پہلے ہونے کی وجہ سے۔ اگر التقاء ساکنین میں مذکورہ بالا شرط نہ ہو اور ضمیر مخاطبہ کے ساتھ اور وہ یاء مکسورہ ہے تاکہ وہ اس یاء پر دلالت کرے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہے۔

..... ما کے ساتھ تاکید لازم ہو جیسا کہ حیثما اور اذ ما میں یا تاکید جائز ہو جیسے لیتما میں اور منقض صاد مہملہ کے ساتھ ہے نقصان سے کیوں کہ مقصود فعل کی تاکید ہے اور اس کے ضمیر سے یعنی حرف سے۔

قولہ ماقبلہا یعنی وہ حرف نون تاکید خفیفہ یا ثقیلہ کے پہلے ہوتا ہے مذکرین کی ضمیر کے ساتھ مضموم ہوتا ہے۔ اور مذکرین کی ضمیر واو ہے یعنی جمع مذکر غائب اور جمع مذکر حاضر میں نون تاکید کا ماقبل مضموم ہوتا ہے تاکہ محذوف واو پر دلالت کرے جو کہ دو ساکنوں کے ملنے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا

قولہ مع ضمیر المذکرین یہ اس ضمیر سے حال مقدرہ ہے جو ظرف میں ہے ما کی طرف لوٹنے والی ہے کیونکہ ان کی ضمیر جمع مذکر کی جمع نہیں ہوتی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ یہ اس کے صحیح کا حکم ہے اس لئے کہ معتل ناقص میں نون کے پہلے ضمیر ہوتی ہے پس یہ کہنا کہ دونوں مذکور تعلیلیں اخشون اور اخشین میں جاری نہیں ہوتی وہم ہے۔

قولہ ان اشترط فی التقاء واو جو ضمیر ہے اس کا حذف کیا جانا دو ساکن کے ملنے کی وجہ سے اس وقت ہے کہ اگر دو ساکنوں کے علیحدہ کے ملنے میں یہ شرط کیا جاوے کہ دو ساکن ایک کلمہ میں ہو کیوں کہ نون مشددہ دوسرے کلمہ میں ہے یعنی دو ساکن کا التقاء دو کلموں میں ہے کیوں کہ التقاء ساکنین دو کلموں میں غیر جائز ہے کیوں کہ مشددہ دوسرا کلمہ ہے اسی وجہ سے ان اشترط فی التقاء الساکنین سے اشارہ کر دیا پس اس وقت

قولہ لیدل علی الواو المحذوفۃ لالتقاء الساکنین وارد نہیں ہوتا ہے کیوں کہ واو کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کرنے کے کچھ معنی نہیں چوں کہ التقاء ساکنین جائز ہے۔

قولہ او لثقل الواو بعد الضمۃ یا نون تاکید ماقبل اس وجہ سے مضموم ہوتا ہے تاکہ وہ اس واو پر دلالت کرے جو اس وجہ سے حذف کیا گیا واو ضمہ کے بعد اور نون مشددہ کے پہلے اگر التقاء ....

ساکنین اس کی شرط کی جاتے جو ذکر کیا گیا یعنی دونوں ساکن کا ایک کلمہ میں ہونا۔

قولہ مع ضمیر المخاطبۃ یعنی نون تاکید ماقبل ضمیر مخاطبہ کے ساتھ مکسور ہوتا ہے اور وہ ضمیر یاء ہے یعنی واحد مؤنث حاضر میں نون تاکید کا ماقبل مکسور ہوتا ہے تاکہ وہ کسرہ محذوف یاء پر دلالت کرے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کی۔ یہ اس وقت تعلیل ہے جب کہ التقاء ساکنین جو جائز ہے اس میں یہ شرط کی وجہ ہے کہ دونوں ساکن کلمہ میں ہا

اولثقل الیاء بعد الکسرۃ وقبل النون المشددۃ وما قبلھا
فیما عدا ذلک المذکور من ضمیر المذکرین وضمیر المخاطبۃ
وھو الواحد المذکر غائباً کان اومخاطبا والمؤنث الغائبۃ
مفتوح طلبا للخفۃ" وظاھران ماعدا ذلک المذکور
یشمل لتثنیۃ" وجمع المونث وحکمھما غیر ماذکر فقولہ و
تقول فی التثنیۃ وجمع المؤنث اضربان واضربنان بمنزلۃ الاستثناء
الاستثناء عنہ نتقول فی المثنی اضربان باثبات الالف لئلا

یا پھر یا کے ثقیل ہونے کی وجہ سے کسرہ کے بعد اور نون مشددہ سے پہلے اور اس کا ماقبل ان کے علاوہ میں کہ جن کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً دونوں مذکر کی ضمیر اور ضمیر مخاطبہ اور وہ واحد مذکر غائب ہو یا حاضر اور مؤنث غائب مفتوح ہوتی ہے خفت کو طلب کرنے کیلئے اور ظاہر ہے کہ ان مذکورہ کا ماسوا تثنیہ جمع مؤنث کو شامل ہے اور ان دونوں کا حکم مذکورہ حکم کے علاوہ ہے پس اس کا قول اور تو تثنیہ اور جمع مؤنث میں کہے اضربانّ اور اضربنانّ اس سے استثناء کے درجہ میں ہیں پس تو مثنی میں کہے اضربان الف کو ثابت رکھنے کے ساتھ تاکہ واحد

اس ضمیر کا یاء کا حذف کیا جانا اس وجہ سے ہوا کہ بعد کسرہ کے یا ثقیل ہے اور نون مشددہ کے پہلے ثقیل ہے۔
قولہ وماقبلہا فیما عدا ذلک الخ اور نون تاکید کے پہلے جو حرف ہے ان کے ماسوا میں جو مذکرین کی ضمیر اور مخاطبہ کی ضمیر سے جو ذکر کئے گئے اور وہ واحد مذکر ہے خواہ غائبہ ہو یا حاضر یا واحد مؤنث غائب غرضیکہ ان صیغوں میں نون تاکید کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے خفت کو طلب کرنے کی وجہ سے معلوم ہو کہ ذلک سے اشارہ ہو رہا ہے ضمیر المذکرین اور ضمیر المخاطبۃ کی طرف وہ

دو ہیں اور یہ اسم اشارہ واحد کیلئے ہے تو مفرد اسم اشارہ دو کی طرف اشارہ کس طرح درست ہوا جواب یہ ہے کہ مشار الیہ مذکور کے ساتھ ہے اور وہ مفرد ہے اس وجہ سے اشارہ درست ہوا۔ مصنف رح متکلم کے صیغوں کو ذکر نہیں کیا حالاں کہ ماعدا ذلک میں یہ بھی داخل ہیں۔ اس سے مصنف نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ ان کا وقوع استعمال میں کم ہے نہ ہونے کے مانند کیوں کہ نون تاکید صرف اس میں داخل ہوتا ہے جس میں طلب کے معنی ہوں اور شخص

کا خود اپنے نفس سے طلب کرنا صحیح نہیں ہے مگر تاویل اور تغایر اعتباری کے ساتھ۔
قولہ وظاہران ماعدا ذلک المذکور ظاہر یہ ہے کہ ماعدا ذلک المذکور تثنیہ اور جمع مؤنث کو بھی شامل ہے حالاں کہ ان دونوں کا حکم اس کے علاوہ ہے جو ذکر کیا گیا کیونکہ ان دونوں میں نون تاکید کے پہلے الف ہے اور فتحہ نہیں اور رضی نے ان دونوں کا حکم یہ مذکور قرار دیا ہے یا تو اس لئے کہ الف اگرچہ حاجز ہے مگر یہ حاجز غیر مضبوط قلعہ کی طرح نہیں ہے یا اس لئے کہ الف فتحہ کے حکم میں ہے اور رضی نے قولہ وتقول فی التثنیۃ وجمع المؤنث الخ کو بیان قرار دیا ہے ان دونوں کے درمیان اور جمع مذکر اور واحد مؤنث مخاطبہ کے درمیان اور ظاہر وہ ہے جس کو شارح نے بیان کیا پس شارح کہتے ہیں ماعدا ذلک المذکور تثنیہ اور جمع کو بھی شامل ہے حالانکہ ان دونوں کا حکم وہ نہیں جو ذکر کیا گیا، پس مصنف کا یہ قول وتقول فی التثنیۃ وجمع المؤنث اضربانّ اور اضربنانّ اس ماعدا ذلک سے استثناء کے درجہ میں ہے اس لئے ان دونوں صورت میں نون تاکید کا ماقبل مفتوح نہیں ہے بلکہ ان دونوں صورتوں میں نون کے پہلے الف ہے پس مثنی میں اضربان کہو گے الف کو ثابت رکھنے کے ساتھ یعنی اضربان میں الف کو حذف نہیں کیا جائے گا اگرچہ التقاء الساکنین ہے لازم آرہا ہے جیسا کہ اضربنّ اور اضربنّ میں واو اور یاء کو حذف کر کے ماقبل ضمہ اور کسرہ باقی رکھا گیا کیوں کہ اگر مثنی میں الف حذف

يشتبه بالواحد واضربنان في جمع المؤنث بزيادة الالف بعد نون الجمع وقبل نون التاكيد لئلا يجتمع ثلث نونات متواليات ولا تدخلهما اى التثنية وجمع المؤنث النون الخفيفة للزوم التقاء الساكنين على غير حده خلافا ليونس فانه يجوز التقاء الساكنين على غير حده ويجعله مغتفرا كما في الوقف وليس بمرضي عند الاكثرين وهما اى نون الثقيلة والخفيفة في غيرهما اى غير التثنية وجمع المؤنث مع الضمير البارز اى

کے ساتھ اشتباہ نہ ہو اور اضربنان الف کی زیادتی کے ساتھ نون جمع میں نون تاکید سے پہلے تاکہ پے در پے تین نون نہ جمع ہو جائیں اور داخل نہیں ہوتا ان دونوں میں یعنی تثنیہ اور جمع مؤنث میں نون خفیفہ التقاء ساکنین غیر حدہ لازم آنے کی وجہ سے یونس نحوی کا اختلاف ہے اس لئے کہ وہ التقاء ساکنین غیر حدہ کو جائز مانتا ہے اور اس کو معاف قرار دیتا ہے مطلقاً جیسے وقف میں حالانکہ یہ اکثر نحاۃ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے اور وہ دونوں یعنی نون ثقیلہ اور نون خفیفہ ان دونوں کے علاوہ میں یعنی تثنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ میں ضمیر بارز کے ساتھ یعنی جمع مذکر کے واو اور مخاطبہ کی یا ء میں منفصل کی طرح

کریں گے تو واحد کے ساتھ التباس لازم آتا ہے کیوں کہ تاکید کا نون ان دونوں میں اس وجہ سے کسرہ دیا گیا کہ اس نون کو تثنیہ کے نون سے تشبیہ دیدی گئی کیونکہ الف کے بعد واقع ہے۔

قولہ واضربنان الخ یعنی اضربنان جمع مؤنث میں الف زیادہ کر دیا گیا۔ نون جمع مؤنث کے بعد اور نون تاکید کے پہلے باوجودیکہ دو التقاء لازم آرہا ہے باوجود التقاء ساکنین کے احتراز نہیں کیا گیا تاکہ تین نون متوالی ولگاتار کا اجتماع لازم نہ آوے۔

قولہ ولا تدخلهما الخ یعنی تثنیہ اور جمع مؤنث ان دونوں میں نون تاکید خفیفہ داخل نہیں ہوتی ہے چوں کہ اگر ان میں نون خفیفہ لگایا جاوے تو التقاء ساکنین علی غیر حدہ لازم آتا ہے دونوں مذہبوں پر چوں کہ ثانی مدغم نہیں ہے اور اس حکم میں یونس مخالفت کرتا ہے اس کے نزدیک ان مذکور صیغوں میں بھی نون خفیفہ لگتا ہے چوں کہ وہ التقاء ساکنین علی غیر حدہ مطلقاً کو جائز رکھتا ہے اور اس کو مغفور اور بخشا ہوا قرار دیتا ہے معلوم ہو کہ شارح کا قول یجعلہ مغتفرا یعنی مغفور یہ شارح کا قول تکرار ہے صواب وہ ہے جو حواشی ہندیہ میں ہے کہ وہ یونس اس کو جائز رکھتا ہے اور التقاء ساکنین کو مغفور قرار دیتا ہے جب کہ ان دونوں کے اول میں حرف نہیں ہو کیوں کہ اس میں مد ہے جیسے حرکت اور بعض نے کہا نون کو کسرہ

کی حرکت دیدی جاتی ہے اور اسی پر قولہ تعالیٰ ولا تتبعان در ان حالیکہ وہ نون کے تخفیف کے ساتھ محمول ہے یعنی التقاء ساکنین اور اس کے نزدیک مطلقاً جائز ہے جیساکہ وقف میں التقاء ساکنین حالت وقف میں بالاتفاق معاف اور جائز ہے۔

قولہ ولیس بمرضی الخ یا اور اکثرین کے نزدیک التقاء ساکنین پسندیدہ اور جائز نہیں ہے ممکن ہونے کے ساتھ اور اس کے آنے کے ساتھ جیسے نافع کی

قرأۃ ومحیای وابی عمرو کی قرأۃ واللائی کیوں کہ کمال فصاحت حروف کے ظاہر کرنے اور ان کے ثابت رکھنے میں ہے اور التقاء ساکنین اس سے منافات رکھتا ہے اور حالت وقف قطع تکلم کی حالت ہے اور اس پر تکلم کی حالت کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

قولہ وہما الخ یعنی نون ثقیلہ اور نون خفیفہ ان دونوں کے غیر میں یعنی تثنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ میں ضمیر بارز کے ساتھ یعنی واو جمع مذکر اور یا ء مخاطبہ کے ساتھ یعنی واو جمع مذکر اور یا ء مخاطبہ کے ساتھ متصل کے

واوجمع المذكر وياء المخاطبة كالمنفصل اى كالكلمة المنفصلة يعني يجب ان يعامل أخر الفعل مع النونين معاملته مع الكلمة المنفصلة بحذف الواو والياء او تحريكهما ضمًّا او كسراً وغرضه من هذا الكلام بيان الافعال المعتلة الاواخر عند الحاق النون بها ومعنى كلامه ان النونين كلهما مع المثنى وجمع المؤنث ماذكر ومع غيرهما على ضربين اما

یعنی اس کلمہ کی مانند ہے جو منفصل ہو یعنی واجب ہے کہ دونوں نونوں کیساتھ فعل کے آخر میں معاملہ کیا جائے وہ معاملہ جو دوسرے کلمہ کے ساتھ کیا جاتا ہے واو اور یاء کے حذف میں سے یا دونوں کے حرکت دینے کا ضمہ اور کسرہ کی صورت میں اور اس کی غرض اس کلام سے ان افعال کا بیان کرنا ہے جن کے آخر میں تعلیل ہوئی ہو ان کے ساتھ نون کے لاحق کرنے کے وقت اس کے کلام النونین الخ کے معنی یہ ہیں کہ مثنی اور جمع مؤنث جس کو انہوں نے ان دونوں کے علاوہ کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ دو قسم پر یا ضمیر بارز کے ساتھ ہوگا اور وہ دو چیزیں ہیں

مانند ہے یعنی منفصلہ کلمہ کے مانند ہے معلوم ہو کہ ہما مبتدا ہے اس مبتدا کی خبر کالمنفصل ہے اور فی غیرہما خبر کی اس ضمیر سے حال ہے مطلب یہ ہے یہ دونوں نون لیے لاحق ہونے میں فعل کے آخر میں منفصل لفظ کے مانند ہے جس وقت کہ وہ دونوں مثنی اور مجموع کے غیر میں واقع ہونے اس غیر کے ضمیر بارز اور وہ اس وجہ سے کہ اس کی انفصال کی جہت قوی ہے ضمیر بارز کے توسط کی وجہ سے پس یہ دونوں نون تثنیہ اور جمع مؤنث کے غیر ضمیر بارز یعنی جمع مذکر کے واو اور مخاطبہ کی یاء کے ساتھ کلمہ منفصلہ کے مانند ہیں اس سے مصنف کی مراد یہ

ہے فعل کے آخر میں دونوں نون کے ساتھ لگنے پر ایسا معاملہ کیا جاتے جیسا کہ فعل کے ساتھ کلمہ منفصلہ لگ جائے جو معاملہ کہ فعل کے آخر میں اس وقت کیا جاتا ہے وہ معاملہ نونوں کے وقت میں کیا جاتے واو کے حذف کرنے اور یاء کو حذف کرنے یا ان دونوں واو اور یاء کو ضمہ اور کسرہ کی حرکت دینے سے معاملۃ کی ضمیر مضاف الیہ ضمیر بارز کی طرف راجع ہے معاملۃ منصوب بنزع الخافض ہے قولہ غرضہ من ہذا الکلام شارح فرماتے ہیں اس کلام سے مصنف کی غرض افعال معتدل الاواخر کو بیان کرنا ہے جو وقت

ان کے ساتھ نون لحق ہو اور مصنف کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ مثنی اور جمع مؤنث دونوں نونوں کا حکم وہ ہے جو ذکر کیا گیا اور ان کا مثنی اور جمع مؤنث کے غیر کے ساتھ حکم دو قسم پر ہے یا ضمیر بارز کے ساتھ وہ دو شئی ہیں ایک جمع مذکر جیسے اغزوا اور ارموا اور اخشوا دوسری شئی واحد مؤنث جیسے اغزی اور ارمی اور اخشی اور یا ضمیر مستتر کے ساتھ اور وہ واحد مذکر ہے جیسے اغزو اور ارم اور اخش پس نون ضمیر بارز کے ساتھ منفصل کلمہ کے مانند ہے پس تم اغزن اور ارمن یا توم کہو گے واو کو حذف کرنے کے ساتھ جیسا کہ اغزوا الکفار اور ارموا الغرض میں واو کو حذف کیا گیا اور ایسے اغزن اور ارمن یا امرأۃ یاء کے حذف کے ساتھ جیسا کہ یاء کو اغزی الجیش اور ارمی الغرض میں حذف کی گئی۔

قولہ مع المثنی الخ یعنی مثنی اور جمع مؤنث کے ساتھ دونوں نون کا حکم وہ ہے جو ذکر کیا گیا۔ یہ حکم قولہ فی غیرہما کی تقیید سے جانا گیا اور ان دونوں کے حکم کے بیان سے تعرض نہ کرنا اس پر کفایت کرنے کی وجہ سے ہے جو صحیح میں ذکر کیا گیا یعنی الف تثنیہ الف فاصل کے بعد نون ثقیلہ مکسورہ لگایا جاتا ہے ان میں خفیفہ نہیں لگتا ہے برخلاف یونس کے اس کے نزدیک نون خفیفہ ان کے ساتھ لگتا ہے۔

قولہ مع غیرہما یہ قولہ مع المثنی پر معطوف

مع ضمیر بارز وھو شیئان جمع المذکر نحو اغزوا، ارموا، اخشوا
والواحد المؤنث نحو اغزی وارمی واخشی واما مع ضمیر مستتر
وھو الواحد المذکر نحو اغز وارم واخش فالنون مع الضمیر
البارز کالکلمۃ المنفصلۃ فتقول اغزنّ وارمنّ یا قوم بحذف
الواو کما حذفت فی نحو اغزوا الکفار وارموا الغرض وکذا اغزنّ
وارمن یا امرأۃ بحذف الیاء کما حذفت ای اخذی الجیش

جمع مذکر جیسے اغزوا ارموا، اخشوا اور واحد مؤنث جیسے اغزی، ارمی، اخشی اور
یا ضمیر مستتر کے ساتھ ہو اور وہ واحد مذکر ہے جیسے اغز۔ ارم۔ اخش پس نون
ضمیر بارز کے ساتھ کلمہ منفصلہ کی مانند ہے پس تو کہے اغزن۔ ارمن یا قوم۔
واو کے حذف کے ساتھ جیسے تو نے حذف کیا ہے۔ اغزوا الکفار وارموا
میں اور اسی طرح اغزن اور ارمن یا امرأۃ میں یاء کے حذف کرنے کیساتھ
جیسے تو نے حذف کیا ہے یعنی اخذی الجیش میں ۔

ہے اور قولہ علی ضربین یہ ماذکر پر معطوف
ایک عامل کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف
ہو رہا ہے اور ضربین سے مراد ان دونوں
کا منفصل کے مانند ہونا اور دونوں کا
متصل کے مانند ہونا اور قولہ اما مع ضمیر بارز
مع اس کے جو اس پر معطوف ہے غیرہما
سے حال ہے یعنی دونوں ان دونوں کا
حکم وقت ہونے ان دونوں کے مثنی او مجموع
کے غیر کے ساتھ وقت ہونے اس غیر کے
مقارن ضمیر بارز کے ساتھ یا ضمیر مستتر کے
ساتھ دو شئی ہیں اور وہ قولہ اما مع ضمیر
بارز اور مع ضمیر مستتر ضربین کا بیان نہیں
ہے کہ اس سے یہ مستفاد ہو کہ دونوں
نون یا ضمیر بارز کے ساتھ ہے یا ضمیر مستتر
کے ساتھ اور قولہ وہو شیئان میں تقدیر
کے تکلف احتیاج ہے یا تسامح ہے اس
پر کہ وہم کیا گیا اس کے بعد معلوم ہو کہ
مثنی اور مجموع کے غیر کو دو مذکور قسموں
میں حصر کرنا اس پر مبنی ہے کہ شارح
نے دونوں نون کے الحاق کا اعتبار
امر مخاطب کے ساتھ کیا۔ کیوں کہ امر
مخاطب طلب میں اصل ہے اور باقی
کو مقایسہ پر محمول کر دیا جیسا کہ مثالیں
اس پر دلالت کرتی ہیں اور وہ جو ضمیر مستتر
کے ساتھ ہو اس کو واحد مذکر میں محصور
کر دیا واحد مؤنث کے تجاوز کرنے سے
پس یہاں پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا
کہ یہاں ایک تیسری قسم ہے وہ یہ ہے
کہ بالکل ضمیر کے ساتھ نہ ہو جیسے لیضربن
زید۔

قولہ ارمن یا قوم مثال میں یا قوم
ذکر کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ
ہے کہ اس کا ماقبل جمع ہے اور اسی طرح
یا امرأۃ کے ذکر کرنے سے اس کی طرف
اشارہ ہے کہ اس کے ماقبل واحد مؤنث
حاضر ہے۔

قولہ الغرض بفتح الغین والراء نشانہ
یہ مثال اور ایسے ہی اغزوا الکفار
کلمہ منفصلہ ملنے کی مثال ہے۔

قولہ بحذف الواو دو ساکن کے التقاء
علی غیر حدہ کی وجہ سے واو حذف ہوا
کیوں کہ اول وہ ساکن واو ہے اگرچہ وہ
مدہ ہے اور ثانی مدغم ہے مگر وہ دو
کلموں میں ہیں کیوں کہ نون ضمیر بارز کے
ساتھ ہے اس لئے کلمہ منفصلہ کا اس کے
لئے حکم ہوگا۔

قولہ بحذف الیاء یعنی التقاء الساکنین
علی غیر حدہ کی وجہ سے یاء حذف ہوگی
کیوں کہ نون علیحدہ کلمہ ہے ضمیر بارز کے
ساتھ حاصل یہ ہے کہ نون جمع مذکر حاضر
اور واحد مؤنث حاضر میں جزء کلمہ کے
حکم میں ہے اس وجہ سے واو اور یاء
حذف ہو گئے ۔

وارمی الغزض وتضم الواو المفتوح ماقبلها نحو اخشونّ كما ضممتها مع المنفصلة نحو اخشوا الرجل وتكسر الياء المفتوح ماقبلها كما كسرتها مع المنفصلة تقول اخشيَنَّ كاخشی الرجل فان لم يكن ای الضمير البارز وهو فی الواحد المذكر نحو اغزوارم واخش فكالمتصل ای فالنون كالكلمة المتصلة ويعنی بها الف التثنية تقول اغزون وارمين واخشين برد اللامات

اور ارمی الغرض اور اس واو کو جس کا ماقبل مفتوح ہو ضمہ دیا جائے گا۔ جیسے اخشون جس طرح تم نے منفصل کے ساتھ اس کو ضمہ دیا ہے جیسے اخشوا الرجل اور وہ یاء جس کا ماقبل مفتوح کسرہ دیا جائے گا جس طرح تم نے متصل کے ساتھ اس کو کسرہ دیا تھا تم کہتے ہو اخشین جیسے اخشی الرجل پس اگر نہ ہو یعنی ضمیر بارز اور وہ واحد مذکر میں ہو جیسے اغزوارم اور اخش پس متصل کی طرح یعنی پس نون اس کلمہ کی مانند ہوگا جو متصل ہو یعنی اس کے ساتھ الف تثنیہ ملا ہوا ہو۔ جیسے اغزون، ارمین اور اخشین ان لام کلمہ کو واپس لا کر اور ان

قولہ وتضم الواو الخ یعنی اس واو کو ضمہ دو جس واو کا ماقبل مفتوح ہو جیسے اخشون جسطرح کہ اس واو کو اس وقت ضمہ دیتا ہے جب کہ وہ منفصل کے ساتھ ملا ہوا ہو جیسے اخشوا الرجل اور اس واو کو کسرہ دو جس یاء کا ماقبل مفتوح ہو جیسا کہ تم اس وقت کسرہ دو یعنی جب کہ منفصل کلمہ کے ساتھ ملا ہوا ہو تم کہو گے اخشین جیسے اخشی الرجل کہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تضم واحد مذکر حاضر کا صیغہ قولہ تقول پر معطوف ہے۔ بعض حضرات نے اس کو یاء جارہ اور صیغہ مصدر کے ساتھ پڑھا ہے اسکے بعد اعتراض کیا کہ شارح کیلئے مناسب ماسبق کے سیاق کی وجہ سے یہ تھا کہ اس طرح کہتا وکذا اخشون بضم الواو المفتوح قبلها واخشین بکسر الیاء المفتوح ماقبلها لیکن ان کا اس طرح پڑھنا صحیح نہیں بلکہ خطاب کے صیغہ کے ساتھ ہی پڑھنا صحیح ہے۔

قولہ فان لم یکن الخ پس اگر ضمیر بارز نہ ہو اور وہ واحد مذکر میں ہے جیسے اغزو اور ارم اور اخش پس نون اس صورت میں متصل کلمہ کے مانند ہے اور کلمہ متصل سے مصنف کی مراد الف التثنیہ ہے یعنی ان میں نون تاکید لگا دیں گے تو ان کے لام کلمہ کو لوٹا کر لگا دیں گے اور ان کو فتحہ دیں گے یعنی واو اور یاء محذوف کو لوٹا کر پھر نون تاکید لگا دیں گے اور ان کو فتحہ دیں گے جیسے جب الف تثنیہ لگا دیں گے تو واو اور یاء جو لام کلمے ہیں لوٹا کر الف لگا دیں گے جیسے اغزون اور ارمین اور اخشین جیسے تم کہو اغزوا اور ارمیا اور اخشیا اور ضمیر بارز نہ ہونے کی صورت میں نون تاکید کا لحوق الف تثنیہ ملانے کے مانند اس وجہ سے ہے کہ دو نوں آخر الفعل میں لاحق ہونے میں اس طرح مشارک ہیں اس حرف کو حرکت کے بغیر تلفظ ممکن نہیں جو ان سے پہلے اور اس حرف کے فتحہ کے چاہنے میں مشارک ہے جو ان کے ماقبل ہے۔

قولہ ویعنی بہا الف التثنیہ" مصنف کی مراد کلمہ متصلہ سے الف ہے مقام کی معرفت اور قرائن کی قوۃ کے ذریعہ سے عام بول کر خاص مراد لیا ہے شارح یہ کہکر کہ کالمتصل سے مصنف کی مراد الف تثنیہ ہے اس اعتراض کے دفع کیطرف اشارہ کیا جو اس مقام پر کیا جاتا ہے کہ متصل صرف الف ہی نہیں ہے بلکہ واو اور یاء بھی متصل ہے جیسا کہ ارضوا اور ارضی میں باوجودیکہ ان کے ساتھ لام کلمہ ثابت نہیں رہتا ہے جیسا کہ الف کے ساتھ ثابت رہتا ہے پس مصنف کا کالمتصل علی الاطلاق کہنا صحیح نہیں ہے۔

وفتحها کما قلت اغزوا وارمیا واخشیا ومن ثم ای لاجل انه مع غیر ضمیر البارز کالمتصل ومع الضمیر البارز کالمنفصل قیل هل ترین فی هل تریٰ کما یقال تریان هذا امثال الغیر البارز الذی تحرکت لامه بالفتح کما تفتح مع المتصل وهل ترونّ فی هل ترون باسقاط نون الجمع والحاق نون التاکید وضم الواو کضمها فی لم تروا القوم هذا مثال لما فیه ضمیر بارز یضم لاجل النون وهل ترِنّ فی هل ترین باثبات الیاء وکسرها کما یقال لم تری الناس هذا امثال لما فیه بارز یکسر لاجل النون واغزون عطف علیٰ هل ترین لا علیٰ ترین ای ومن ثم قیل اغزون برد

کو فتحہ دیکر جیسے تو کہے اغزوا اور ارمیا اور اخشیا اور اسی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ ضمیر بارز کے علاوہ کے ساتھ جیسے متصل اور ضمیر بارز کے ساتھ منفصل جیسا کہا گیا ہے هل ترینّ هل تریٰ میں جیسا کہا جاتا ہے تریان یہ اس غیر بارز کی مثال ہے جس کا لام کلمہ فتحہ کے ساتھ حرکت دیا گیا ہے جس طرح کہ فتحہ دیا جاتا ہے متصل کے ساتھ اور هل ترونّ هل ترون میں نون جمع کے ساقط کرنے کے ساتھ اور نون تاکید کو لاحق کرنے کیساتھ اور واو کو ضمہ دیا گیا جس طرح اس کو ضمہ دیا گیا ہے لم تروا القوم میں یہ اس کی مثال ہے جس میں نون کی وجہ سے ضمہ دیا گیا ہے۔ اور هل ترینّ هل ترین میں یاء کو ثابت رکھنے کیساتھ اور اس کو کسرہ دینے کے ساتھ جیسے کہا جاتا ہے لم تری الناس جس میں ضمیر بارز ہے اور نون کی وجہ سے کسرہ دیا گیا ہے اور اغزون اس کا هل ترین پر عطف ہے ترین پر نہیں۔ یعنی اسی وجہ سے کہا گیا ہے اغزون واو....

قولہ ومن ثم الخ یعنی اس وجہ سے کہ نون تاکید ضمیر بارز کے غیر کے ساتھ متصل کے مانند ہے اور ضمیر بارز کے ساتھ منفصل کے مانند ہے کہا جاویگا هل ترینّ هل تریٰ میں جیسا کہ تریانّ بولا جاتا ہے یہ مثال ایسے غیر بارز کی ہے جس کا لام کلمہ فتحہ کے ساتھ حرکت دیا گیا جیسا کہ متصل کے ساتھ فتحہ دیا گیا ہے۔

قولہ وہل ترون یعنی هل ترونّ میں هل ترون بولا جاویگا نون جمع کو ساقط کر دینے اور نون تاکید لگا دینے اور واو کو ضمہ دینے کے ساتھ جیسے لم تروا القوم میں واو کو ضمہ دیا نون جمع کو اس وجہ سے ساقط کیا کہ وہ اعراب کی علامت ہے اور نون تاکید بناء کو چاہتا ہے۔ یہ مثال اس کی مثال ہے جس میں ضمیر بارز ہے وہ ضمیر بارز نون کی وجہ سے ضمہ دی جاتی ہے۔ چونکہ نون تاکید ثقیلہ اپنے ماقبل حرکت چاہتا ہے ورنہ دو کلموں التقاء ساکنین لازم آوے گا اور ضمہ کی حرکت واو کی وجہ سے کی گئی۔ اور هل ترینّ میں هل ترین بولا جاویگا یاء کو ثابت رکھنے اور اس کو کسرہ دینے کے ساتھ جیسا کہ لم تری الناس بولا جاتا ہے یاء کے کسرہ کے ساتھ چونکہ جب اس کے ساتھ الناس کو لگا دیا تو ساکن مل گئے پس اول کو کسرہ کی حرکت دی گئی یہ اس کی مثال ہے جس میں ضمیر بارز نون کی وجہ سے کسرہ دی جاتی ہے۔

قولہ لاجل انہ مع غیر ضمیر البارز الخ شارح نے اس کی ترتیب کو بدل دیا جو سابقاً مذکور ہے یہ ترتیب بدلنا امثلہ کی ترتیب کی رعایت کی وجہ سے ہے۔ قولہ هل ترین اس میں الف کو یاء سے بدل دیا اور اس کو فتحہ دیا کیونکہ

الواوالمحذوفة كما ترد مع ضمير التثنية فی اغزوا واغزن فی اغزوا بحذف الواوالمضموم ماقبلها كما قيل اغزوا القوم واغزنّ فی اغزی بحذف الياء المكسورماقبلها كاغزی القوم وهذه الامثلة وقعت على ترتيب تصريفها الواقع فی كتب التصريف بعضها لما هو مع الضمير البارز كالمنفصل وبعضها لما هو مع غير الضمير البارز كالمتصل كما اشرنا اليه والنون المخففة تحذف للساكن ای لالتقائها الساكن

محذوفہ کو واپس لانے کے ساتھ جس طرح اغزوا میں ضمیر تثنیہ کے ساتھ پس لایا گیا ہے اور اغزن اغزوا میں واو ماقبل مضموم کے حذف کے ساتھ جیسے کہا گیا ہے اغزوا القوم اور اغزن اغزیٔ میں . یاء ماقبل مکسور کے حذف کے ساتھ جیسے اغزی القوم اور یہ مثالیں واقع ہیں ان کی تعریف کی ترتیب پر جو تعریف کی بعض کتابوں میں مذکور ہیں اس لئے کہ یہ ضمیر بارز کے ساتھ منفصل کی طرح ہیں اور ان میں سے بعض ان کی ہیں غیر ضمیر بارز کے ساتھ ہیں متصل کی طرح جیسا کہ اس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے . اور مخففہ ساکن کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے یا اس کے ساتھ اس ساکن کے التقاء

نون کا ماقبل فتح پر مبنی ہوتا ہے اور الف حرکت کو قبول نہیں کرتا ہے اس وجہ سے ... اس الف کو یاء سے بدل دیا جو کہ اس الف کی اصل ہے .

قولہ واغزن الخ یہ ہل ترین پر معطوف ہے اور ترین پر معطوف نہیں جیسا کہ اس کی طرف اس کا وہم جاتا ہے اس لئے کہ امر پر استفہام داخل نہیں ہوتا ہے یعنی اور اسی وجہ سے کہا گیا اغزون واو محذوفہ کو لوٹانے کے ساتھ چوں کہ واو وقف کی وجہ سے حذف کیا گیا اور

جب بناء کا قصد کیا گیا تو وقف باقی نہیں رہا اس وجہ سے واو لوٹ آیا جیسا کہ اغزوا ضمیر تثنیہ کے ساتھ لوٹ آیا اور اغزون اغزوا میں بولا جاوے گا اس واو کو حذف کے ساتھ جس کا ماقبل مضموم ہے جیسا کہ اغزوا القوم میں اور اغزی میں اغزن بولا جاویگا اس یاء کے حذف کے ساتھ جس کا ماقبل مکسور ہے جیسے اغزی القوم میں یاء کو حذف کر دیا گیا .

قولہ وہذہ الامثلۃ یہ مثالیں اپنی ایسی تعریف کی ترتیب پر واقع ہوئی ہیں جو کتب تعریف میں مذکور ہیں اور وہ واحد مذکر سے ابتداء ہے پھر جمع مذکر پھر واحد مؤنث سے اگرچہ تمثیل لڑکی رعایت جمع کی تقدیم کا تقاضا کرتا ہے واحد مخاطبہ پر ان میں سے بعض مثالیں اس کی ہیں جو ضمیر بارز کے ساتھ ہے منفصل کے مانند اور بعض اس کی مثالیں ہیں جو غیر ضمیر بارز کے ساتھ ہے جیسے متصل جیسا کہ اس کی طرف ہم نے اشارہ کیا

قولہ والنون الخففۃ یعنی نون مخففہ ساکن کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے یعنی ایسے ساکن سے ملنے کی وجہ سے جو اس نون خفیفہ کے بعد مذکور ہے اور بعض نسخوں میں للساکنین ہے یعنی دو ساکن کے ملنے کی وجہ سے . شارحؒ نے فرمایا کہ نون خفیفہ اس ساکن التقاء کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے جو ساکن کہ اس نون کے بعد ہے پس اب لیضربن اور اضربن سے اعتراض نہیں ہوگا کیوں کہ ان دونوں نون خفیفہ اس ساکن سے ملا رہا ہے جو اس کے پہلے ہے اس وجہ سے حذف نہیں کیا جاوے گا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ یہ وقف کے مقابلہ میں ہے گویا کہ یہ کہا گیا کہ نون خفیفہ وصل میں حذف کر دیا جاتا ہے ساکن کے ملنے کی وجہ سے مطلقاً خواہ بعد ضمہ ہو یا کسرہ یا فتحہ کے بعد جیسے اضربُ الرجل اور اضربَ الرجل اور اضربِ الرجل اس سے اسکی مراد اضربن اضربن اور اضربن ہے پس نون خفیفہ التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کیا گیا حرف علت کے مشابہ

المذکور بعدھا۔ فی بعض النسخ للساکنین ای لالتقاء الساکنین کقول الشاعر شعر لا تھینَ الفقیرِ علّکَ ان ترکع یوماً والدھر قد رفعہ ای لا تھینن حذفت النون المخففۃ لالتقائہا اللام الساکنۃ التی بعدھا وابقیت فتحۃ ماقبلہا لتدل علیہا والالکان الواجب ان یقول لاتھن الفقیر

کی وجہ سے جو اس کے بعد مذکور ہے اور بعض نسخوں میں للساکنین کے الفاظ ہیں یعنی التقاء ساکنین کی وجہ سے جیسے شاعر کا قول ہے ؏ فقیر اور کمزور کی اہانت مت کر شاید کہ تو ایک دن جھک جائے۔ اور زمانہ اس کو بلند کر دے یعنی لاتہینن تھا نون مخففہ کو حذف کر دیا گیا ہے لام ساکن کے اس کے ساتھ ملنے کی وجہ سے جو کہ اس کے بعد واقع ہے اور اس کے ماقبل کا فتحہ باقی رکھا گیا تاکہ اس پر دلالت کرے ورنہ واجب ہوتا کہ لاتہن الفقیر کہا جائے۔

قرار دینے کے ساتھ اس لئے اس کے واسطے حرکت سے حصہ نہیں ہے اور یہ جو کہا گیا کہ ساکن کی وجہ سے حذف صرف اول کا ہوتا ہے تو اس میں یہ کہا جائے گا کہ واو جو مقول میں سے حذف کیا گیا اس میں اختلاف کیا ہے کہ اول واو ہو یا ثانی واو اور اس اختلاف پر تصریح کی گئی ہے۔ قولہ لاتہین الخ یہ مخاطب مذکر کا صیغہ ہے اہانۃ بمعنی ذلیل کرنا۔ اکرام کی ضد الفقیر محتاج الفقر سے ماخوذ ہے بمعنی محتاج ہونا۔ علک اصل میں لعلک تھا۔ لعل کے لغتوں میں سے یہ ایک ہے یہ ترجی کے کیلئے آتا ہے اور اس میں خطاب کیلئے ہے۔ ترکع رکوع سے بمعنی ذلیل ہونا اصل میں معنی جھکنا ہے۔ یہاں پر مراد اونچے درجہ سے نیچے آنا ہے

الدھر عالم کی مدت کے واسطے آتا ہے اس کی ابتداء اس کے ختم تک الرفع بلند کرنا، مشرف کرنا اس شعر سے پہلا یہ ہے

لا تذللن من لیس یعنی بالمال +
لانک تذلل فی زمان بعدم المال +
والدھر قد اعر لوجود المال + وقتلہ
بکل وھم من الھموم صعتہ + والمسی والصبح
لابقاء معہ + قد یجمع المال غیر اکلہ +
ویاکل المال غیر من جمعہ +

پس الہم بمعنی حزن غم اور السعۃ بالفتح والکسر اس کی وسعت ہے مکان اور مال اور فضل سب میں بولی جاتی ہے جیسے انفضال اور اس کا لازم فرح خوشی ہونا ہے المسی بالکسر والضم سے امساء۔ مسی سے مراد اول اللیل ہے اور الصبح اول الیوم اور طلوع فجر سے چاشت کیلئے بولا جاتا ہے۔ البقاء پہلی حالت پر شئی کا باقی اور ثابت رہنا فناء کی ضد المال وہ چیز جو ذخیرہ کی جاوے ماکول اور ملبوس وغیرہما سے۔ الاکل کھانا کھانا مراد اختصاص تام کے طریقہ پر تصرف ہے

ترجمہ:۔ ہرگز مت ذلیل کر تو فقیر کو شاید کہ تو کسی دن ذلیل ہو اور زمانہ اس کو بلند کر دے غموں میں سے ہر غم کیلئے گنجائش ہے اور شام اور صبح اس کے ساتھ بقا نہیں ہے کبھی جمع کرتا ہے مال کو اور اس کا نہ کھانے والا اور کھاتا ہے اس مال کو وہ شخص جس نے نہیں کیا اس کو۔

قولہ ای لاتہین یعنی لاتہینن تھا نون خفیفہ حذف کر دیا چونکہ اس کا التقاء ایسے ساکن لام سے ہو رہا ہے جو اس کے بعد ہے اور نون سے پہلے جو فتحہ ہے اس کو باقی رکھا گیا تاکہ وہ فتحہ اس نون خفیفہ پر دلالت کرے اور اگر نون خفیفہ محذوف نہ ہو تو پھر واجب یہ تھا کہ لاتہین الفقیر کہا جاتا یعنی ہاء مکسورہ کے بعد نون مکسورہ کے ساتھ بولا جاتا یعنی یہ واجب تھا کہ نون کسرہ کے ساتھ متحرک ہوتا جیسا کہ اس کی امثال میں ہے جیسے قولہ تعالیٰ لم یکن الذی اور اس نون خفیفہ کو حرکت نہیں دی جیسا کہ تنوین کو حرکت دی جاتی ہے تاکہ ان دو نون کے درمیان فرق حاصل ہو جاوے یعنی تنوین جب ساکن کے پہلے واقع ہو تو تنوین کو کسرہ کی حرکت دیتے ہیں اور اس کو

ولم یحرکوھا کما یحرک التنوین فرقاً بینھما وانما لم یعکس حطا لمرتبة ما یدخل الفعل عن مرتبة ما یدخل الاسم لکون الاسم اصلا والفعل فرعاً و تحذف ایضاً النون المخففة فی حال الوقف علی ما الحقت به تخفیفاً اذا ضم اوکسر ما قبلھا کما یحذف التنوین لذلک فیرد ما حذف لاجل المخففة کما اذا الحقت المخففة باغزوا اوغزی وقلت اُغزن واُغزن بحذف الواو والیاء فلو اوقفت علیھما وجب ان ترد المحذوف وقلت اغزوا واغزی بخلاف التنوین فانه

اور اس کو حرکت نہیں دی جیسا کہ تنوین کو حرکت دی جاتی ہے دونوں کے درمیان فرق کرنے کیلئے اور اس کا عکس نہیں کیا نیچے اتارتے ہوئے ما یدخل الفعل کے مرتبہ کو ما یدخل فی الاسم کے مرتبہ سے اسم کے اصل ہونے اور فعل کے فرع ہونے کی وجہ سے اور نون مخففہ حذف بھی کر دیا جاتا ہے وقف کی حالت میں ملحق بہ کی تخفیف کی وجہ سے جب کہ اس کے ماقبل میں ضمہ یا کسرہ دیا گیا ہو جیسا کہ اس وجہ سے تنوین کو حذف کر دیا جاتا ہے پس ماحذف (جس کو حذف کر دیا گیا ہے) کو واپس لے آیا جاتا ہے۔ مخففہ کی وجہ سے جیسے کہ جب یہ مخففہ اغزوا یا اغزی کے ساتھ لاحق کیا گیا ہو اور قلیل ہے اُغزن اور اِغزن واو اور یاء کے حذف کے ساتھ پس جب ان دونوں پر وقف کیا جائے تو واجب ہے کہ محذوف کو واپس لایا جائے اور قلیل ہے اغزوا اور اغزی

حذف نہیں کرتے اور نون خفیفہ کو حذف کر دیا

قولہ وانما لم یعکس اور مذکور کا عکس نہیں کیا یعنی نون خفیفہ کو حرکت دیتے اور تنوین کو حذف۔ ایسا اس وجہ سے نہیں کیا کہ اس کا مرتبہ کم درجہ ہے جو فعل پر داخل ہوتا ہے اور اس کے مرتبہ سے جو

اسم پر داخل ہو کیونکہ اسم اصل ہے اور فعل فرع۔ اگر تنوین کو حذف اور نون خفیفہ کو حرکت دیتے تو فرع کی اصل پر مزیت لازم آتی دوسرے اس کو ترجیح دی جو لازم ہے اس پر جو غیر لازم ہے پس تنوین اسم متمکن کو لازم ہے اور لام اور اضافت نہ ہونے

کے وقت اور نون خفیفہ لازم نہیں، بلا مانع کی بھی اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے لہذا غیر لازم اولیٰ بالحذف ہے اور نون کو ہمزہ سے بدل کر اس کو فتحہ دے دیتے ہیں اضربا الرجل یا رجلان بولا جاتا ہے اور اضربنا الرجل با نون بولا جاتا ہے سیبویہ نے کہا عرب اس طرح نہیں بولتے قیاس اضربا الرجل اضربنا الرجل ہے التقاء الساکنین کی وجہ سے نون کا حذف کرنا۔

قولہ وتحذف ایضاً المخففہ۔الخ نون خفیفہ حالت وقف میں بھی حذف کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جس کے ساتھ یہ نون خفیفہ لاحق ہوا ہے جب کہ اس پر وقف کیا جاتا ہے تو تخفیفاً نون خفیفہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ اس نون خفیفہ کا ماقبل مضموم یا مکسور ہوتا ہے جیسا کہ تنوین جب کہ اس کا ماقبل مضموم یا مکسور ہوتا ہے تو تخفیفاً تنوین کو حذف کر دیا جاتا ہے اذا ضم الخ اس ظرف کے ساتھ مقید کرنا والمفتوحہ تقلب الفاً کے مقابلہ سے مستفاد ہو رہا ہے۔

قولہ فیرد ماحذف پس جو حذف کیا گیا اس کو لوٹا یا جاوے گا یعنی جو نون مخففہ کی وجہ سے حذف کیا گیا جب نون خفیفہ پر وقف کیا جاوے گا محذوف کو لوٹا یا جاوے گا۔ مصنف کا یہ قول حذف فی حال الوقف پر متفرع ہے اس لئے کہ جو ساکنین کی وجہ سے حذف ہوتا ہے اس کا لوٹانا نہیں ہے مگر یہ کہ رد کو عام کر دیا جائے

لایرد ماحذف لاجله لان التنوین لازم فی الوصل و المخففة لیست بلازمة فیجعل للازم مزیة بالقاء اثره علی مالیس بلازم والمخففة المفتوح ماقبلها تقلب الفا کقولك فی اضربن اضربا تشبیها لها بالتنوین فان التنوین اذا انفتح ماقبله یقلب الفا واذا انضم او انکسر یحذف نحو اصبت خیرا واصابنی خیر واختم لی بخیر اللهم اجعل خاتمة امورنا خیرا وتلحق بنا من تبعة

بخلاف تنوین کے اس لئے کہ اس کی وجہ سے ماحذف کو واپس نہیں لایا جاتا اس لئے کہ تنوین وصل میں لازم ہے اور مخففہ لازم نہیں ہے پس لازم کو فوقیت دیدی گئی اس کے اثر کا القاء کر کے اس پر جس پر لازم نہیں ہے اور مخففہ جس کا ماقبل مفتوح ہو الف سے بدل دیا جاتا ہے جیسے تیرا قول اضربن میں اضربا تنوین کے ساتھ اس کی تشبیہ دیتے ہوئے پس بیشک تنوین جب کہ اس کا ماقبل مفتوح ہو الف سے بدل دیا جاتا ہے۔ اور جب ضمہ یا کسرہ ہو تو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے اصبت خیرا اور اصابنی خیر اور اختم لی بخیر۔ اے ہمارے اللہ ہمارے امور کا اختتام بخیر فرما اور لاحق فرما ہمارے ساتھ ہمارے شر کے اتباع سے

کہ وہ رد خواہ کتابت میں ہو یا تلفظ میں جیسا کہ اغزوا اور اغزی کے ساتھ نون خفیفہ لگایا گیا اغزن اور اغزن بولا جاویگا واو اور یاء کے حذف کے ساتھ پس جب تو ان دونوں پر وقف کرو تو تمہارا محذوف کو لوٹانا واجب ہوگا چوں کہ مانع زائل ہوگیا اور تم اغزوا اور اغزی کہو گے بخلاف تنوین چنانچہ حالت وقف میں جو تنوین کی وجہ سے حذف ہوا اس کو نہیں لوٹایا جاوے گا کیونکہ تنوین وصل میں لازم ہے تو وقف کی وجہ سے محذوف کو نہیں لوٹایا جاویگا۔ وقف وقت تنوین کی وجہ سے جیسے اس کی وجہ التقاء ساکنین کے وقت حالت وقف میں نہیں لوٹایا جاتا ہے پس قاض میں حالت وقف میں قاضی یاء کے ساتھ نہیں بولا جاویگا بلکہ ضاد کے سکون کے ساتھ بولا جاویگا اور نون خفیفہ لازم نہیں ہے پس جب نون خفیفہ کو حذف کیا جاویگا حالت وقف میں تو فعل سے اس نون کی وجہ سے حالت وصل میں جو واو یا یاء محذوف ہو وہ لوٹ آوے گا اس بناء پر کہ وقف کی وجہ سے نون محذوفہ کو انہوں نے معدوم فرض کیا چوں کہ وہ فعل کے لئے لازم نہیں ہے بخلاف تنوین کے کہ وہ لازم ہے جب کہ کوئی مانع نہ ہو پس گویا کہ وہ حذف کے پیش آنے کے وقت ثابت ہے اس وجہ سے جو لازم ہے اس کے اثر کو باقی رکھنے کے اس کے لئے مزیت کر دی گئی

اس پر جو لازم نہیں ہے۔

قولہ المخففۃ المفتوح الخ یعنی نون خفیفہ کہ جس کا ماقبل مفتوح ہو وہ حالت وقف میں الف سے بدل دیا جاوے گا چنانچہ تم اضربن کے نون کو حالت وقف میں الف کر کے اضربا بولو گے الف سے بدلنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کو تنوین کے مشابہ کر لیا جاتا ہے کیوں کہ جب اس کا ماقبل مفتوح ہو تو وہ حالت وقف میں الف سے بدل دی جاتی ہے اور جب ماقبل

تنوین کا مضموم یا مکسور ہوتا ہے تو اس وقت تنوین حذف کر دی جاتی ہے جیسے اصبت خیرا کو حالت وقف میں اصبت خیرا بولتے ہیں اور اصابنی خیرٌ اور اختم بخیر جب وقف کیا جائے گا تو تنوین حذف کے ساتھ اصابنی خیر اور اختم لی بخیر بولیں گے غرضیکہ عند الوقت اس نون کو جس کا ماقبل مفتوح ہو الف سے بدل لیا جاوے گا اور ہر حالت میں صرف وقف کے وقت میں مصنف کا یہ قول المفتوح ماقبلها الفاً

شرورنا نصيرا واجعل نونات نقائصنا خفيفة كانت او ثقيلة في مواقف الندامة منقلبة بالف اداب عبوديتك على نهج الاستقامة وصل على من كلمة شفاعته في محو ارقام الضلالات كافية وعن مضرة اسقام الجهالات شافية وعلى آله واصحابه وعلى من تبعهم من زمرة احبابه قد استراح من كمد الانتهاض لنقل هذا الشرح من السواد الى البياض العبد الفقير

اس سے واپس ہونے کو. اور ہمارے نقائص کے نونات کو خفیف ہوں یا ثقیلہ ہوں. ندامت کے مقام پر بدل جانے والا ہزار ہا آداب عبودیت سے استقامت کے نہج پر اور رحمت کاملہ نازل فرما اس ذات بابرکات پر کہ جس کی شفاعت کا ایک کلمہ لکھی ہوئی گمراہیوں کے مٹا دینے کیلئے کافی ہے .. اور جہالتوں کی بیماریوں کی مضرت سے شفاء دینے والی ہے اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر اور ان پر کہ جنہوں نے ان کا اتباع کیا ان کے احباب کی جماعت سے اور تحقیق راحت پائی انتہاض کی کمد سے اس شرح کے نقل کرنے کے لئے سواد سے بیاض کی طرف بندہ فقیر

اس کے قول فی الوقف سے بمنزلہ استثناء کے ہے چنانچہ اس میں نون کو اس کے ساتھ مقید نہیں کیا کہ اس کا ماقبل مضموم یا مکسور ہو معلوم ہو کہ قولہ ولیکونا من الصاغرین اور قولہ تعالیٰ لنسفعاً بالناصیۃ اسی قاعدہ میں داخل ہے.

قولہ اصبت خیراً اس تمثیل میں حسن اختتام سے جو موجود ہے وہ ناظرین پر پوشیدہ نہیں ہے چنانچہ یہ تمثیل متن کے اختتام کے موافقت پر ہے چنانچہ مصنف نے آخر کتاب میں نون مخففہ لایا اور الف سے تمام کیا جو کہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اس میں مشقت کے بعد استراحت کی طرف اشارہ ہے.

قولہ اختم لی بخیر الخ جب کہ شارح نے آخر مسئلہ کو خیر کے ساتھ ختم کیا. تفاؤل کے طور پر تو بلیغ دعاؤں کے درپے ہوا یں کہا اللہم اجعل خاتمۃ امورنا خیراً یعنی اے اللہ کر دے تو ہمارے کاموں کا خاتمہ خیر اور مت لاحق کر تو ہمارے ساتھ ہمارے برے کاموں کے انجام سے نقصان اور ضرر.

قولہ اجعل نونات الخ نونات نون کی جمع نقائص نقیصہ کی جمع بمعنی خرابی گناہ نقائص خفیفہ صغیرہ گناہ. نقائص ثقیلہ بڑے گناہ. مواقف موقف کی جمع ٹھہرنے کی جگہ وقوف بمعنی ٹھہرنا، خبردار ہونا. ندامۃ، شرمندگی. ندم شرمندہ ہونا. منقلب بہ انقلاب سے پلٹنا آداب ادب کی جمع سلیقہ عبودیت. بندگی. نہج طریقہ. راستہ. استقامۃ سیدھا ہونا. درست ہونا. یعنی کر دے تو ہمارے ہلکے اور بھاری نقائص (چھوٹے اور بڑے گناہوں) کے نونوں کو شرمندگی کی جگہ میں اپنی بندگی کے آداب کے الف کے ساتھ بدلے ہوئے استقامہ کے طریق پر شارح رح کے اس قول میں تلمیح اس امر کی طرف اعمال سیئہ جو انسان سے صادر ہوتے ہیں وسوسوں کی اعانت کے ساتھ "تاکید" ... یعنی جو ہمارے سے نقائص مؤکدہ صادر ہوتے ہیں خواہ نقائص مؤکدات خفیفہ ہو (صغائر گناہ) خواہ ثقیلہ ہو (بڑے اور کبائر گناہ) آخرت میں معاف کر کے ان کو عبادت کی جگہ میں قائم کر کے جو ثواب کہ عبادت پر دیا جاتا ہے وہ عطا فرما دو.

قولہ صل امر تصلیہ باب تفعیل سے ماخوذ صلوٰۃ سے بمعنی درود، رحمت، محو مٹانا، ارقام رقم کی جمع لکھائی. الضلالات ضلالہ کی جمع بمعنی گمراہی. مضرۃ نقصان تکلیف، اسقام سقم کی جمع بمعنی بیماری

عبد الرحمٰن الجامی وفقه الله سبحانه فی وظائف عبودیته للاعراض عن مطالبة الاعواض والاغراض ضحوة السبت الحادی عشر من رمضان المنتظم فی سلك شهور سنه سبع وتسعین وثمان مائة ۔

عبد الرحمٰن جامی نے ، (وافقہ بنائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی بندگی کے وظائف میں ، عوضوں کے مطالبہ سے اعراض کرنے کیلئے اور اغراض سے ۔ بروز شنبہ ۱۰ / رمضان المبارک ۸۹۷ھ میں) ۔

فقیر (اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج) عبد الرحمٰن جامی نے ، اللہ پاک ذات اپنی بندگی کے وظیفوں کی اس کو توفیق عنایت فرمادے ، عوضوں اور غرضوں کے مطالبہ سے اعراض کرنے کے ساتھ (راحت پائی) ہفتہ کے دن چاشت کے وقت ایسے رمضان کی گیارہویں تاریخ کو جو آٹھ سو ستانوے سن کے مہینوں کی لڑی میں پرنے ..... والا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان کی مغفرت فرمائے ۔ شرح جامی بحث حرف کی یہ اردو میں شرح اللہ تعالیٰ کے توفیق عطا فرمانے اور اس کے فضل واحسان سے پوری ہوگئی ۔

الحمد للہ علی الغایۃ العظیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔

تمت

قدیمی کتب خانہ ۔ آرام باغ ۔ کراچی

الجہالات جہالت کی جمع ۔ شافیہ شفاء دینے والی ۔ تبع پیروی کرنا ۔ زمرة جماعت ، احباب دوستوں جمع حب دوست ۔ اور رحمت نازل کر تو اے اللہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کہ اس کی شفاعت کا کلمہ گمراہوں کی لغزشوں کے مٹانے میں کافی ہے اور نادانیوں کی بیماریوں کے نقصان سے شفاء دینے والی ہے اور ان کے آل اور ان کے ساتھیوں پر رحمت مائل کر اور ان شخصوں پر جنہوں نے ان کی پیروی کی اس کے دوستوں کی جماعت سے ۔ شارح اس میں مصنف کی دو کتابوں ایک کافیہ جس کی شرح یہ شرح جامی ہے یہ علم النحو میں ہے اور دوسری شافیہ یہ کتاب علم الصرف میں ہے ان دونوں کتابوں کی بہت شرحیں ہیں ۔

قوله قد استراح الخ استراح استراحت سے بمعنی آرام پانا راحت پانا ، کد غم ۔ انتہاض قائم ہونا ، کھڑا ہونا ۔ سواد ، سفید اور کورا کاغذ بیاض ، سفید لکھا ہوا کاغذ ۔ وفق توفیق دینا ۔ وظائف وظیفہ کی جمع بمعنی ورد عبودیت بندگی ۔ اعراض منہ پھرنا ، ہٹانا ۔ اعواض عوض کی جمع ۔ اغراض غرض کی جمع ۔ ضحوة چاشت ۔ سبت شنبہ ۔ سلک لڑی ۔ نظم پرونا اور انتظام کرنا ۔

تحقیق کہ راحت پائی کھڑے ہونے کے غم سے اس شرح کو سیاہی سے سفیدی کی طرف نقل کرنے سے بندہ

تشریحات ترمذی

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویہ
جامعہ اسلامیہ مخزن العلوم

جلد پنجم

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی

برّصغیر کے مشہور مفکر و عالمِ دین، تلمیذِ مولانا مفتی کفایت اللہؒ

مولانا محمد تقی امینیؒ کی فکرانگیز اسلامی تصانیف

اجتہاد: اجتہاد کے تاریخی پس منظر اور اصول فقہ پر ایک مستند و مفصل کتاب۔

اسلام اور جدید دور کے مسائل: جدید دور کے متعدد اجتماعی مسائل پر جامع اور مدلل بحث۔

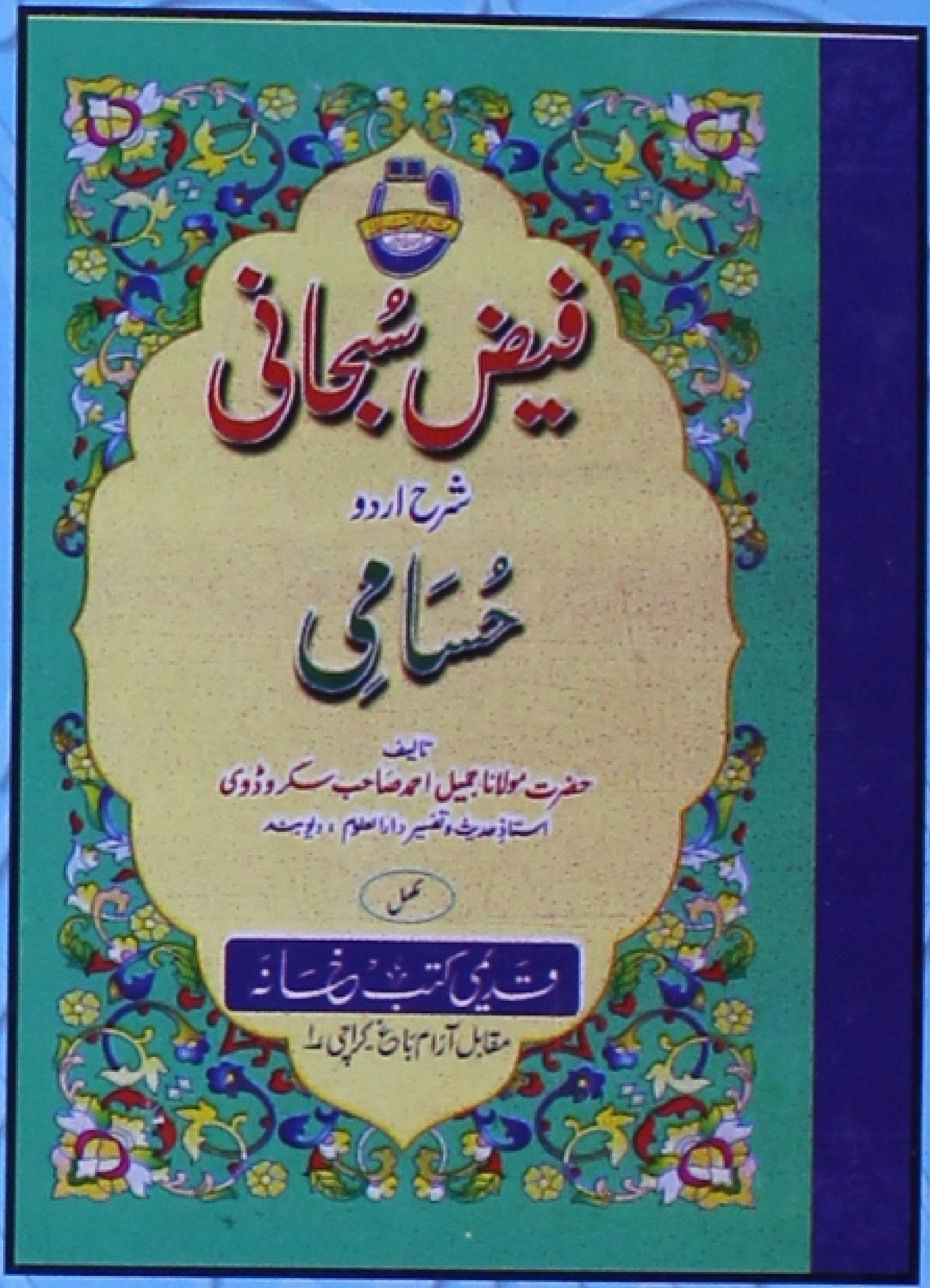
حدیث کا درایتی معیار: حدیث کو پرکھنے کے اصولِ درایت کی مفصل وضاحت مثالوں کے ساتھ۔

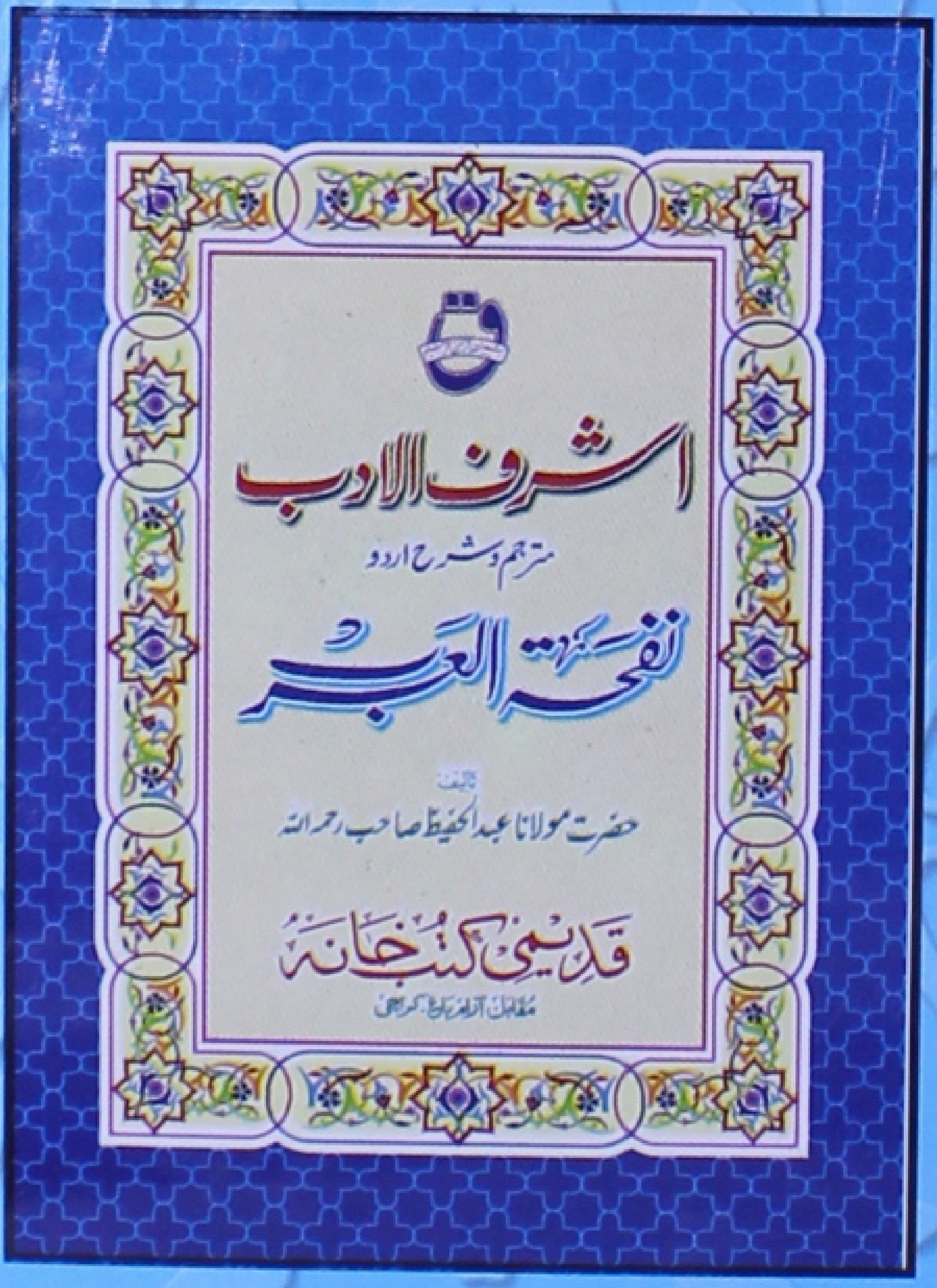
فِقہ اِسلامی کی تاریخ اور اُصولِ فقہ: فقہ اسلامی کے تدریجی ارتقا اور مآخذِ شریعت قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کا تفصیلی بیان۔ اصولِ فقہ کے موضوع پر ایک جامع کتاب۔ خود مصنفؒ کا نظرثانی شدہ ایڈیشن۔

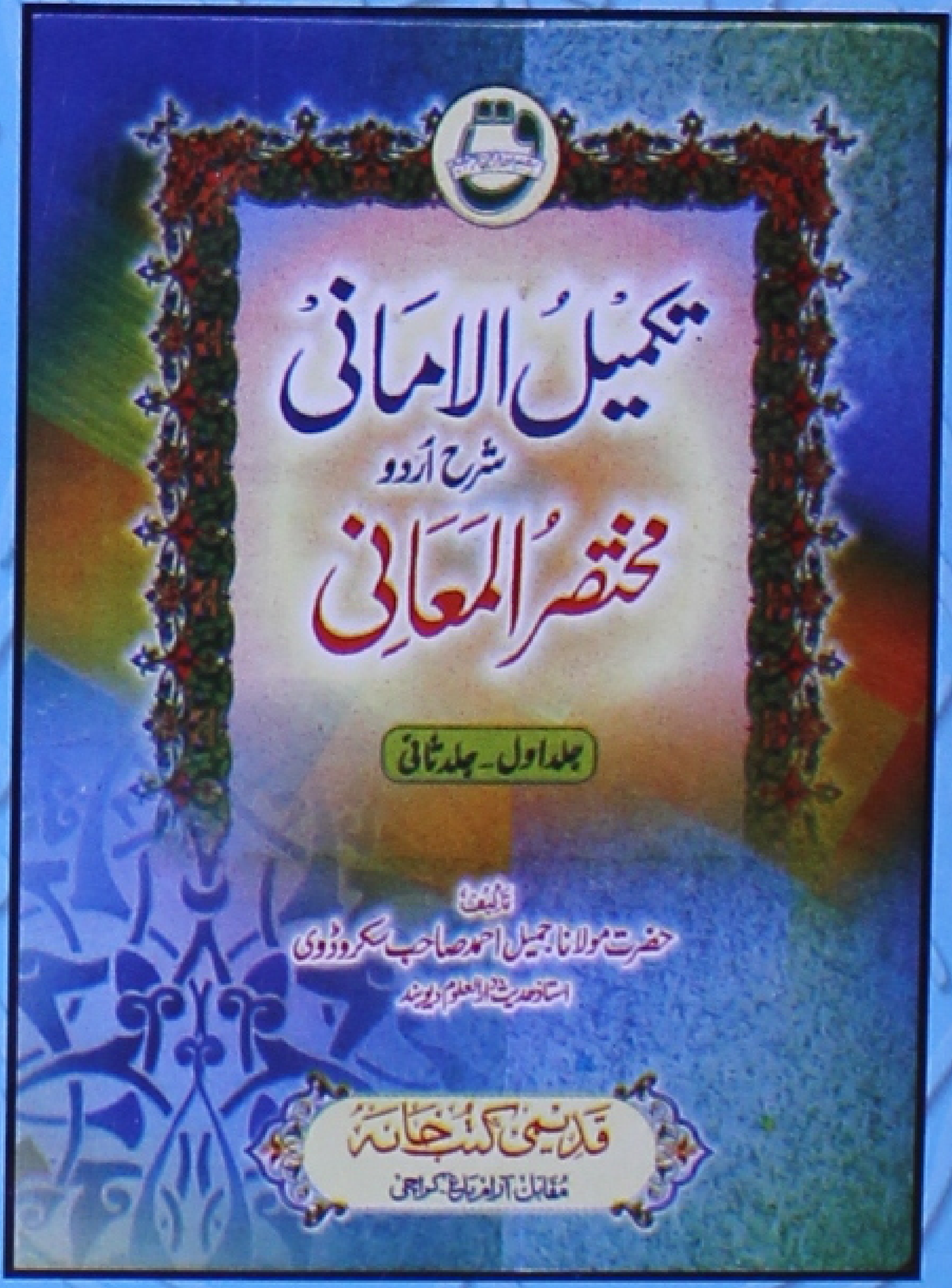
احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت: اس نازک مسئلہ پر مصنف نے انتہائی احتیاط اور بصیرت کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ اس موضوع پر ایک انقلاب انگیز کتاب۔ (زیرِ طبع)

قدیمی کتب خانہ
مُقابل آرام باغ۔ کراچی









قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی